مروجہ اسلامی بینکاری اور علماء کا نقطہ نظر

(تقابلی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار

عائشہ الطاف

ایم فل اسکالر علومِ اسلامیہ

نمل، اسلام آباد

نگران مقالہ

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی

اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف شریعہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(سیشن ۲۰۲۱-۲۰۱۷ء)

مروجہ اسلامی بینکاری اور علماء کا نقطہ نظر

(تقابلی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے ایم فل (علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار

عائشہ الطاف

ایم فل اسکالر علومِ اسلامیہ

نمل، اسلام آباد

نگران مقالہ

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی

اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف شریعہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبہ علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(سیشن ۲۰۲۱-۲۰۱۷ء)

©

عائشہ الطاف

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرستِ موضوعات

صفحہ نمبر	موضوعات	نمبر شمار
VI	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ (Thesis and Defence Approval Form)	۱.
VII	حلف نامہ فارم (Candidate Declaration Form)	۲.
VIII	انتساب (Dedication)	۳.
IX	اظہار تشکر و امتنان (A Word of Thanks)	۴.
X	ملخص مقالہ (Abstract)	۵.
XI	مقدمہ	۶.
۱	**باب اول: بینکاری کے اسلامیانے کی ضرورت واہمیت**	۷.
۲	فصل اول: بینکاری دورِ حاضر کی اہم ضرورت	۸.
۲۳	فصل دوم: بینکاری کے اسلامیانے کی شرعی بنیادیں	۹.
۳۴	فصل سوم: پاکستان میں بینکاری کے اسلامیانے کی مختصر تاریخ	۱۰.
۵۰	**باب دوم: اسلامی بینکوں میں رائج شراکت**	۱۱.
۵۱	فصل اول: شراکت: معنی و مفہوم اور اصول وضوابط	۱۲.
۷۱	فصل دوم: مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء	۱۳.
۸۳	فصل سوم: مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر	۱۴.
۱۰۷	**باب سوم: اسلامی بینکوں میں رائج مضاربت**	۱۵.
۱۰۸	فصل اول: مضاربت: معنی ومفہوم اور اصول وضوابط	۱۶.
۱۲۷	فصل دوم: مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء	۱۷.
۱۴۹	فصل سوم: مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر	۱۸.

۱۹.	**باب چہارم: اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ**	**۱۶۸**
۲۰.	فصل اول: اجارہ: معنی و مفہوم اور اصول و ضوابط	۱۶۹
۲۱.	فصل دوم: مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء	۱۸۴
۲۲.	فصل سوم: مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر	۱۹۵
۲۳.	نتائج مقالہ	۲۲۳
۲۴.	سفارشات	۲۲۵
۲۵.	فہرستِ آیات	۲۲۸
۲۶.	فہرستِ احادیث مبارکہ	۲۳۰
۲۷.	فہرستِ اعلام	۲۳۲
۲۸.	فہرستِ اصطلاحات	۲۳۴
۲۹.	مصادر و مراجع	۲۳۷

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **مروجہ اسلامی بینکاری اور علماء کا نقطہ نظر (تقابلی جائزہ)**

Muravija Islami Bankari aur Ulma ka Nuqta-e-Nazar (Taqabli Jaiza)

Contemporary Islamic Banking and the Views of Scholars (A Comparative Study)

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: عائشہ الطاف

رجسٹریشن نمبر: 1414 MPhil/IS/F17

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی

(نگران مقالہ) ______________________ نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ______________________ ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان

(پروریکٹر اکیڈمکس) ______________________ پروریکٹر اکیڈمکس کے دستخط

تاریخ: ______________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں عائشہ الطاف ولد الطاف حسین رول نمبر: MP-IS-AF17-ID007

رجسٹریشن نمبر: 1414 MPhil/IS/F17

طالبہ، ایم فل علومِ اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ

بعنوان: **مروجہ اسلامی بینکاری اور علماء کا نقطہ نظر (تقابلی جائزہ)**

Muravija Islami Bankari aur Ulma ka Nuqta-e-Nazar (Taqabli Jaiza)

Contemporary Islamic Banking and the Views of Scholars (A Comparative Study)

ایم فل علومِ اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: عائشہ الطاف

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

میں اپنی تحقیقی کاوش اپنے واجب الاحترام والدین کے نام منسوب کرتی ہوں
جنکی دعائیں میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔

اظہارِ تشکر

الحمدلولیه والصلوة علی نبیه وعلی اله واصحابه اجمعین اما بعد!

تمام قسم کی تعریفات، تمجیدات اور تہلیلات اس اللہ رب العزت کے لیے ہیں جس نے حضرت انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کرکے "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" کا تاج پہنایا اور انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے مکرم و معظم محتشم و منور، معطر و بابرکت اور باسعادت ہستی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر قرآن مجید اور اس کی مثل نازل کرکے اس دنیائے جہان کے لوگوں کو رہن سہن کے آداب کے ساتھ ساتھ اسلامی ،معاشی اور زری اصول بھی سکھائے۔ اور مجھے اس عظیم کام "**مروجہ اسلامی بینکاری اور علماء کا نقطہ نظر (تقابلی جائزہ)**" کو مرتب کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔ میں پیغمبر کائنات حضرت محمد ﷺ کے فرمان "من لم یشکرالناس لم یشکر اللہ" کا مصداق بننے کے لیے تمام احباب اور دوستوں کے لیے دعا گو ہوں جن کی محبت، خصوصی دعائیں ،قیمتی مشورے اور عملی تعاون شامل حال رہا اللہ تعالی ان سب کو دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین بدلہ اور خیر کثیر عطا فرمائے آمین۔

اللہ تعالی کا یہ بھی احسان عظیم رہا کہ اس مقالے کے ابتدائی مرحلے سے لے کر آخری مرحلے تک ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی صاحب اسسٹنٹ پروفیسر ڈیپارٹمنٹ آف شریعہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی خصوصی محبت و شفقت اور توجہ مجھے حاصل رہی انھوں نے انتہائی دیانت داری کے ساتھ ضروری علمی اور فنی مہارت سے میری راہنمائی فرمائی۔ لہذا میں ان کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں اللہ رب العزت دنیا و آخرت میں انھیں اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے شرف اور فضل کا اعتراف نہ کرنا علمی ناقدری کی علامت ہوگی جس مادر علمی کی وجہ سے مجھے ایم فل کا تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا اس سلسلے میں شعبہ علومِ اسلامیہ کے اساتذہ کرام خصوصیت کے ساتھ جذبات تشکر کے مستحق ہیں جن میں سرفہرست ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز محترم ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب کی میں دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں، نیز لائبریریوں کے عملے، دوستوں کی احسان مند ہوں جنھوں نے اس کاوش کے دوران کسی نہ کسی انداز سے میری مدد کی اور خاص طور پر اپنے والدین اور ہمشیرہ کی جن کی دعاؤں اور مفید مشوروں نے دوران مقالہ مجھے حوصلہ دیا۔

آخر میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ میری اس ادنٰی سی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین!

عائشہ الطاف

ایم فل علوم اسلامیہ

Abstract

Contemporary Islamic Banking and the Views of Scholars

Many scholars and practitioners noticed many problems in the operation of the traditional Western model of the banking system. Among this dramatically changed banking environment, attention turns to Islamic banking as an emerging force in the last three decades. Pakistan is an Islamic country and every system here, be it economic, social, educational, or political, must be subject to Islam. No system other than Islam can guarantee our well-being. The interest rate system, which is a product of the West, is deeply ingrained in our economy. It has weakened not only our economy but also our manpower. Islamic Banking is an alternative to Traditional Banking.

Both Islamic and Traditional types of banks include activities such as money transaction, issuing loans and agency services. However, their methods are quite different from each other. Traditional Banks transact money on an interest-bearing basis, while Islamic Banks operate on an interest-free system. Islamic financing methods are introduced for investing in Islamic Banks.

Today, Islamic Banking has become a controversial issue. Some scholars support the Islamic Banking system, while others disagree with it. However, the people are hesitant about these two different views. This research work is an attempt to bring forward the views closest to the Qur’an and Hadith on this issue, in order to find solutions to the problems and obstacles faced in adapting the country’s economic system to Islam.

The article has four chapters. The first chapter deals with the need and importance of banking, the Shariah foundations of Islamic banking and the history of Islamic Banking in Pakistan, while the next three chapters deal with the rules and regulations of the Islamic banks financings such as Mudaraba, Musharaka and Ijarah, contains their common forms and their comparison and analysis.

The research uses the qualitative research method. After studying the relevant material, the researcher has come to the conclusion that the current method of financing has been introduced in the form of Mudaraba, Musharaka and Ijarah, in view of the modern requirements, which are correct from shariah point of view but need further improvements. However, critics differ on these modern forms of Islamic banking.

To this end, I recommend that the scholars be seated on a bench and the scholarly differences between them be resolved so that the people who are divided into two groups can come out of this division and those who are reluctant to keep money in Islamic banks can invest in Islamic banks.

Keywords: Islamic banking, view of scholars, Mudaraba, Musharaka, Ijarah.

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

موضوع کا تعارف:(Introduction of the topic)

معاشیات نہایت اہم موضوع ہے۔ اسکا تعلق صرف فرد واحد سے نہیں ہے بلکہ معاشرے کا ہر فرد اس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ وابستہ ہے۔ در حقیقت انسانی بقاء ہی نظام معیشت میں پنہاں ہے تو ہر شخص ذریعہ معاش کے لئے سر گرم عمل ہے۔ قرآن مجید جو کہ حیاتِ انسانی کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے، معاملات زندگی بیان کرتے ہوئے معاشی اصول بھی بیان کرتا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث سے بھی رہنمائی ملتی ہے۔ قرآن میں تجارت کی ترغیب دی گئی اور سود سے منع کیا گیا ہے لیکن وطن عزیز میں رائج نظامِ بینکاری سود پر مبنی ہے اور یہ اسلامی نظام سے متصادم ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے معاشی نظام میں سود سے چھٹکارا حاصل کیا جائے اور معیشت کو اسلامی بنیادوں پر کھڑا کیا جائے۔ مروجہ اسلامی بینکاری اسی کوشش کا نتیجہ ہے لیکن اس کے جواز وعدم جواز کے بارے میں آراء مختلف ہیں۔ موجودہ مقالہ اسی حوالے سے اسلامی بینکاری کے مؤیدین اور ناقدین کے تقابلی جائزے پر مشتمل ہے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت:(Need & Importance of the topic)

دور حاضر میں اسلامی بینکاری کی حیثیت مسلم ہے۔ پاکستان میں میزان بینک، بینک اسلامی، دبئی اسلامی بینک کے ساتھ ساتھ سودی بینک بھی اسلامی بینکاری کی خدمات فراہم کر رہے ہیں اور اب یہ سلسلہ دنیا بھر میں چل نکلا ہے۔ وطن عزیز میں اسلامی بینکاری کے بارے میں اتفاقی اور اختلافی دونوں طرح کی آراء موجود ہیں۔ ایک طبقہ اس طریق بینکاری کا پُرزور حامی جبکہ دوسرا مخالف ہے۔ تحقیق کے طلباء کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن و سنت سے قریب ترین آراء کو بیان کریں۔ یہ مقالہ اسی حوالے سے ایک ادنیٰ کاوش ہے جس میں مروجہ اسلامی بینکاری کے بارے میں قرآن و سنت سے قریب ترین آراء کو بیان کیا گیا ہے۔ عصر حاضر میں معاشیات کے اسلامیانے کی ضرورت و اہمیت ہے لہذا یہ ایک منفرد نوعیت کا موضوع ہے جس پر تحقیقی انداز میں کام کر کے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی نظام بینکاری کی بہتری اور ترویج کیلئے سفارشات پیش کی گئی ہیں۔

اہداف ومقاصدِ تحقیق:(Targets & Objectives of the research)

اس مقالے میں تحقیق کے درج ذیل بنیادی مقاصد پیشِ نظر رکھے گئے ہیں۔

۱. دورِ حاضر میں بینکاری کی ضرورت واہمیت بیان کرنا۔

۲. بینکاری کے اسلامیانے کی شرعی بنیادیں فراہم کرنا۔

۳. اسلامی بینکاری کے مؤیدین اور ناقدین کے نقطہ نظر کی وضاحت اور ان کا تقابل کرنا۔

تحدیدِ مسئلہ:(Limitation & Delimitations)

موجودہ مقالہ اسلامی بینکاری کے متعلق ہے۔ اسلامی بینکاری ایک وسیع ترین باب ہے لہذا اس میں سے صرف تین طریقہ ہائے تمویل شراکت، مضاربت اور اجارہ کے متعلق مؤیدین اور ناقدین کے نقطہ نظر کو بطور تقابل ایم۔فل کے مقالے کیلئے منتخب کیا گیا ہے۔ مقالہ ہٰذا علماء کرام، محمد تقی عثمانی، محمد عمران اشرف عثمانی، محمد زبیر اشرف عثمانی، اعجاز احمد صمدانی، نجات اللہ صدیقی، مفتی ثاقب الدین، مفتی محمد ذرولی، مفتی احمد ممتاز، مفتی عبدالواحد، شفیق الرحمٰن، حافظ طاہر الاسلام اور حافظ ذوالفقار علی، کی آراء کے تناظر میں لکھا گیا ہے۔

سابقہ تحقیقی کام:(Literature Review)

اسلامی معاشیات میں درج ذیل حوالے سے تحقیقی کام ہو چکا ہے۔

۱. اسلام میں بینکاری کا تصوراور موجودہ بینکاری کی خرابیاں اور تدارک، مقالہ نگار: حافظ رفیع الدین، مقالہ برائے ایم-فل، شعبہ عربی، شعبہ علوم اسلامیہ وتحقیق، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان، ۲۰۱۰ء۔

۲. اسلامی بینکوں میں مروجہ عقود کا شرعی تحقیقی جائزہ، مقالہ نگار: محمد مشتاق احمد، مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی، شعبہ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی، پشاور، ۲۰۰۹ء۔

۳. میزان بینک اور بینک الاسلامی کے نظام کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ، مقالہ نگار: محمد عمر فاروق، مقالہ برائے ایم-فل، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف بہاولپور، بہاولپور، ۲۰۱۲ء۔

۴. جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ کے کردار کا تحقیقی مطالعہ، مقالہ نگار: زبیر اشرف عثمانی، مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی، کلیہ معارف اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی، ۲۰۰۰ء۔

۵. جدید اسلامی بینکاری میں اسلامی طریق ہائے تمویل کا اطلاق (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)، مقالہ نگار: حافظ راؤ فرحان علی، مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی، شعبہ علومِ اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء۔

۶. شرعی و وضعی قوانین میں آجر و اجیر کے حقوق و فرائض، مقالہ نگار: خضرہ سیماب، مقالہ برائے ایم-فل ،شعبہ علومِ اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ۲۰۱۵ء۔

۷. سود سے متعلق عملی مسائل اور علمائے پاکستان، مقالہ نگار: راشدہ پروین، مقالہ برائے ایم-فل، ادارہ علومِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۹ء۔

۸. جدید معاشی مسائل میں مفتی محمد تقی عثمانی اور علامہ غلام رسول سعیدی کی آراء کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ، مقالہ نگار: نزہت سعید، مقالہ برائے ایم-فل، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، بھکر، ۲۰۱۶ء۔

۹. جدید اسلامی سرمایہ کاری میں مرابحہ مؤجلہ کے رواج کا شرعی جائزہ، مقالہ نگار: محمد افضل خان، مقالہ برائے ایم-فل، کلیہ عربی و علومِ اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء۔

تحقیقی سوالات:(Research Questions)

دورانِ تحقیق درج ذیل سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے:

۱- دورِ حاضر میں بینکاری کی ضرورت کیا ہے؟

۲- بینکاری کے اسلامیانے کی شرعی بنیادیں کیا ہیں؟

۳- اسلامی بینکوں میں رائج شراکت، مضاربت اور اجارہ کے بارے میں مؤیدین کی آراء اور ناقدین کا نقطہ نظر کیا ہے اور ان کا تقابل کرنے کے بعد کیا نتائج سامنے آتے ہیں؟

اسلوبِ تحقیق:(Research Method & Methodology)

مقالہ ہٰذا میں تحقیقی انداز بیانیہ تقابلی ہے جس کے لئے بنیادی مصادر یعنی قرآن، حدیث، فقہ کے علاوہ ثانوی مصادر روایتی اور اسلامی بینکاری پر مشتمل کتب اور مقالہ جات سے استفادہ کیا گیا، جبکہ تقابلی طریقہ کار کیلئے اسلامی بینکاری پر مؤیدین اور ناقدین کی مرتب کردہ کتب اور علمی مواد سے مدد لی گئی ہے۔

ذرائع تحقیق:(Research Tools)

- فقہ اسلامی، اسلامی معیشت و بینکاری سے متعلقہ کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- اسلامی بینکوں سے متعلقہ مواد کے لئے بینکوں کی سالانہ رپورٹس سے بھی مدد لی گئی ہے۔
- جدید تحقیق کے ذرائع انٹرنیٹ، ویب سائٹس اور اسلامی سافٹ ویئرز کو بھی استعمال کیا گیا۔

خاکہ تحقیق

باب اول: بینکاری کے اسلامیانے کی ضرورت واہمیت

فصل اول: بینکاری دورِ حاضر کی اہم ضرورت

فصل دوم: بینکاری کے اسلامیانے کی شرعی بنیادیں

فصل سوم: پاکستان میں بینکاری کے اسلامیانے کی مختصر تاریخ

باب دوم: اسلامی بینکوں میں رائج شراکت

فصل اول: شراکت: معنی و مفہوم اور اصول وضوابط

فصل دوم: مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

فصل سوم: مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

باب سوم: اسلامی بینکوں میں رائج مضاربت

فصل اول: مضاربت: معنی و مفہوم اور اصول وضوابط

فصل دوم: مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

فصل سوم: مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

باب چہارم: اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ

فصل اول: اجارہ: معنی و مفہوم اور اصول وضوابط

فصل دوم: مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

فصل سوم: مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

باب اول

بینکاری کے اسلامیانے کی ضرورت واہمیت

فصل اول: بینکاری دورِ حاضر کی اہم ضرورت

فصل دوم: بینکاری کے اسلامیانے کی شرعی بنیادی

فصل سوم: پاکستان میں بینکاری کے اسلامیانے کی مختصر تاریخ

فصل اول

بینکاری دورِ حاضر کی اہم ضرورت

بینک ایک اہم یونٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ ابتدا میں ان کا کام صرف لوگوں کے سرمائے اور امانتوں کی حفاظت تھا مگر اب ہر ملک کی معاشی ترقی میں ان کا بنیادی کردار ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ معاشی بھاگ دوڑ بینکوں کے ہاتھوں میں ہی ہوتی ہے۔ بینک ہی کاروباری دنیا میں لوگوں اور اداروں کے درمیان رابطے قائم رکھتا ہے، جس سے نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی تجارت و کاروبار کو فروغ ملتا ہے۔ انفرادی سطح پر بھی بینکنگ خدمات سے انکار ممکن نہیں ہے۔ یہاں پر بینکوں کی عصر حاضر کے اعتبار سے ضرورت اہمیت کو بیان کیا جائے گا۔

بینک کی تعریف:

لغوی اعتبار سے بینک انگریزی زبان کا لفظ ہے جو فرانسیسی لفظ Banque سے ماخوذ ہے، جسے قدیم اطالوی لفظBanca سے مستعار لیا گیا جو کہ قدیم اعلیٰ جرمن لفظBenc سے ماخوذ ہے۔ اسکا مطلب ڈیسک، بینچ یا میز ہے۔ اٹلی کی نشاطِ ثانیہ کے دوران فلورینٹائن(Florentine) میں نقود کا تبادلہ کرنے والے کاروباری افراد بینچ کو کاؤنٹر کیلئے استعمال کرتے تھے۔ اسی نسبت سے اس کاروبار کو بینک کہا جانے لگا۔

اصطلاح میں بینک کی کوئی مخصوص تعریف نہیں ہے۔ تاہم بینک بنیادی طور پر مالیاتی ثالث کے طور پر خدمات سرانجام دینے والا ادارہ ہے، جو ڈیپازٹ وصول کرتا ہے اور قرض کے توسل سے کھلی منڈی میں براہِ راست یا بالواسطہ سرمایہ کا لین دین کرتا ہے یا پھر مختلف قسم کے کاروباروں میں اس (سرمایہ) کو استعمال میں لاتا ہے۔ گویا یہ سرمایہ کے حامل افراد اور سرمایہ کے ضرورت مند افراد کے درمیان بطور ثالث یا رابطہ کار خدمات سرانجام دیتا ہے۔[1]

بینک کی تاریخ وارتقاء:

بینکاری ایک جدید تصور نہیں ہے بلکہ یہ کسی نہ کسی صورت میں زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے اور اس کا ارتقاء پہلو بہ پہلو ہوتا رہا ہے۔ عرب کے ریگ زاروں سے دو ہزار سال قبل مسیح کے زمانے سے تعلق رکھنے والے مٹی کے جو کتبے دریافت ہوئے بینکاری کے رواج کے ہی شاہد ہیں۔[2] علاوہ ازیں عہدِ نبوی میں بھی لوگ اپنی امانتیں نبی

1- Encyclopedia of Britannica, Vol:3, Edition 15, see the word Bank.

۲- بلا سود بینکاری، ارشاد، شیخ احمد، مکتبہ تحریکِ مساوات، ۱۹۶۴ء، ص ۲۰

کریم ﷺ کے پاس جمع کرواتے تھے کو کہ بینک کی ہی ایک صورت تھی۔[1] قدیم تہذیبوں میں بھی مختلف نوعیت کی بینکاری سرگرمیاں رائج تھیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

قدیم تہذیبوں میں بینکاری کی سرگرمیاں:

دنیا کی قدیم ترین عراقی تہذیب میں بینکاری کا آغاز گندم سے ہوا۔ شاہی محلات اور مندروں کے گودام بینکوں کی عمارتوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے جہاں کسان اپنی اپنی گندم جمع کرواتے تھے۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دوسری اشیاء جیسا کہ فروٹ، جانور، زرعی اجناس وغیرہ بھی اس میں شامل ہوگئیں۔ اس میں سب سے اہم پیش رفت قیمتی دھاتوں کا مندروں میں جمع ہونا تھا۔ ان جمع شدہ چیزوں کے بدلے میں رسیدیں بھی جاری کی جاتی تھیں جو نہ صرف مالک کیلئے ہوتی تھیں بلکہ فریقِ ثالث کیلئے بھی روزمرہ کے لین دین میں قابلِ انتقال آلہ مبادلہ استعمال ہوتی تھیں۔ یہاں سے ہی قرض کے لین دین کا کاروبار شروع ہوا اور پھر اپنے بامِ عروج کو پہنچا۔[2]

عراقی تہذیب میں ہاؤس آف اجیبی (House of Egibi) اس وقت بینکاری کی تاریخ میں ایک بڑا نام تھا جس کے پاس اشیاء جمع کروائی جاتی تھیں اور چیک کے ذریعے نکلوائی جاتی تھیں۔ کھاتے کھلوانے اور اشیاء گروی رکھ کر قرضے جاری کروانے کی سہولت موجود تھی۔ قانون کی دنیا میں ایک بڑا نام حمورابی، جس کا دورِ حکومت ۱۷۵۰ سے ۱۷۹۲ قبل از مسیح بتایا جاتا ہے، اس کے دور میں قرض کا لین دین اتنا عام ہوا کہ اسے اس سے متعلق ضابطہ قانون تشکیل دینا پڑا۔[3]

بابلی تہذیب میں سنز آف مراسچو (Son's of Maraschu) مشہور نام ہے جو اس وقت بینکاری کی ایک فرم کا درجہ رکھتا تھا۔ جہاں کھاتے کھلوانے اور اشیاء گروی رکھ کر قرضے لینے کی سہولت موجود تھی مگر اس کا زیادہ تر کاروبار "لیزنگ" سے متعلق تھا۔ یہ فرم مچھلی کے تالاب لیز پر دیتی، نہریں تیار کرنے کیلئے رقم فراہم کرتی اور خود بھی نہروں کی تعمیر کرتی اور جو کسان ان نہروں سے پانی حاصل کرتے ان سے معاوضہ وصول کیا جاتا۔ بعد ازاں اس میں جیولرز کا کاروبار شروع ہوا۔ انہی وجوہات کی بناء پر یہاں سکے کے دور کا آغاز ہوا اور پھر یہ عروج تک پہنچا۔[4]

۱- موجودہ بینکنگ اور اسلامی بینکاری، عارف، محمود الحسن، سہ ماہی منہاج، جنوری-اپریل ۱۹۹۲ء، شمارہ ۱-۲، ص ۱۰

2- A History of Money from Ancient Times to the Present Day, GLYN Davies, University of Wales Press,2002, p.50.

3- Ibid, p.g:51.

4- Ibid

قدیم مصری تہذیب میں روز مرہ کے لین دین میں سونا، چاندی، تانبا وغیرہ کے ساتھ ساتھ گندم کا بطور آلہ مبادلہ استعمال ہوتا تھا۔ قدیم عراقی تہذیب میں بھی تجارتی امور میں گندم کے بدلے میں ملنے والی رسیدوں کا استعمال رائج تھا مگر مصر میں اس کا ملکی پیمانے پر استعمال بے مثال تھا۔ وہاں کے بادشاہ پطلیموس نے اسکندریہ میں ایک مرکزی بینک قائم کیا جس میں تمام چھوٹے بینکوں کے کھاتے موجود تھے اور سکہ سازی کے تمام تر اختیارات حکومت کے پاس تھے۔[1]

روم میں بینکاری:

روم میں بینکاری کی بنیاد غیر ملکیوں بالخصوص یونانیوں کے ہاتھوں پڑی۔ شروع شروع میں یہاں مختلف شہروں حتٰی کہ صوبہ جات میں مشکل سے ہی اکا دکا بینک تھا مگر بعد میں روم بینکاری کا مرکز بن گیا۔ ابتداء میں بینکاری کے امور حکومت کے پاس تھے جو اس مقصد کیلئے افسران کا تقرر کرتی جو کہ عوام الناس سے رقوم وصول کرتے اور قرض جاری کیا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں پرائیویٹ منی چینجرز نے یہ کاروبار شروع کر دیا۔[2]

روم میں اس وقت کے بینکاروں نے بینکاری کی وہ سرگرمیاں سر انجام دیں جو آج کل کے اسٹاک بروکر(Stock Broker)، کمیشن ایجنٹ(Commission Agent)، منی چینجرز(Money Changers)اور قرض جاری کرنے والے ادارے فراہم کر رہے ہیں۔[3]

مغربی ممالک میں بینکاری:

مغربی ممالک میں بینکاری کی ابتداء اس وقت ہوئی جب کاغذی نوٹ نہ چلتے تھے اور لوگ زیادہ تر مال و دولت سونے کی شکل میں جمع کیا کرتے تھے۔ اس سونے کو حفاظت کی غرض سے سناروں کے پاس رکھوایا جاتا تھا اور وہ اسکی رسید جاری کر دیا کرتے تھے۔ کاروباری لین دین کیلئے لوگ سونا واپس نکلوانے کی بجائے رفتہ رفتہ لوگ خرید و فروخت، قرضوں کی ادائیگی اور حسابات چکانے کیلئے انھی رسیدوں کا استعمال کرنے لگے۔ جب تک کسی کو سونے کی ہی ضرورت نہ ہو اس سونے کو نکلوانے کی ضرورت نہ پڑتی تھی۔ جب سناروں کو معلوم ہوا کہ لوگوں کا جو سونا ان کے پاس بطور امانت موجود ہے اس کا بمشکل دسواں حصہ ہی نکلوایا جاتا ہے جبکہ باقی کے نو حصے ان کے پاس تجوریوں میں

1- Banks of the world, Roger Orsingher, Walker & Company, New York, 1967,p.4-5.

2- Ibid, p.5.

3- A History of Interest Rates, Sidney Homer and Richard Sylla, John Wiley & Sons, London, 2005, p.47.

بے کار ہی پڑا رہتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اسے لوگوں کو قرض پر دے کر سود وصول کرنا شروع کر دیا اور اس سے کاروبار کرنے لگے۔[1]

پھر ان ساہوکاروں کو سوجھی کہ دوسرے کاروباری شعبوں کی مشترکہ کمپنیوں کی طرح ایک مشترکہ کمپنی بنائی جائے۔ اس طرح جدید ساہوکاری نظام نے جنم لیا اور بینک معرض وجود میں آیا۔[2]

بینک آف وینس(Bank of Venice) :

اٹلی میں سب پہلے بینک آف وینس(Bank of Venice) ۱۱۵۷ء میں قائم ہوا۔[3] حکومت کو جنگی اخراجات پورا کرنے کیلئے فنڈز درکار تھے تو اس نے سب سے پہلے چار فیصد شرح سود پر قرضوں کی وصولی کا کاروبار شروع کیا۔ جگہ جگہ اس کی برانچیں کھولی گئیں جہاں بعد میں ہنڈی کاروبار (Bill of Exchange) کو توسیع دی گئی۔ اس طرح دوسری بینکاری سرگرمیاں بھی شروع ہوتی گئیں۔[4]

بینک آف جنیوا اینڈ بارسلونا(Bank of Genoa & Barcelona) :

پندرہویں صدی کی ابتداء میں بینک آف وینس کے مدِ مقابل جنیوا(Genoa) اور بارسلونا(Barcelona) میں بینک قائم ہوئے۔ یہ دونوں بینک بھی بینک آف وینس کی طرح سرگرمیاں سرانجام دیتے تھے۔[5]

بینک آف انگلینڈ(Bank of England) :

جدید طرز کے مطابق بینک آف انگلینڈ(Bank of England) کا قیام ۱۶۹۴ء میں ہوا۔ اس کا کل سرمایہ بارہ لاکھ سٹرلنگ تھا جو عوام کی طرف سے آٹھ فیصد شرح سود پر عوام کی طرف سے بینک میں جمع تھا۔ بینک نے ہنڈی کا کاروبار کرنے کیلئے عوام کے سرمائے کو خطرے سے بچانے کیلئے اپنے نوٹ جاری کر دیئے۔ تاہم بینک سکوں کی بجائے نوٹوں میں تاجروں کو ادائیگی کرتا تھا۔ بینک نے رقوم کی وصولی اور قرضوں کے اجراء میں اس قدر اضافہ کیا کہ

۱- سود، مودودی، ابو الاعلیٰ، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۹۴-۹۵

۲- سود کیا ہے؟، ضیاء، ضیاء اللہ، سیف پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۱ء، ص ۷۹

3- Islamic Banking, Homoud.S.H, Arabian information, London, 1985, p.24.

4- The History of Banks, Richard Hildreth, Batoche Books, Kitchener, Ontario, 2001, p.7.

5- Ibid

لوگوں کے ذمے بینک کا ادھار بارہ لاکھ سٹر لنگ سے بھی تجاوز کر گیا جو رقم بینک کے پاس سرمایہ کی صورت میں عوام الناس کی طرف واجب الادا تھی۔[1]

امپیریل بینک آف انڈیا(Imperial Bank of India):

بر صغیر میں جدید بینکاری کی ابتداء ۱۸۰۶ء میں بینک آف کلکتہ سے ہوئی۔ اس کی تنظیم نو کے بعد ۱۸۰۹ء میں اسے بینک آف بنگال کا نام دے دیا گیا۔ ۱۸۴۰ء اور ۱۸۴۳ء میں بالترتیب بمبئی اور مدراس میں بینک قائم ہوئے۔ یہ بینک اپنے اپنے طور پر بینکاری سرگرمیاں سرانجام دیتے رہے بالآخر ۱۹۲۱ء میں ان تینوں کو ملا کر بینک آف انڈیا (Imperial Bank of India) قائم کیا گیا۔ ۱۹۳۵ء میں مرکزی بینک ریزرو بینک آف انڈیا (Reserve Bank of India) قائم ہوا۔ تاہم ۱۹۴۶ء تک انڈیا میں انیس سو پینتیس (۱۹۳۵) بینک کام کر رہے تھے جن کی تین ہزار ایک سو چھ (۳۱۰۶) برانچیں تھیں۔[2]

اسٹیٹ بینک آف پاکستان(State Bank of Pakistan):

پاک وہند کی تقسیم کے وقت پاکستان میں بینکاری کے شعبے کی بڑی خستہ حالت تھی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں بڑی تیزی سے بہتری دکھائی دی۔ کل تین ہزار ایک سو چھ (۳۱۰۶) برانچوں میں سے پاکستان میں شیڈول بینکوں کی صرف چار سو ستاسی (۴۸۷) برانچیں تھیں۔ پاکستان بننے کے بعد وقت کی نزاکت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جولائی ۱۹۴۸ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اسٹیٹ بینک کا افتتاح کیا۔[3]

بینک کا دائرہ کار:

بینک کے بنیادی طور پر دو امور ہوتے ہیں۔ صارفین کی بچتوں کو اکھٹا کرنا اور پھر اسے کسی نفع بخش کاروبار میں صرف کر کے نفع کمانا۔ صارفین کی بچتوں کیلئے بینک مختلف اکاؤنٹس متعارف کرواتا ہے اور صارفین اپنی مرضی کے مطابق اکاؤنٹ کھلوا کر اپنی رقم بینک کے پاس جمع کرواتے ہیں۔ بینک جمع شدہ رقوم کے بہترین تصرف کیلئے اسے کاروباری سرگرمیوں میں لگاتا ہے تاکہ اس سے بینک اور صارفین نفع کما سکیں۔ چونکہ اس میں بینک کا اپنا سرمایہ بھی شامل ہوتا ہے اور دوسرا بینک کی محنت بھی ہوتی ہے تو اس حساب سے بینک اور کھاتہ دار نفع طے کرتے ہیں۔ البتہ اسلامی اور سودی بینکوں میں ان امور کی انجام دہی میں فرق ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ ان کی کچھ وکالت پر مبنی خدمات بھی ہیں۔ ذیل میں بینک کے دائرہ کار کی تفصیل درج ذیل اعتبار سے بیان کی جائے گی۔

1- The History of Banks, p.8.

2- Principles of Banking, Shehzad Ehtisham, Qazi, Azeem Academy, Lahore, p.7.

3- Ibid

۱.	بچتوں کی وصولی

۲.	سرمایہ کی فراہمی

۳.	وکالت پر مبنی خدمات

۱- بچتوں کی وصولی

بچتیں سرمایہ کاری میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، چھوٹی چھوٹی بچتیں اکھٹی ہوتی ہیں تو ایک بڑی رقم بنتی ہے اور جب یہ رقم کسی سرمایہ دار کے پاس پہنچتی ہے تو وہ اس سے کاروبار وغیرہ شروع کرتا ہے۔ اسی طرح یہ چھوٹی چھوٹی بچتیں ایک بڑے سرمائے کو تشکیل دے کر بڑی بڑی سرمایہ کاری اور بڑے بڑے کاروبار کو جنم دیتی ہیں۔ ان بچتوں کو استعمال میں لانے کیلئے بینک اہم کردار ادا کرتے ہیں اور اس مقصد کیلئے مختلف اکاؤنٹس متعارف کرواتے ہیں۔ اگر ہم بینکاری کے توسط سے ان بچتوں کو استعمال میں نہ لائیں تو یہ کسی بڑے کاروبار کو جنم نہیں دے سکتیں اور وقت کے ساتھ ساتھ پیسہ گھر میں پڑے پڑے اپنی قدر کھو دے گا۔ تاہم اگر بینک اس کو استعمال میں لے آئے تو اس سے صنعتوں کو سرمایہ میسر آجائے گا۔ عصرِ حاضر کی ضرورت کے اعتبار سے بچتوں کی وصولی کیلئے متعارف کئے گئے۔ اکاؤنٹس کی نوعیت دو طرح کی ہوتی ہے۔

۱.	غیر نفع بخش اکاؤنٹ (Current Account)

۲.	نفع بخش اکاؤنٹ (Saving Account)

غیر نفع بخش اکاؤنٹ میں منافع نہیں دیا جاتا بلکہ یہ کھاتہ دار کی رقم محفوظ رکھنے کی ضمانت ہوتا ہے، رقم بینک کے پاس قرض کے طور پر ہوتی ہے۔ سودی اور اسلامی بینک اکاؤنٹ ہولڈر کو کوئی نفع نہیں دیتے۔ بینکوں میں اس قسم کا اکاؤنٹ کرنٹ اکاؤنٹ کہلاتا ہے۔ اس قسم کے اکاؤنٹ کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

کرنٹ اکاؤنٹ

کرنٹ اکاؤنٹ جاری یا چلت کھاتے ہوتے ہیں۔ یہاں رقم جمع کروانے یا نکلوانے میں کوئی پابندی نہیں ہوتی یعنی اکاؤنٹ ہولڈر کسی بھی وقت چیک یا دیگر طریقوں سے اپنی رقم وصول کر سکتا ہے۔ اور کسی بھی وقت رکھوا سکتا ہے۔ یہ کھاتہ بلا سود یا بہت کم شرح سود پر مہیا کیا جاتا ہے۔[1] عصرِ حاضر کی ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ اکاؤنٹ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے رقم بینک میں محفوظ ہوتی ہے اور بینک اس کو استعمال میں بھی لے آتا ہے مگر اگر

1- Money Banking and Finance, Qazi Shahzad Ehtesham and others, Azeem Academy Publisher and Booksallers, Lahore, p.196.

اکاؤنٹ ہولڈر کوئی کاروباری شخص ہو اور آئے دن اپنی رقم نکالتا ہو تو اپنی ضرورت کے تحت رقم نکلوانا چاہے تو نکال بھی سکتا ہے۔ اگر بینک میں اس طرح کا اکاؤنٹ ہی نہ ہو تو پھر لوگوں کیلئے مسئلہ ہے۔

اسلامی اور سودی بینک کے کرنٹ اکاؤنٹ میں تھوڑا فرق ہوتا ہے۔ جیسا کہ الائیڈ بینک میں ان دونوں کے اکاونٹس کے کھاتے موجود ہوتے ہیں۔ ایک صرف کرنٹ اکاؤنٹ اور دوسرا الائیڈ اسلامک کرنٹ اکاؤنٹ کے نام سے منسوب ہے۔ ان میں چند بنیادی فرق یہ ہیں:[1]

کرنٹ اکاؤنٹ	الائیڈ اسلامک کرنٹ اکاؤنٹ
• بینک کے پاس رقم مطالبہ کرنے پر واجب الاداء ہے۔ • اکاؤنٹ کھولنے کیلئے ۱۰۰۰ روپے ہونا ضروری ہیں۔ جبکہ اکاؤنٹ میں کم از کم رقم کی حد ۲۵۰۰۰ روپے ہے۔ • اگر کوئی رقم کی کم از کم حد برقرار نہ رکھ سکے تو ماہانہ ۵۰ روپے چارجز دینے ہوتے ہیں۔ • اکاؤنٹ بند کرتے وقت چارجز وصول کئے جاتے۔	• بینک کیلئے رقم قرض ہے۔ • اکاؤنٹ کھولنے کیلئے اس میں ۱۰۰۰ روپے ہونا ضروری ہے۔ لیکن کم از کم بیلنس کی کوئی شرط نہیں۔ • رقم کم بھی ہو تو کوئی چارجز نہیں۔ • اکاؤنٹ ختم کرنے پر کوئی چارجز نہیں وصول کئے جاتے۔

نفع بخش اکاؤنٹ ایسا اکاؤنٹ ہوتا ہے جس میں اکاونٹ ہولڈر کو سرمایہ اور معیاد کے مطابق نفع دیا جاتا ہے۔ کنونشنل بینک اس طرح کے اکاؤنٹس پر سود ادا کرتے ہیں جبکہ اسلامی بینک ایک خاص تناسب سے منافع مہیا کرتے ہیں۔ بینک اس کیلئے مختلف طرح کے اکاؤنٹس رکھتے ہیں، جس کے مطابق اکاؤنٹ ہولڈرز اپنی مرضی سے اکاونٹ کھلواسکتے ہیں۔ یہ اکاؤنٹس درج ذیل ہیں۔

1-"Islamic vs Conventional Banking – Allied Bank Limited", retrived from https://www.abl.com/islamic-banking/islamic-vs-conventional-banking/ visited on: 26,November,2019 at 1:56am.

سیونگ اکاؤنٹ

سیونگ اکاونٹ ایسا بچت کھاتہ ہوتا ہے کہ اس پر گاہک کو مناسب شرح پر سود ملتا ہے۔ جبکہ محدود سطح تک اسے رقوم کی منتقلی کی اجازت بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ وہ مہینے میں رقم نکلوانے کیلئے آٹھ چیک استعمال کر سکتا ہے۔ اکاؤنٹ کم از کم ۱۰۰ روپے سے بھی کھل جاتا ہے۔[۱] یہ اکاؤنٹ عصرِ حاضر میں ان لوگوں کیلئے مفید ہے کہ جن کو پیسہ جلدی تو نہیں نکلوانا ہوتا مگر زیادہ طویل مدت کیلئے بھی بینک میں نہیں رکھ سکتے۔ ایسے لوگ اس اکاؤنٹ سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

اسلامی طرز کے سیونگ اکاؤنٹ میں سود نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی سودی ذرائع سے منافع حاصل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ دبئی اسلامک بینک کے سیونگ اکاؤنٹ کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

- اکاؤنٹ مضاربہ کے اصولوں پر چلایا جاتا ہے۔
- کم سے کم بیلنس ۱۰۰۰ روپے سے اکاؤنٹ کھلوایا جا سکتا ہے۔
- نفع ہر مہینہ اوسط توازن اور ویٹیج کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔
- ماسوائے خاص شرائط اکاؤنٹ سے متعدد بار رقم منتقل کی جا سکتی، نکالی اور جمع کی جا سکتی ہے۔
- اکاؤنٹ ہولڈر بہت ساری بیش قیمت خدمات جیسا کہ سلور یا گولڈ اے۔ٹی۔ایم یا ڈیبٹ کارڈ اور بیلنس کی مطلوبہ حد برقرار رکھنے پر اضافی سہولیات سے استفادہ لے سکتا ہے۔[۲]

فکسڈ ڈیپازٹ اکاؤنٹ

فکسڈ ڈیپازٹ اکاؤنٹ یعنی معیادی کھاتے ایک خاص مدت کیلئے فراہم کئے جاتے ہیں جو کہ تین ماہ سے لے کر پانچ سال تک کیلئے ہو سکتے ہیں۔ کھاتہ دار مرضی کے مطابق مدت کا انتخاب کر کے رقم رکھوا سکتا ہے۔[۳] ان کھاتوں کے متعلق بینک کو تسلی ہوتی ہے کہ یہ رقم اتنے عرصے کیلئے اس کے پاس ہی رہے گی لہذا وہ بے دھڑک اسے مختلف منصوبوں میں لگاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کھاتوں پر واجب الاداء سود کی شرح دوسرے کھاتوں کی نسبت زیادہ ہوتی

1- Money Banking and Finance, Qazi Shahzad Ehtesham and others, p.193-194.

2-"Saving Account – Dubai Islamic Bank",
retrived from: https://www.dibpak.com/index.php/accounts/saving-account/ , visited on: 14,March, 2019 at 11:00pm.

3- Banking Learning Basic Concepts, Moeen-ud-Din, Sysevgy Publisher, Islamabad, p.48.

ہے۔[1] کچھ لوگ طویل عرصے کیلئے پیسہ بینک کے پاس رکھوا سکتے ہیں۔ جیسا کہ کسی شخص کے پاس رقم ہو اور اس کے چھوٹے بچے ہوں جن کی شادیوں میں وقت ہو تو وہ رقم بینک کے پاس دس، بارہ یا پندرہ سالوں کیلئے رکھوالے تو عصرِ حاضر کی ضرورت کے پیشِ نظر بینک یہ پیسہ صنعتوں کو سرمایہ کاری کیلئے دے سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو لوگوں کا پیسہ سرمایہ کاری کیلئے استعمال نہ ہو گا جس سے ان کا بھی نقصان ہے اور صنعتوں کی ترقی میں بھی بہت رکاوٹ ہے۔

حبیب بینک فکسڈ ڈیپازٹ کے حوالے سے مختلف اکاؤنٹس متعارف کرواتا ہے جس میں اکاؤنٹ کی کم یا زیادہ عرصہ کی سرمایہ کاری کی نوعیت کے حساب سے نفع و نقصان کی بنیاد پر سودی منافع دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایچ۔بی۔ایل ایڈوانٹیج اکاؤنٹ(HBL Advantage Account) میں ایک، تین، چھ ماہ یا ایک، تین، پانچ، دس سال کیلئے 25,000 سے 500 ملین کی سرمایہ کاری کرسکتے ہیں۔[2] جب کہ یہی سرمایہ کاری اگر ایچ۔بی۔ایل ایڈوانٹیج پلس(HBL Advantage Plus) میں کی جائے تو اس پر ملنے والا منافع زیادہ ہو گا کیونکہ اس میں رقم رکھوانے کا دورانیہ ایک، تین، پانچ اور دس سال ہی ہوتا ہے۔[3] ان دونوں اکاؤنٹس کے منافع کا فرق آگے دیئے گئے بینک ریکارڈ سے دیکھا جاسکتا ہے۔

اس کے برعکس میزان بینک سودی منافع نہیں دیتا بلکہ مدت کے اعتبار سے ویٹیج کی بنیادوں پر منافع کا تناسب طے کرتا ہے۔ ویٹیج کا اعلان ہر ماہ کے شروع میں کر دیا جاتا ہے جبکہ مدت کے اختتام پر حقیقی منافع اسی تناسب سے صارفین کو دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میزان کے سرٹیفیکیٹ آف اسلامک انویسٹمنٹ (Certificate of Islamic Investment) اکاؤنٹ میں مارچ ۲۰۲۰ کیلئے ویٹیج حسبِ ذیل ہے:[4]

اکاؤنٹ کی نوعیت	منافع کی تقسیم کا دورانیہ	ویٹیج
1.5 سال	ماہانہ	0.66

1- Money Banking and Finance, Riaz Ahmed, Mian, Azeem Academy Publisher and Booksallers,Lahore,p.219.

2- “HBL Advantage Account”, retrived from https://www.hbl.com/hbladvantageaccount ,visited on: 15,March,2020 at 01:56am.

3- “HBL Advantage Plus”, retrived from https://www.hbl.com/hbladvantageplus, visited on: 15,March,2020 at 02:02am.

4- “Meezan Bank Certificate of Islamic Investment”, retrived from https://www.meezanbank.com/certificate-of-islamic-investment/, visited on:15,March, 2020 at 03:20am.

S.No.	Category of Deposit		Indicative Rate of Profit P.A. %	Annualized Rate of Expected Return %
11a	**HBL Advantage Account**		**Simple Interest Rate**	**Effective Interest Rate**
	1 Month	Monthly	11.29%	11.29%
	3 Months	Quarterly	10.89%	10.89%
	6 months	Six Monthly	10.99%	10.99%
	One Year	Monthly	10.23%	10.72%
		Quarterly	10.31%	10.72%
		Six Monthly	10.40%	10.67%
		On Maturity	11.05%	11.05%
	Two Year	Monthly	10.25%	10.75%
		Quarterly	10.45%	10.87%
		Six Monthly	10.88%	11.18%
		On Maturity	12.00%	11.36%
	Three Years	Monthly	9.55%	9.98%
		Quarterly	9.63%	9.98%
		Six Monthly	9.67%	9.90%
		On Maturity	9.99%	9.13%
	Five Years	Monthly	10.08%	10.56%
		Quarterly	10.28%	10.68%
		Six Monthly	10.76%	11.05%
		On Maturity	10.81%	9.03%
	Ten Years	Monthly	10.29%	10.79%
		Quarterly	10.38%	10.79%
		Six Monthly	10.77%	11.06%
		On Maturity	11.81%	8.11%
11b	**HBL AdvantagePlus Account**		**Simple Interest Rate**	
	One Year	Monthly	11.80%	
	Two Year	Monthly	10.84%	
	Three Years	Monthly	10.58%	
	Five Years	Monthly	10.85%	
	Ten Years	Monthly	10.45%	
	There will not be any compounding on Advantage Plus account since profit will be credited in Current Account only.			

حبیب بینک کے فکسڈ ڈیپازٹ کے منافع جات کی تفصیل [1]

1 -“HBL Advantage Plus”, retrived from https://www.hbl.com/hbladvantageplus , visited on: 15,March,2020 at 02:02am.

0.67	ماہانہ	2سال
0.67	ہر چار ماہ بعد	
0.67	مدت کے اختتام پر	
0.67	ماہانہ	3سال
0.67	ہر چار ماہ بعد	
0.67	مدت کے اختتام پر	
0.67	ماہانہ	5سال
0.67	ہر چار ماہ بعد	
0.67	مدت کے اختتام پر	

میزان بینک کے ریکارڈ میں اسی اکاؤنٹ کے تحت فروری ۲۰۲۰ میں ویٹیج کی بنیاد پر دیا جانے والا حقیقی نفع حسبِ ذیل ہے:[1]

منافع کا تناسب	**منافع کی تقسیم کا دورانیہ**	**اکاؤنٹ کی نوعیت**
11.96	ماہانہ	1.5سال
12.14٪	ماہانہ	2سال
12.14٪	ہر چار ماہ بعد	
12.14٪	مدت کے اختتام پر	

1- "Meezan Bank Certificate of Islamic Investment" , retrived from https://www.meezanbank.com/certificate-of-islamic-investment/ , visited on: 15,March,2020 at 03:20am.

3سال	ماہانہ	12.14٪
	ہر چار ماہ بعد	12.14٪
	مدت کے اختتام پر	12.14٪
5سال	ماہانہ	12.32٪
	ہر چار ماہ بعد	12.32٪
	مدت کے اختتام پر	12.32٪

فارن کرنسی اکاؤنٹ

فارن کرنسی اکاونٹ غیر ملکی کرنسی مثلاً ڈالر، اسٹرلنگ، یورو، پاؤنڈ اور جاپانی ین وغیرہ میں کھولے جاتے ہیں۔ ایسے کھاتے کسی بھی قسم کی کٹوتی مثلاً انکم ٹیکس، زکوۃ وغیرہ سے مستثنٰی ہوتے ہیں۔ ان کھاتوں پر ادا کی جانے والی شرح سود مرکزی بینک طے کرتا ہے۔ اگر یہ کھاتے بچت کھاتوں کی صورت میں کھلوائے جائیں تو شرح سود ماہانہ بنیادوں پر جبکہ معیادی کھاتوں کی صورت میں پختگی کی میعاد پر ادا کی جاتی ہے۔[1] عصرِ حاضر میں بینک کی اہم خدمت یہ بھی ہے کہ ہر ملک کے باشندے دوسرے ملکوں میں کام کرتے ہیں۔ اسی طرح پاکستانی بھی برطانیہ اور امریکہ وغیرہ میں کام کرتے ہیں تو پیسہ ڈالر اور پونڈ وغیرہ کی صورت میں ہمارے ملک میں آتا ہے تو ان اکاؤنٹس میں جمع ہوتا ہے سرمایہ کاری کیلئے استعمال میں آتا ہے۔ یہ ہمارے لیئے خوش آئند بات بھی ہے کہ بینک کی اس قسم کی خدمات سے ہمارے ملک میں سرمایہ کاری آئے گی اور زرِ مبادلہ کے زخائر میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

۲- سرمایہ کی فراہمی

دورِ حاضر کی ضرورت کے اعتبار سے بینک اکاؤنٹس میں موجود کھاتہ داروں کی رقم سے کاروباری اور ضرورت مند لوگوں کو سرمایہ بھی فراہم کرتا ہے۔ روایتی بینک یہ سرمایہ سود کی صورت میں قرض دیتا ہے جس پر حاصل ہونے والے سود میں سے کھاتہ داروں کو بھی سود ادا کرتا ہے۔ اس طرح بینک اور اکاؤنٹ ہولڈر اپنے سرمائے سے منافع کماتے ہیں۔ ایسے قرضہ جات بینک مدت کے لحاظ سے تین طرح سے جاری کرتا ہے۔

1- Money Banking and Finance, Riaz Ahmed, Mian, p.219. Money Banking and Finance, Qazi Shahzad Ehtesham and others, p.197.

- **مختصر المیعاد:**

بینک اپنے گاہکوں، عموماً چھوٹے دوکانداروں، کاروباری افراد، ڈسٹری بیوٹرز وغیرہ کو مختصر المیعاد قرضے فراہم کرتا ہے۔ ان قرضوں کی میعاد ایک سال یا اس سے بھی کم ہوتی ہے۔[۱] جیسا کہ مسلم کمرشل بینک (MCB) میں پرسنل لون (Personal Loan) کے تحت ۵۰ ہزار سے ۲ ملین تک قرضہ فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ قرضہ کم از کم ۱ سال اور زیادہ سے زیادہ ۵ سال کیلئے ہوتا ہے۔[۲]

- **وسط المیعاد:**

یہ قرضے متوسط کاروباری طبقے، کارخانہ دار اور پیداوار کنندگان کو دیئے جاتے ہیں جن کا مقصد عموماً کاروبار میں جدت اور پلانٹ مشینری وغیرہ کی خرید وفروخت ہوتا ہے۔ وسط المیعاد قرضے ایک سال سے پانچ سال کیلئے جاری کئے جاتے ہیں۔[۳] جیسا کہ حکومتِ پاکستان نے ۲۱ یا اس سے زیادہ سال نوجوانوں کو کاروباری اور معاشی طور پر بااختیار کرنے کیلئے قرضہ جات کا اجراء کیا۔ اسی سکیم کے تحت حبیب بینک (HBL) نے پرائم منسٹر یوتھ بزنس لون (Prime Minister Youth Business Loan) کے ذریعے چھوٹے پیمانے کے کاروبار جیسا کہ کلینک، بوٹیک، ڈیری فارم، سکول، دکان، پولٹری فارم، صنعت وزراعت، بیکری، ریسٹورنٹ کیلئے قرضہ دینے کا آغاز کیا ہے۔ اس میں ۲ ملین تک قرضے ۱ سے ۷-۸ سال کیلئے دیئے جاتے ہیں۔[۴]

- **طویل المیعاد:**

طویل المیعاد قرضے نئے کاروبار کے قیام، بھاری مالیت کی اشیاء اور بڑے منصوبہ جات کیلئے جاری کئے جاتے ہیں۔ ان قرضوں کا دورانیہ عموماً پانچ سال سے دس سال ہوتا ہے۔[۵] اس سلسلے میں الائیڈ بینک (Allied Bank) اپنے الائیڈ بزنس فائنانس (Allied Business Finance) کے تحت ۱۵ ملین کے قرضے رہائشی، کمرشل یا صنعتی جائیداد کی سیکیورٹی کے بدلے میں قابلِ گنجائش ادائیگی پر دیتا ہے۔[۶]

1- Money Banking and Finance, Riaz Ahmed, Mian, p.219.

2-"MCB Personal Loan", retrived from https://www.mcb.com.pk/personal-product/personal-loan , visited on: 17,March,2020 at 07:41pm.

3- Money Banking and Finance, p.219.

4-"HBL Prime Minister Youth Business Loan", retrived from https://www.hbl.com/primeministeryouthbusinessloan , visited on: 17,March,2020 at 06:45pm.

5- Money Banking and Finance, Riaz Ahmed, Mian, p.219.

6-"HBL Business Finance", retrived from https://www.abl.com/business-banking/sme-financing/allied-business-finance/, visited on: 17,March,2020 at 08:15pm.

اسلامی بینک روایتی بینک کی طرح سرمایہ قرضہ جات کی صورت میں فراہم نہیں کرتا بلکہ مختلف تمویلات کی صورت میں کاروباری اور دیگر حضرات کو تعاون کرتا ہے۔ کیونکہ روایتی بینکوں میں سرمایہ سودی طریقے پر فراہم کیا جاتا ہے جو کہ اسلام میں جائز نہیں۔ قرآن و حدیث نے جابجا اس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ اسکی قباحت کے بارے میں ارسطو کا بھی کہنا ہے کہ:

"سود غیر طبعی آمدن ہے کہ یہ صاحبِ مال کو بغیر کسی عمل کے اور بغیر کسی ذمہ داری کے حاصل ہو جاتی ہے اور نقد سے نقد پیدا ہوتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔"[۱]

اسی خرابی سے بچنے کیلئے اسلامی بینک میں نقد رقم پر سود سے گریز کرنے کیلئے اثاثہ جات پر مبنی منافع کا حصول کیا جاتا ہے۔ یہ منافع بعد میں بینک اور اکاؤنٹ ہولڈرز کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم ہوتا ہے۔ اس طور پر بینک درج ذیل طریقے اپناتا ہے۔

اجارہ:

اجارہ کسی چیز کے منافع کو کرائے پر دینا ہوتا ہے۔[۲] اسلامی بینک اس کا استعمال اس وقت کرتا ہے جب کلائنٹ کو کسی مشینری یا سامان کی ضرورت ہو اور اس کے پاس خریدنے کیلئے سرمایہ نہ ہو تو بینک اسے وہ چیز کرایہ پر مہیا کر دیتا ہے۔ جس سے کلائنٹ سودی بینکوں سے قرض لینے یا فوری طور پر سرمایہ اکٹھا کرنے کی تکلیف سے بھی بچ جاتا ہے۔ مقالہ باب چہارم میں یہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مرابحہ:

ربح منافع پر کوئی چیز مہیا کرنا ہوتا ہے۔ بیع مرابحہ بھی ایسی فروخت ہوتی ہے کہ جسے اصل قیمت اور معلوم نفع کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی فروخت کنندہ اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ چیز کی اصل قیمت کیا ہے اور اسکا منافع کتنا ہے۔[۳] کلائنٹ جب کوئی چیز خریدنا چاہے اور اس کے پاس فوری ادائیگی کیلئے رقم نہ ہو تو بینک کی مدد لیتا ہے۔ بینک اسے مرابحہ پر وہ چیز فراہم کرتا ہے ، مثال کے طور پر ایک زمیندار شخص بینک کے ذریعے ٹریکٹر خریدنا چاہتا ہو تو اسلامی بینک اسے رقم نہیں فراہم کرے گا بلکہ اسے خود خرید کر کلائنٹ کو کچھ نفع پر دے دے گا۔ بینک جسکی وصولی قسطوں میں کلائنٹ سے کرتا رہے۔

۱- حرمتِ سود، کاندھلوی، ساجد الرحمٰن صدیقی، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، سن ندارد، ص ۱۱

۲- کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، الشافعی، تقی الدین، دار الخیر، دمشق، طبعہ الاولیٰ ۱۹۹۴ء، ۱/ ۲۹۴

۳- روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، النووی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۳/ ۵۲۶

شرکت متناقصہ:

ایسی شراکت جس میں دوسرے شریک کے حصص آہستہ آہستہ خرید کر اس چیز کی ملکیت حاصل کر لی جاتی ہے۔[1] کلائنٹ جب بڑے پیمانے پر کاروبار کرنے یا ذاتی رہائش خریدنے کی اکیلے اہلیت نہ رکھتا ہو تو پھر وہ بینک کے ساتھ مل کر شراکت کر لیتا ہے۔ کلائنٹ تھوڑی سی قیمت کے عوض شراکت کر سکتا ہے جس میں بینک کا سرمایہ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کلائنٹ بعد میں اقساط میں بینک کے حصص ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مکمل ملکیت حاصل کر لیتا ہے۔ فوری سرمایہ نہ ہونے کے کی صورت میں یہ طریقہ کار کلائنٹ کیلئے بہت سہولت ہے۔ اس کی مکمل تفصیل مقالے کے باب دوم میں موجود ہے۔

بیع سلم:

بیع سلم ایسی بیع ہوتی ہے کہ جس میں کسی چیز کے عوض قیمت ادا کر دی جاتی ہے، وہ چیز موجود نہیں ہوتی اور اسکی وصولی کو مقررہ مدت تک مؤخر کر دیا جاتا ہے۔[2] اس بیع میں قیمت پہلے ادا کر دی جاتی ہے اور سامان بعد میں حوالے کیا جاتا ہے۔ اگر کلائنٹ کو جون میں اپنی جیکٹس بنانے والی فیکٹری کی پروڈکشن بڑھانے کیلئے سرمائے کی ضرورت ہو تو اسلامی بینک اسے مقررہ مدت تک کچھ آڈر یعنی بارہ سو جیکٹس دسمبر تک تیار کرنے کو کہے گا اور ان کی قیمت اس کو ادا کر دے گا۔ اس آڈر کی تیاری پر کلائنٹ کچھ نفع کما لے گا مگر بینک اس آڈر کو آگے گاہک پر کچھ اضافی قیمت پر فروخت کر کے اپنا نفع حاصل کرے گا۔

بیع مؤجل:

طے شدہ قیمت پر مقررہ مدت تک بیع کو مؤخر کرنا بیع مؤجل ہے۔[3] اس بیع میں فروخت ہو جاتی ہے مگر قیمت کو معین مدت تک مؤخر کر دی جاتا ہے، جسکی وصولی بعد میں ایک ہی بار یا قسطوں میں کی جاتی ہے۔ تعمیراتی کمپنی کو اگر پل کا ٹینڈر ملا ہو تو اسکی لاگت کے اخراجات پورے کرنے کیلئے اسلامی بینک اسے سرمایہ فراہم نہیں کرے گا بلکہ مٹیریل فراہم کرے گا۔ مثال کے طور پر بینک نے اس کمپنی کو سیمنٹ کی فراہمی میں مدد کرنے کا معاہدہ کیا اور کہا کہ وہ اس کی قیمت آئندہ پانچ سالوں میں وصول کرے گا، تو اس کیلئے بینک بیع مؤجل کے تحت سیمنٹ فیکٹری سے

۱- اسلامی بنکاری (نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات)، اوصاف احمد، پروفیسر، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ص ۵۳

۲- الهداية، المرغيناني، علی بن ابی بکر، دار احیاء التراث العربی، بیروت - لبنان، ۳/ ۷۰

۳- بحوث فی قضایا فقهية معاصرة، عثمانی، محمد تقی، مفتی، دار القلم، دمشق، طبع ثانی ۱۴۲۴ھ - ۲۰۰۳ء، ص ۱۲

سیمنٹ خرید کر اس کمپنی کو کچھ منافع کے عوض حوالے کر دے گا اور مقررہ پانچ سالوں میں قیمت کی وصولی کر لے گا۔

۳- وکالت پر مبنی خدمات

بینک رقم کی وصولی اور قرضوں کے اجراء کے علاوہ وکالت پر مبنی خدمات بھی پیش کرتا ہے۔ بینک کی یہ خدمات لوگوں کی ضرورت ہیں۔ عصرِ حاضر میں بینک بہت ساری ایسی وکالتی خدمات دیتا ہے کہ جو عوام الناس کی ضرورت بھی ہیں اور سہولت بھی۔ بینک بحیثیت وکیل جو امور سر انجام دیتا ہے ان کے عوض سروس چارج وصول کرتا ہے۔ یہ امور درج ذیل نوعیت کے ہیں۔

کارڈز کا اجراء

بینک اپنے کھاتہ داروں کو سہولت کیلئے مختلف قسم کے کارڈ جاری کرتا ہے۔ جن کا بنیادی مقصد رقم کا آسان حصول اور منتقلی ہوتا ہے۔ بینک ان کارڈز کے جاری کرنے، ان کی تجدید اور کارڈ ضائع ہو جانے یا کھو جانے کی صورت میں کارڈ دوبارہ بنانے کی فیس چارج کرتا ہے۔ بینک سے جاری ہونے والے کارڈز درج ذیل تین قسم کے ہوتے ہیں۔

- **اے ٹی ایم کارڈ:**

یہ کارڈ بینکوں کی جانب سے اپنے صارفین کو کرنٹ اور سیونگ اکاؤنٹ سے بینک کی اے ٹی ایم مشینوں اور دیگر بینکوں کی اے ٹی ایم مشینوں سے رقم نکالنے کیلئے جاری کئے جاتے ہیں۔ ایک اکاؤنٹ ہولڈر کے ذریعے روزانہ نکالی جانے والی رقم کی ایک حد متعین کر دی جاتی ہے۔[1] بینکوں میں یہ سادہ کارڈز استعمال ہوتے تھے مگر اب بینکوں نے اپنے اے۔ ٹی۔ ایم کارڈ کو ڈیبٹ کارڈ میں بدل دیا ہے۔ جس کی تفصیل آگے درج ہے۔

- **ڈیبٹ کارڈ:**

ڈیبٹ کارڈ کی مدد سے کارڈ ہولڈر اپنی جمع شدہ رقم کو ادائیگی کیلئے استعمال کرتا ہے اور ان پر سود نہیں ادا کرنا پڑتا۔[2] جیسا کہ یونائیٹڈ بینک (UBL) کے یو۔ بی۔ ایل ویزا میگا والٹ ڈیبٹ (UBL Visa Mega Wallet Debit) کارڈ کے ذریعے سے ایک دن میں 40,000 روپے تک رقم اکاؤنٹ سے نکالی جا سکتی ہے۔ جبکہ اس سے دن میں

۱- بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام (مجموعہ تحقیقی مقالات و مناقشات اور فیصلے)، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا، مارچ ۲۰۰۷ء، ص ۴۵

2- Glossary Banking & Finance, Shakil Faruqi, Institute of Bankers Pakistan, p.192.

خریداری کرنے کی حد 100,000 روپے ہے۔[1] تاہم حبیب بینک (HBL) کے ایچ۔بی۔ایل گولڈ ڈیبٹ کارڈ (HBL Gold Debit Card) میں ہر دن 100,000 روپے تک رقم نکالنے، 250,000 روپے تک کی خریداری کرنے جبکہ 200,000 روپے تک رقم دوسرے اکاؤنٹ میں منتقل کرنے کی حد متعین ہوتی ہے۔[2] اس کے برعکس البرکۃ بینک (al Baraka) دو طرح کے ڈیبٹ کارڈ جیسا کہ سلور ڈیبٹ کارڈ (Silver Debit Card) اور گولڈ ڈیبٹ کارڈ (Gold Debit Card) متعارف کرواتا ہے۔ ذیل میں ان کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔[3]

کارڈ کی نوعیت	رقم نکالنے کی حد	خریداری کی حد	رقم منتقل کرنے کی حد
البرکۃ سلور ڈیبٹ کارڈ	40,000 روپے	75,000 روپے	250,000 روپے
البرکۃ گولڈ ڈیبٹ کارڈ	75,000 روپے	100,000 روپے	250,000 روپے

- **کریڈٹ کارڈ:**

یہ وہ کارڈ ہے کہ جس کے ذریعے بینک ایک گردشی بیلنس کے ذریعے کارڈ ہولڈر کیلئے اشیاء وخدمات کے عوض تیسری پارٹی کو ادائیگی کرتا ہے اور اس پر سود وصول کرتا ہے۔[4] جیسا کہ بینک الحبیب (Bank Al Habib Limited) ۴۰۰ روپے انشورنس پریمیم کی ادائیگی اور 25% سالانہ شرح سود پر کریڈٹ کارڈ جاری کرتا ہے۔[5]

ان تینوں کارڈز کا جائزہ لیا جائے تو اے ٹی ایم کارڈ کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کارڈ ہولڈر کی رقم بینک میں امانت ہوتی ہے جسے وہ ضرورت پڑنے پر استعمال کرتا ہے۔[6] ڈیبٹ کارڈ کے ذریعے سے جب کارڈ ہولڈر اپنی جمع شدہ رقم سے ہی استفادہ کرتا ہے تو جائز ہے۔ ہاں البتہ اگر اس کے ذریعے بینک سے قرض رقم استعمال کی اور

1-"UBL Visa Mega Wallet Debit Card", retrived from https://www.ubldirect.com/corporate/BankingServices/CardProducts/UBLMegaWallet/Home.aspx , visited on: 18,March,2020 at 08:10pm.

2- "HBL Gold Debit Card", retrived from https://www.hbl.com/hblgolddebitcard, visited on: 18,March,2020 at 08:20pm.

3- "Al Baraka Bank Silver Debit Card", retrived from https://www.albaraka.com.pk/services/al-baraka-unionpay-debit-card/ ,visited on: 18, March,2020 at 08:40pm.

4- Glossary Banking & Finance, p.174.

5- "Credit Card – Al Habib Limited", retrived from https://www.bankalhabib.com/credit-cards/credit-card-features, visited on:19,March, 2020 at 02:42am.

٦-بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام (مجموعہ تحقیقی مقالات ومناقشات اور فیصلے)، ص ۲۵۳

مدت مقررہ تک ادا نہ کرنے سے جو زائد رقم ادا کرنی پڑی تو سود ہے۔[1] اس کارڈ سے نقد کے علاوہ قرض رقم کے استعمال میں بھی گنجائش نظر آتی ہے کہ جب وقت مقررہ تک واپس کر دے البتہ قرض سے پرہیز کرنا افضل ہو گا کیونکہ اگر مقررہ مدت میں واپسی ممکن نہ ہو سکی تو سود ادا کرنا پڑ جائے گا۔ کریڈٹ کارڈ کا استعمال سراسر سودی معاملہ ہے لہذا جائز نہیں۔ تاہم ماہرِ معاشیات درج ذیل شرائط کے ساتھ اس کے متبادل کے طور پر غیر سودی کریڈٹ کارڈ کے اجراء کو جائز قرار دیتے ہیں:

- رقم کی ادائیگی میں تاخیر پر کارڈ ہولڈر سے کوئی اضافی رقم نہ لینا۔
- کارڈ ہولڈر کو غیر شرعی کاموں میں اس کے استعمال کرنے پر پابندی لگانا، بصورتِ دیگر کارڈ کو بند کر دینا۔[2]

الغرض اگر اسلامی بینک مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ قرضِ حسنہ کے طور پر کریڈٹ کارڈ کا اجراء کرے تو صارفین کیلئے اسکا استعمال درست ہو گا۔ جیسا کہ دبئی اسلامک بینک، بیت التمویل الکویتی، شرکۃ الراجحی، مصرف قطر الاسلامی، بنک ابو ظھبی الاسلامی وغیرہ قرضِ حسنہ کے طور پر کارڈز جاری کرتے ہیں۔[3] البتہ بینک سیکیورٹی کیلئے اس میں رقم کی تحدید لگا سکتا ہے، جس میں ایک تکنیکی طریقہ کار کے تحت یہ اندازہ رکھ سکتا ہے کہ صارف کی موجودہ رقم کتنی ہے اور مزید بینک کی جانب سے کتنی رقم استعمال کر سکتا ہے۔ اور اس بات پر کہ مدت مقررہ تک رقم کی واپسی نہ کرنے پر اس کارڈ سے استفادہ کیلئے مزید رقم کی فراہمی پر پابندی بھی لگائی جا سکتی ہے۔

رقوم کی منتقلی

بینک صارفین کو رقوم کی منتقلی کی سہولت بھی فراہم کرتا ہے۔ رقوم کی منتقلی ابتدا سے ہی بینکنگ کی اہم خدمات میں شامل رہی ہے۔ جیسا کہ ابتدائی زمانے میں بینک سکوں اور سونے کی ڈلیوں کا کاروبار کرتے تھے جس میں Money Changing یعنی دولت کے تبادلہ کا کاروبار شامل تھا۔ بینکوں کی ایک قسم تاجر بنک (Merchant Bank) دور دراز علاقوں میں سکوں کی ترسیل کے بعد ادائیگیوں کا بندوبست کرتے۔ بین الاقوامی سطح کے تاجر ان خدمات سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ بینک مختلف علاقوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے رقوم کی ادائیگی کرتے۔ اس طرح

۱- بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام (مجموعہ تحقیقی مقالات و مناقشات اور فیصلے)، ص ۲۳۰

۲-اے ٹی ایم، ڈیبٹ اور کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت، سعید الحق جدون و دیگر، ایکٹا اسلامیکا، شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی شرینگل، جنوری-جون ۲۰۱۶ء، جلد ۴/ شمارہ ۱، ص: ۱۰۷

۳- کریڈٹ کارڈز کی شرعی حیثیت، منظور احمد، فکر و نظر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۸، جلد ۴۵/ شمارہ ۴، ص: ۱۱۹

کرنسی کے تبادلے پر اضافی منافع کماتے تھے۔[1] آج بھی بحیثیت وکیل رقم اندرون ملک یا بیرون ملک آن لائن بھیجنا یا ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ منتقل کرنا بینکنگ سروسز میں شامل ہے۔ اس خدمت کے عوض بینک سروس چارجز بھی وصول کرتا ہے۔ جو صارف یا رقم بھیجنے والی کمپنی سے وصول کئے جاتے ہیں۔

فیسوں کی ادائیگی

بینک سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی فیسیں وصول کرتا ہے اور متعلقہ اداروں کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دیتا ہے۔ بینک کی ان خدمات کے پیشِ نظر اداروں پر فیسوں کی وصولی کرنے اور حساب کتاب رکھنے کا بوجھ کافی حد تک کم ہو گیا ہے۔ بینک تمام تر فیسیں اور چارجز وصول کرکے اداروں کو اسکا ریکارڈ دے دیتا ہے۔

بلوں کی ادائیگی

بجلی، گیس، پانی اور لینڈ لائن بل بینکوں میں جمع کروائے جاسکتے ہیں۔ بینک صارفین کے بل متعلقہ ادارے کی طرف سے وصول کر لیتے ہیں۔ اس طرح بلوں کی بر وقت ادائیگیوں کیلئے بینک اپنی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔

ملکی درآمدات وبرآمدات

ملکی درآمدات و برآمدات میں بھی بینک کی حیثیت نمایاں ہوتی ہے۔ بینک درآمدات و برآمدات کی صورت میں بھی وکالت کی خدمات سر انجام دیتا ہے۔ صارفین درآمدات و برآمدات کرتے ہوئے بینک کے ذریعے اپنی خطیر رقوم کی ادائیگیاں کرواتے ہیں۔ بینک درآمدات کی صورت میں مطلوبہ کمپنی کو صارف کے اکاؤنٹ سے ادائیگی کر لیتا ہے یا برآمدات کی صورت میں صارفین کی بیرون ملک سے آنے والی ادائیگیوں کو وصول کرتا ہے۔ بڑے بڑے تاجر اپنا کاروبار دستی رقم کی ادائیگی یا موصولی کی ٹینشن کے بغیر بخوبی چلا رہے ہیں۔ جبکہ آج کل کے دور میں کاروباری لوگوں کیلئے بڑی رقمیں ادھر ادھر لے کر جانا کسی خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت سے لوگ ملک کے اندر رہتے ہوئے ہی آن لائن آڈر دیتے اور لیتے ہیں اور بینکوں کے تعاون سے ادائیگیاں با آسانی کروا کر کم وقت میں زیادہ منافع کما رہے ہیں۔

1- "مغرب میں سودی بینکاری کے بدلتے رجحانات", retrived from http://magazine.mohaddis.com/shumara/114-sep-oct1999/1657-maghrib-soodi-benkari-rujhanat ,visited on 1,Nov,2019 at 3:50pm.

کاروباری معاونت

بینک کاروباری معاونت میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر کوئی جائیداد بیرونِ ملک ہو، صنعت خریدی گئی ہو یا کوئی بڑی تجارت شروع کی گئی ہو تو اس کا نظم و نسق بھی بینکوں کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ ان امور کی ذمہ داری بینک وکیل کے طور پر با احسن سنبھال لیتے ہیں اور اس کی اجرت وصول کرتے ہیں۔[1]

بینک کے بغیر سرمائے کا استعمال اور بچت ناگزیر

عصرِ حاضر میں سرمائے کے بہترین استعمال اور بچت کیلئے بینک کی افادیت کو تسلیم کرنا پڑے گا کیونکہ بینکوں کے بغیر یہ دونوں کام ناگزیر ہیں۔ اس کی بنیادی وجوہات درج ذیل ہیں:

کاروباری ہنر سے ناواقفیت:

ہمارے ملک میں دیگر مسائل کے ساتھ ساتھ کاروباری ہنر کا بھی فقدان ہے۔ ہر شخص پڑھا لکھا نہیں اور نہ ہی ہر کوئی کاروباری سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر علی کے پاس ایک کروڑ روپیہ ہے تو اسے اتنی مہارت نہیں ہوگی کہ وہ اس سے کونسا اور کیسے کاروبار کرے۔ اگر بالفرض وہ کوئی کاروبار شروع کر بھی لے تو ضروری نہیں کہ اس کے پاس حساب کتاب کا باقاعدہ ہنر اور طریقہ بھی ہو۔ لہٰذا بینکوں کے پاس وسائل اور کاروباری مہارتیں ہیں جس سے وہ سرمائے کو مؤثر انداز میں نفع بخش کاروبار میں لگاتے ہیں تاکہ اس سے منافع کو ممکن بنایا جاسکے۔ بینک اس بات کی حتی الامکان کوشش کرتا ہے کہ عوام الناس کے سرمایہ کو ناگزیر نقصان سے بچا سکے۔

چھوٹی بچتوں کی عدم وصولی:

آج کل سرمائے کے استعمال کیلئے بینکوں پر انحصار کی بنیادی وجہ کاروباری کمپنیوں، نجی اور پرائیویٹ اداروں کا چھوٹی چھوٹی بچتوں کی وصولی سے انکار بھی ہے۔ یہ کاروباری کمپنیاں بڑا سرمایہ تو لینے پر آمادہ ہوتی ہیں مگر ۲۰، ۳۰ یا ۵۰ ہزار یا ایک اور ڈھائی لاکھ لینے پر رضامند نہیں ہوتیں۔ تاہم ایک عام یا کم آمدنی والا بندہ اپنی بچتوں کو مؤثر کاروبار میں لگانے سے قاصر ہوتا ہے۔ بینک نے ہر عام و خاص شخص کیلئے یہ موقع فراہم کیا ہوتا ہے کہ وہ اپنی بچتیں، چاہے ہزاروں میں ہوں یا لاکھوں میں، بینک کے پاس رکھوائیں اور سرمایہ کاری سے منافع کا حصول ممکن بنائیں۔

نجی اداروں پر اعتماد کا فقدان:

آج کل کاروباری منافع کمانے کیلئے نجی اور پرائیویٹ اداروں پر اعتماد ناممکن ہے۔ دورِ حاضر میں فراڈ، دھوکہ دہی اور غبن کے بہت سے ایسے واقعات سامنے آئے ہیں کہ جس میں شئیرز کے نام پر لوگوں کو لوٹا گیا۔ تاہم اب ان

۱- محاضراتِ معیشت و تجارت، غازی، محمود احمد، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، لاہور، اپریل ۲۰۱۰ء، ص ۳۶۷

اداروں کو اپنی جمع پونجی سونپنے کا خطرہ نہیں مول جا سکتا۔ جیسا کہ ایک صاحب الطاف حسین کے ساتھ پے در پے دو ایسے ہی واقعات پیش آئے کہ جس میں ان سے مضاربۃ ومشارکہ کے نام پر سرمایہ غبن کیا گیا۔ ان کے زبانی واقعہ کچھ یوں ہے کہ ۱۳ اگست ۲۰۱۲ء کو انہوں نے کریانہ سٹور کے کاروبار کیلئے مضاربت کے نام پر ۲ لاکھ روپے ۳۰ فیصد منافع پر دیئے۔ جس پر ۵ سے ۶ ماہ تک منافع موصول ہوتا رہا مگر اس کے بعد وہ تمام تر سرمایہ غبن کر کے فرار ہو گئے۔ بعد ازاں وہاں جا کر دیکھا گیا تو تمام سٹور مکمل طور پر بند تھے۔ تاہم حال ہی میں لاثانی آئل ٹریڈر اینڈ لاثانی چکس اینڈ چکن کے نام سے نجی ادارے کو رقم دی جو کہ آئل اور پولٹری فارم کا کاروبار کرتا تھا۔ یہ ادارہ سرمایہ کاری کرنے کیلئے لوگوں کو یقین دہانی کروانے کیلئے یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ میں اپنے اکاؤنٹ سے ایک سال کی مدت پر چیک بھی جاری کرتا تھا تاکہ اس بات کی گارنٹی دے کہ ان کا سرمایہ کمپنی کے پاس امانت ہے۔ انہوں نے بھی اپنے دو احباب کے ساتھ مل کر ۶ لاکھ روپے شئیرز لاثانی آئل ٹریڈر کو ۲۵ نومبر ۲۰۲۰ء کو روزانہ کی بنیاد پر ۱۰ فیصد منافع پر دیئے۔ اس پر بمشکل ایک ماہ پانچ دن کا منافع ۳۰ ہزار روپے تک موصول ہوا۔ اس کے بعد تمام رقم فراڈ کی نذر ہو گئی۔ اس کمپنی نے ۲۵ نومبر ۲۰۲۱ء کی تاریخ کا چیک دے رکھا ہے مگر اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ وہ مقررہ مدت سے پہلے ہی فرار ہو چکے ہیں۔[1]

۱- انٹرویو: الطاف حسین، رہائشی سیٹلائیٹ ٹاؤن، ڈھوک پراچہ، راولپنڈی، مورخہ ۱۰ مارچ ۲۰۲۱ء

فصل دوم

بینکاری کے اسلامیانے کی شرعی بنیادیں

معاشیات انسانی زندگی کا اہم ترین گوشہ ہے جسکا تعلق صرف فردِ واحد سے نہیں ہے۔ معاشی میدان میں ہمارا واسطہ ہر ایک سے پڑتا ہے۔ جہاں بات اجتماعیت کی ہو تو وہاں حقوق و فرائض بھی آتے ہیں جس کی پاسداری ہر ایک پر لازم ہوتی ہے۔ اسلام نے ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس میں بھی مکمل رہنمائی فراہم کی ہے۔ معاشی زندگی کے حوالے سے اسلام کی کچھ حدود و قیود بھی ہیں جن سے تجاوز کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

علمِ معاشیات و بینکاری دورِ حاضر کی اہم ضرورت

دورِ حاضر میں علمِ معاشیات و بینکاری کی بہت اہمیت ہے۔ ہر معاشرہ اس میدان میں علمی کاوشیں جاری رکھے ہوئے ہے کیونکہ یہ علوم معاشی نظام سے جڑے ہوئے ہیں۔ تاہم ان دونوں علوم سے آگاہی عصرِ حاضر کی ضرورت ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ معاشیات کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

"افرادِ معاشرہ کے اشیاء کے باہمی تبادلہ، ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت و آمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علمِ معیشت ہے۔"[1]

ذریعہ معاش کمانا اور پھر اس سے روزمرہ کی ضروریات پوری کرنا ہر فرد کی ضرورت ہے تاہم انسانی فلاح و بہبود تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت سے منسلک رہتی ہے جس سے وہ ذریعہ معاش کماتا ہے۔ ان تمام میں باہمی تعاون درکار رہتا ہے اور انسان ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ علمِ معاشیات اسی کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ بینکاری نظام بھی اس سے الگ نہیں ہے اس کا تعلق بھی ان مراحل میں معاونت کرنا ہی ہوتا ہے۔

۱- حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ص ۹۰

بینک کی تعریف ماہرین معاشیات یوں کرتے ہیں کہ:

"کاروباری اصطلاح میں بینک ایک ایسے تجارتی ادارہ کا نام ہے جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کر کے تاجروں، صنعتکاروں اور دیگر ضرورت مند افراد کو قرض فراہم کرتا ہے۔ آج کل روایتی بینک ان قرضوں پر سود وصول کرتے ہیں اور اپنے امانت داروں کو کم شرح پر سود دیتے ہیں اور سود کا درمیانی فرق بینک کا نفع ہوتا ہے۔"[۱]

اسلامی یا غیر اسلامی کوئی بھی معاشرہ ہو اس کیلئے ان دونوں شعبوں سے آگاہی اور مہارت بہت ضروری ہے تاکہ وہ زندگی کی بھاگ دوڑ احسن طریقے سے سنبھال سکے۔

اسلامی ریاست اور بینکاری کے تقاضے

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور یہ اسلامی ریاست اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ یہاں کا معاشی نظام بھی اسلامی ہونا چاہیئے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں قرآن وسنت سے رہنمائی لیتے ہوئے اسے اسلام کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔ بینکاری کا شعبہ ہمارے معاشی تقاضوں میں سے ایک ہے اور کسی بھی معاشرے سے اس نظام کو نکالا نہیں جاسکتا۔ اب اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ بینکاری نظام کو بھی اسلام کے مطابق کرے۔

اسلامی بینک ایک ایسا ادارہ ہوگا کہ جس میں تمام شرعی احکامات کی پیروی کی جائے۔ اس کی تعریف ماہرین نے اس طرح سے کی ہے کہ:

"بینک فقط حرام امور کے عدم ارتکاب سے مکمل اسلامی نہیں بن سکتا بلکہ اس کے مکمل اسلامی بننے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے معاملات اپنی شرائط، ارکان اور اختیارات کے لحاظ سے بھی شریعت کے احکام کے موافق ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی بینک وہ نہیں ہے جو صرف سود اور حرام امور سے اجتناب کرے بلکہ اسلامی بینک وہ ہے جو ممنوعہ امور کے ساتھ شرعی احکام کی بھی پابندی کرے۔"[۲]

اسلامی رو سے بینکاری کے اسلامیانے کی شرعی بنیادیں حسب ذیل ہیں جنھیں اسلامی بینکوں کو اپنے نظام میں شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر اسلامی بینکاری نظام قائم نہیں کیا جاسکتا۔

۱- بینک کا سود حلال ہے؟ شبہات - ازالہ، کریمی، مشتاق احمد، مولانا، الہلال ایجوکیشن سوسائٹی، انڈیا، ۲۰۰۵ء، ص ۵۲

۲- دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم، ذوالفقار علی، حافظ، ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور، طبع اول: ستمبر ۲۰۰۸ء، ص ۱۱۲

سودی بینکاری اور اس کا متبادل

مروجہ بینکوں کا سارا نظام سود پر مبنی ہے۔ اسلامی بینکاری اس کا متبادل اور اصل میں وحی خداوندی کی پیروی کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی مقدس کتاب میں جو اصول سود اور تجارت کیلئے وضع کیا اسلامی بینکنگ کا خیال اسی کی عکاسی ہے۔ احکامِ خداوندی کے مطابق سود کو حرام قرار دیا گیا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[1]

ترجمہ: اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا۔

قبیلہ بنی عمرو بن عمیر کا دوسرے قبیلہ بنی مغیرہ کے ساتھ سودی لین دین تھا۔ سود کی حرمت کے بعد بنی عمیر و بنی عوف نے قبیلہ بنی مغیرہ سے اپنی باقی سود کی رقم کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں درج ذیل آیات نازل فرمائیں۔[2]

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ﴾[3]

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم مؤمن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

حضور ﷺ نے سود کو ہلاک کرنے والی چیزوں میں شمار کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین فرمائی۔[4] آپ ﷺ نے سود کھانے والے، اس کی وکالت، شہادت اور کتابت کرنے والے پر لعنت کی۔[5] سود خور کیلئے سخت عذاب ہے جس کا تذکرہ حدیث مبارکہ میں بھی ہے۔

۱- سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۷۵

۲- تفسیر مظہر القرآن، دہلوی، محمد مظہر اللہ، شاہ، مفتی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست ۲۰۰۷ء، جلد ۱/ ص ۱۷۲

۳- سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۷۸-۲۷۹

۴- صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الثامن والعشرون من شعب الایمان، حدیث نمبر: ۴۳۰۹، ۴/ ۵۰

۵- سنن ابی داوٗد، ابی داوٗد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق، دار الکتاب العربی، بیروت، کتاب البیوع، باب فی اکل الربا و موکلہ، حدیث نمبر: ۳۳۳۵، ۳/ ۲۴۹ نیز صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب لعن اکل الربا و موکلہ، حدیث نمبر: ۱۵۹۷، ۳/ ۱۲۱

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

((أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرَائِيلُ؟، قَالَ: هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا))[1]

ترجمہ: میں معراج کی رات ایک قوم سے گزرا، جن کے پیٹ گھروں کی مانند تھے جن میں سانپ تھے۔ میں نے انھیں ان کے پیٹوں میں سے نکلتے دیکھا۔ میں نے پوچھا: اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے جواب دیا: یہ سود کھانے والے ہیں۔

عدل و انصاف

اسلام کسی کے ساتھ ناانصافی اور غیر مساوی سلوک روادار رکھنے کی قطعا اجازت نہیں دیتا۔ روایتی بینکوں میں رائج سودی نظام عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں آج تک ناکام رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں سودی لین دین کی سخت ممانعت ہے کیونکہ اس میں باطل طریقے سے دوسرے کا مال کھایا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔

اسکے برعکس اسلامی بینکوں میں کاروبار و تجارت کیلئے باہمی رضامندی کی صورت اختیار کی جاتی ہے جو کہ اسلامی اصولوں کے منافی نہیں ہے۔ آیت قرآنی کے دوسرے حصے میں ارشاد ہے کہ:

﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾[3]

ترجمہ: مگر یہ کہ تمھاری آپس میں باہمی رضامندی کے ساتھ تجارت ہو۔

روایتی اور سودی دونوں بینکوں کا مقصد نفع کمانا ہوتا ہے۔ مگر ان بینکوں کا طریقہ کار دو مخالف اطراف ہیں ایک بالکل ناانصافی پر مبنی ہے اور دوسرے میں انصاف کو ملحوظ رکھا جاتا ہے تاکہ جائز منافع کے حصول کو ممکن بنایا جا سکے۔ ہر صارف اپنے سرمایے کے بقدر نقصان کا خطرہ برداشت کرتا ہے اور اسی کے مطابق جائز منافع لیتا ہے۔ سرمائے کی آڑ میں کسی کا استحصال نہیں کیا جاتا۔ مروجہ بینکاری نظام مغربی نظام معیشت سے مماثلت رکھتا ہے۔ اس

۱- سنن ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، دار الفکر، بیروت، کتاب التجارات، باب التغلیظ فی الربا، حدیث نمبر: ۲۲۷۳، ۲/ ۷۶۳

۲- سورۃ النساء: ۴/ ۲۹

۳- ایضا

نظام کے بارے میں قائداعظم نے بھی یکم، جولائی ۱۹۴۸ء کو اسٹیٹ بینک کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ مروجہ نظامِ معیشت عدل وانصاف قائم نہیں کر سکتا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

> "The economic system of the West has created almost insoluble problems for humanity and to many of us it appears that only a miracle can save it from disaster that is now facing the world. It has failed to do justice between man and man and to eradicate friction from the international field."[1]

> ترجمہ: مغربی معاشی نظام نے انسانیت کے لئے تقریباً لاحل مسائل کھڑے کر دیئے ہیں اور ہم جیسے بہت سے لوگوں کو یہ نظر آتا ہے کہ کوئی معجزہ ہی دنیا کو ہلاکت سے بچا سکتا ہے جس سے آج یہ دوچار ہے۔ یہ نظام افراد کے مابین عدل قائم کرنے اور بین الاقوامی رقابتوں کا خاتمہ کرنے میں ناکام رہا ہے۔

دنیا میں اس وقت معاشی طور پر عدل وانصاف نہیں ہے بلکہ ارتکازِ دولت ہے۔ مارچ ۲۰۱۹ء میں افراطِ زر 8.2 سے 9.4 فیصد تک جا پہنچی۔[2] اگست ۲۰۱۹ء میں اس کی شرح 11.6 فیصد ریکارڈ ہوئی،[3] جبکہ اس سال جنوری ۲۰۲۰ء میں اس کی ریکارڈ سطح 14.6 فیصد تک جا پہنچی ہے۔[4] روپیہ کی قدر وقیمت دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے جس کی وجوہات میں سود پر مبنی نظام بھی ہے۔ عدل وانصاف سے عاری معاملات کی اسلامی معیشت میں گنجائش نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ:

> "اگر کوئی معاملہ اس طرح کیا جائے جس میں نہ صحیح بدل موجود ہو اور نہ ہی باہمی تعاون پایا جاتا ہو جبکہ دوسرے کو نقصان دے کر نفع حاصل کرنا مقصود ہو جیسے "قمار" یا اس میں صحیح رضامندی موجود نہ ہو جیسے سود تو یہ تمام طریقے باطل اور ظلم ہیں اور ایسے معاملات ناجائز اور حرام ہیں۔"[5]

1- The State Bank of Pakistan – A symbol of our sovereignty (1st July 1948) retrived from http://m-a-jinnah.blogspot.com/2010/04/state-bank-of-pakistan-symbol-of-our.html on 7 July, 2020 at 4:40pm۔

2- Inflation on the rise, The News, April 3, 2019,
Retrived from https://www.thenews.com.pk/print/452691-inflation-on-the-rise , visited on: 15, July, 2020 at 05:00pm۔

3- Higher Energy, Food prices push inflation up to 87 month high, Imran Ali Kundi, The Nation, September 05, 2019۔
Retrived from https://nation.com.pk/05-Sep-2019/food-prices-push, visited on: 15, July, 2020 at 05:10pm۔

4- Pakistan sees highest inflation in the world during 2020,
Retrived from https://economictimes.indiatimes.com/news/international/business/pakistan-sees-highest-inflation-in-the-world-during-2020-sbp/articleshow/76243 , visited on: 15, July, 2020 at 05:20pm۔

۵- حجۃ اللہ البالغہ، ص ۳۵۲-۳۵۳

دیانتداری

اسلامی معاشرے کے ہر معاملاتِ زندگی میں سچائی اور ایمانداری لازم ہوتی ہے۔ انسانی حقوق کو پورا کرنے کیلئے اسلام بہت زور دیتا ہے۔ اسی طرح افراد کے آپس میں مالی معاملات کو دیانتداری کے ساتھ سرانجام دینے کیلئے بھی قرآن اور حدیث میں تلقین ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچادو۔

لین دین کے دوران اگر ایک فریق نے دوسرے فریق کا حق یا کوئی چیز دینی ہو تو اس پر لازم ہے کہ اسے پوری ایمانداری کے ساتھ اس کے حوالے کر دے۔ اور اس میں کوئی ہیرا پھیری نہ کرے۔ اسی طرح خرید و فروخت کے دوران چیز میں کوئی عیب یا خرابی ہو تو اسے چھپانا نہیں چاہیئے۔ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا، فَقَالَ: " يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ مَا هَذَا "، قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: " أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ "، ثُمَّ قَالَ: " مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا"))[2]

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلے کے ڈھیر سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں بھیگ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اناج والے! یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ: اے رسول اللہ اس پر بارش ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہ رکھا کہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دھوکہ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔"

حدیثِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیب کو گاہکوں سے چھپانے کی ممانعت کی اور حکم دیا کہ کوئی نقص ہو تو اسے سامنے کیا جائے۔ پھر گاہک کی مرضی ہے کہ وہ چیز خریدے یا چھوڑ دے۔ اسلامی بینکوں میں جو چیز بھی فراہم کی جاتی ہے اس کی تمام تر خصوصیات اور تفصیلات صارف کو پہلے سے ہی بتا دی جاتی ہیں تاکہ صارف اپنی مرضی سے خریدنا چاہے تو خرید لے۔ مثلاً اگر گاڑی لینی ہو تو بینک کا نمائندہ دستیاب تمام نئی اور استعمال شدہ گاڑیوں کی مکمل معلومات فراہم کرتا ہے اور معاہدے کی نوعیت سے متعلقہ بھی شرائط و ضوابط سے آگاہ کرتا ہے۔[3]

۱- سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

۲- سنن ترمذی، الترمذي، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء، کتاب البیوع، باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع، حدیث نمبر: ۱۳۱۵، ۲/ ۵۹۷

۳- کار اجارہ سے متعلقہ میزان بینک کے نمائندے سے معلومات لیتے ہوئے ذاتی مشاہدہ کیا۔ ۳۰- دسمبر- ۲۰۱۹

صاف گوئی

کاروباری معاملات باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں۔ اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ معاملہ صاف اور واضح ہو، اس میں تمام تر معلومات فراہم کر دی جائیں تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے جس سے بعد میں تنازعہ پیدا ہو یا کسی فریق کا نقصان ہو۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

((لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ))[1]

ترجمہ: کوئی شہری دیہاتی کیلئے خرید و فروخت نہ کرے۔

فقہاء اس ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہیں اس میں دیہاتی کے ساتھ غبن کا اندیشہ ہے کیونکہ اسے بازار کا نرخ معلوم نہیں ہوتا۔[2] احناف اسے مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں کہ خریدار دیہاتی سے شہر میں داخل ہوتے ہی سودا کر لے کیونکہ اس طرح وہ مال شہریوں کی ضرورت کے پیشِ نظر پہلے سے ہی خرید کر آگے مہنگے داموں بیچے گا، جس سے عوام کو نقصان ہوگا اور دوسرا دیہاتی کی لاعلمی کے باعث اس سے بھی بہت کم قیمت پر خریدے گا۔[3] تاہم اگر دیہاتی خود شہر کے بازار کو فروخت کرنے آئے گا تو اسے چیزوں کے ریٹ کے مطابق اپنا منافع طے کرنے میں سہولت ہوگی اور خریدار بھی مناسب بھاؤ میں اچھی اور معیاری چیزیں حاصل کر سکیں گے۔ اسلامی بینک میں بھی شفافیت کا اصول اپنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ مرابحہ کا اصول ہے کہ:

> "The seller expressly mentions the cost of the sold commodity he has incurred, and sells it to another person by adding some profit or mark-up."[4]

ترجمہ: فروخت کنندہ بیچی جانے والی چیز کی قیمت کا واضح طور پر بتاتا ہے جو کہ اس پر خرچہ ہوا، اور اسے دوسرے شخص پر کچھ منافع شامل کر کے فروخت کرتا ہے۔

بینک منافع کی رقم یا اسکا تناسب بتا سکتا ہے مثلاً بینک کہے کہ آڈر پر دو لاکھ کما رہا ہے یا کہے کہ ۲۰٪ منافع بینک کمائے گا یہ دونوں طرح سے درست ہوگا۔

خرید و فروخت میں باقی بھی تمام تر تفصیلات سے آگاہ کیا جائے اور گاہک کو اطمینان دلا کر سودا کیا جائے۔ اور بیع کے مطابق ہی سامان فراہم کیا جائے۔ فقہاء کے نزدیک اگر سامان میں کوئی خرابی ہو تو گاہک

۱- صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب تحریم بیع الحاضر للبادی، حدیث نمبر: ۱۵۲۰، ۳/ ۱۱۵۷

۲- بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد (ترجمہ)، عبداللہ فہد فلاحی، دار التذکیر، لاہور، ص: ۸۲۱

۳- کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، الجزیری، عبدالرحمٰن، مترجم منور احسن، شعبہ مطبوعات علماء اکیڈمی اوقاف، لاہور، طباعت جدید، ۲۰۱۲ء، ۲/ ۳۶۸

4- An Introduction to Islamic Finance, Usmani, Muhammad Taqi, Mufti, Maktaba Ma'ariful Quran, Karachi, Rabi ul Awal 1419 A.D/June 1998, p.71.

کو اختیار ہوتا ہے کہ سامان واپس کر کے اپنی قیمت واپس لے لے۔اور اگر فریقین اس بات پر واپس ہو جائیں کہ خریدار سامان رکھ لے مگر فروخت کنندہ عیب کی قیمت واپس کرے تو بھی درست ہے۔[1] اسلامی بینکوں میں بھی اس کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔جیسا کہ استصناع کیلئے یہ اصول ہے کہ:

"If the subject matter does not confirm to the specification agreed upon, the customer has the option to accept or to refuse the subject matter."[2]

ترجمہ:اگر مطلوبہ چیز ان خصوصیات کی حامل نہ ہو جو(عقد میں) طے پائی تھیں تو گاہک کو اختیار ہے کہ چاہے تو قبول کرلے یا چاہے تو لینے سے انکار کرلے۔

اسلامی بینکوں کی طرف سے بھی صارف کو مطلوبہ آڈر مرضی کے مطابق نہ ملنے پر واپسی کا اختیار ہوتا ہے۔ پھر بینک چاہے تو آڈر واپس کروالے یا آگے فروخت کرلے۔البتہ فقہی اصولوں کے مطابق گاہک وہ سامان بینک سے کچھ رعایت پر لے سکتا ہے جب بینک ایسا کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

تعاون وتناصر

قرآن وحدیث میں جہاں اخوت اور بھائی چارہ کا درس ملتا ہے وہاں پر مسلمانوں کے باہمی تعاون اور تناصر کو بھی پسند کیا جاتا ہے۔قرآن میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ:

﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾[3]

ترجمہ:نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

قرآن کا حکم عام ہے کہ ہر ایک مسلمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ دوسروں کی کسی بھی طرح کی مدد سے گریز نہ کرے جس میں مالی اعانت بھی شامل ہے۔جیسا کہ حضور ﷺ نے قبیلہ اشعر کے اس فعل کو پسند کیا تھا کہ جب جہاد کے دوران ان کا کھانا کم پڑ جاتا تو ان میں سے ہر ایک اپنا توشہ لے آتا،پھر اسے جمع کیا جاتا اور آپس میں

۱- بدایۃ المجتہد،ص۸۳۷

2- Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions, Istisna'a and Parallel, Istisna'a standard, 2/211, Bahrin, 1429H/2008, p.165.

۳- سورۃ المائدہ:۵/ ۲

برابر تقسیم کیا جاتا۔ اس پر آپ ﷺ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں۔[1]

اسلامی بینکوں میں بھی مالی تعاون کو فروغ ملتا ہے۔ ان بینکوں میں رائج شرکت و مضاربت بہترین تعاون و تناصر کی شکل ہے کہ جس میں کھاتہ دار اور بینک باہمی تعاون سے کاروباری منافع کماتے ہیں۔ اگر نفع ہو تو دونوں مل کر فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب نقصان ہو تو دونوں مل کر برداشت کرتے ہیں۔ جبکہ مروجہ بینکاری نظام میں نفع تو دونوں لینے کو تیار ہوتے ہیں مگر نقصان کوئی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ جہاں نقصان آدمی لینے کو تیار نہ ہو تو وہاں تعاون و تناصر کی صورت نہیں پائی جاتی۔

رزقِ حلال

انسان زرق کی تلاش کیلئے کوشش کرتا ہے۔ ہر کوئی اپنی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کرتا ہے۔ اسلام نے صرف حصولِ زرق کی ترغیب دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ زرقِ حلال کمانے کی تعلیم بھی دی۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! زمین میں سے حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور شیطان کی پیروی نہ کرو، بیشک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

حدیث مبارکہ میں حرام کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، النَّارُ أَوْلَى بِهِ))[3]

ترجمہ: وہ گوشت جو حرام مال سے پروان چڑھے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کیلئے آگ (جہنم) ہی لائق تر ہے۔

۱- صحیح بخاری، البخاری، محمد بن اسماعیل، دار طوق النجاۃ، طبعہ الاولی ۱۴۲۲ھ، کتاب الشرکۃ، باب الشرکۃ فی الطعام والنہد والعروض، حدیث نمبر: ۲۴۸۶، ۳/ ۱۳۸

۲- سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۶۸

۳- سنن الدارمی، الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن، دار المغنی للنشر والتوزیع، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبعہ اولی ۱۴۱۲ھ-۲۰۰۰ء، کتاب الرقاق، باب فی السحت، حدیث نمبر: ۲۸۱۸، ۳/ ۱۸۲۷

قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلامی معاشیات میں حرام یا حرام زریعہ سے حاصل کی گئی کمائی کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہذا اسلامی بینکوں کا کسی بھی طریقہ ہائے تمویل کے زریعے ناجائز اور حرام کاروبار یا تجارت کرنا یا حرام چیزوں کی ترسیل و فراہمی کرنا ناجائز اور ممنوع ہے۔ آپ ﷺ نے بھی ایسے کاموں سے سخت ممانعت فرمائی ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ سے ہمیں یہ بات پتا چلتی ہے کہ حضور ﷺ نے نہ صرف شراب پینے والے پر لعنت فرمائی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کاروبار میں شریک ہونے والے اور اس سلسلے میں اعانت کرنے والے ہر شخص پر لعنت فرمائی خواہ وہ شراب نچوڑنے والا ہو، اٹھانے والا ہو، خریدنے یا بیچنے والا ہو، اس کی قیمت کھانے والا ہو۔[1] تاہم اسلامی بینک ہر قسم کے حرام کام مثلاً شراب کی فیکٹری میں شراکت یا اس کا لین دین، حرام جانوروں کے گوشت یا کھالوں کا کاروبار، سینیما گھروں یا کلب کی تعمیر وغیرہ میں معاونت نہیں کرسکتے۔ اسی طرح سودی نظام کے تحت کام کرنے والی کسی بھی کمپنی کے ساتھ شراکت یا کاروبار اسلامی بینک کیلئے جائز نہ ہو گا۔

دھوکہ اور غرر سے اجتناب

ایسی تمام بیوع جن میں دھوکہ یا غرر ہو ممنوع ہیں۔ اسی بناء پر اسلامی بینکنگ میں لاٹری، قرعہ اندازی اور انعامی ٹوکن وغیرہ جیسی سکیموں کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ان میں غیریقینیت اور لاعلمی ہوتی ہے، اس میں شریک امیدواروں کو اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ ان سکیموں میں دی جانی والی چیز ان کو حاصل ہو گی بھی یا نہیں۔ قرآن میں اس کی ممانعت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ...وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾[2]

ترجمہ: تم پر حرام کر دیا گیا مردار اور خون اور سور کا گوشت۔۔۔اور پانسوں (فال کے تیروں) کے ذریعے بانٹنا۔

مذکورہ آیت میں ازلام کو حرام قرار دیا گیا جو کہ تیروں کے ذریعے قسمت آزمائی کا طریقہ ہے۔ جو کہ لاٹری کی ہی قسم ہے۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں اس کی وضاحت بیان کرتے ہیں کہ:

> "ازلام ان تیروں کو کہا جاتا ہے جن پر قرعہ اندازی کر کے عرب میں جوا کھیلنے کی رسم جاری تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ دس آدمی شرکت میں ایک اونٹ ذبح کرتے تھے، پھر اس کا گوشت تقسیم کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ دس حصے برابر کر کے تقسیم کرتے اس میں اس

۱- سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب النہی ان یتخذ الخمر خلا، حدیث نمبر: ۱۲۹۵، ۳/ ۵۸۱

۲-سورۃ المائدہ:۵/ ۳

طرح جوا کھیلتے کہ دس عدد تیروں میں سات تیروں پر کچھ مقررہ حصوں کے نشانات بنا رکھتے تھے، کسی پر ایک، کسی پر دو یا تین، اور تین تیروں کو سادہ رکھا ہوا تھا، ان تیروں کو ترکش میں ڈال کر ہلاتے تھے، پھر ایک ایک شریک کیلئے ایک ایک تیر ترکش میں سے نکالتے، اور جتنے حصوں کا تیر کسی کے نام پر نکل آئے وہ ان حصوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا، اور جس کے نام پر سادہ تیر نکل آئے وہ حصہ سے محروم رہتا تھا۔"[1]

۱- معارف القرآن، محمد شفیع، مفتی، ادارۃ المعارف، کراچی، محرم ۱۴۳۰ھ / جنوری ۲۰۰۹ء، ۳/ ۲۲۶

فصل سوم

پاکستان میں بینکاری کے اسلامیانے کی مختصر تاریخ

کسی بھی ملک کا معاشی نظام یکدم ترتیب نہیں پاتا۔ اس کو مرتب کرنے کیلئے ایک طویل عرصے سے منظم سوچ، طے شدہ اہداف و مقاصد اور مسلسل جدوجہد کار فرما ہوتی ہے۔ پاکستان کا معاشی نظام اس مملکت کے بننے کے ساتھ ہی طے پا گیا تھا کہ یہاں اسلامی معاشی نظام نافذ کیا جائے جس کی یقین دہانی قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۹۴۸ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں دلائی۔ ان کے الفاظ یہ تھے:

> "اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے آغاز کا مقصد یہ ہو گا کہ پاکستان معاشی استحقام حاصل کر لے گا۔ یہ بینک ملکی معیشت کو مستحکم کرنے کا علمبر دار ہو گا۔ اس لیے ملک میں اقتصادی ترقی ہو گی اور غیر مسلم تجار اور مالداروں کے اخراج کے بعد یقیناً اب ہم دولت کے اس خلا کو پورا کرنے میں محنت اور لگن سے کام کریں گے۔ حالات کے تحت ملک میں جو مہنگائی کا دور دورہ ہوا ہے امید ہے کہ ہم سب مل کر اس پر قابو پا سکیں گے کیونکہ مغربی نظامِ معیشت نے ہماری اقتصادیات پر نہایت تباہ کن اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس لیے ہمیں مغربی اقتصادی نظام کی پیروی میں اپنے خیالات کو مزید تباہ کن نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی معیشت کو اپنی قومی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق استوار کریں۔ معاشرے میں صحیح اسلامی اقتصادی اور معاشی نظام کو نافذ کریں کہ جس میں ہر انسان کو امن اور انصاف میسر آ سکے۔ عوام کو فلاح نصیب ہو اور ملک خوشحالی حاصل کر سکے۔"[1]

ہمارے قائد نے روزِ اول سے ہی واضح کر دیا کہ اسلامی مملکت میں مغربی نظام معیشت کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی اور اقتصادی اور معاشی نظام میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہی ہماری فلاح کا ضامن ہے۔ پاکستان میں بینکاری کے اسلامیانے میں بہت سے مراحل شامل ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ تاریخِ پاکستان، چراغ، محمد علی، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۴۹۶

پاکستان میں آئینی سطح پر سود کی مذمت

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے پہلے وزیرِاعظم شہیدِ ملت لیاقت علی خان نے اسلامی معاشی نفاذ کیلئے اس ضرورت کو محسوس کیا کہ پاکستان کی معیشت سے سود کا خاتمہ کیا جائے۔[1] اس کے بعد ملک میں آئین سازی کا سلسلہ شروع ہوا تو آئینی سطح پر بھی سود کی مذمت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل دساتیر اہمیت کے حامل ہیں۔

- ۱۹۵۳ء میں پاکستان کا پہلا دستوری مسودہ نامور بانیانِ پاکستان اور قائدِاعظم کے قریبی رفقاء نے تیار کیا جسے اس وقت کے وزیرِاعظم خواجہ ناظم الدین مرحوم نے دستور ساز اسمبلی میں پیش کیا۔ دستوری مسودہ میں یہ شق بالاتفاق شامل کی گئی کہ جتنی جلدی ممکن ہو گا ربا کو ختم کر دیا جائے گا۔[2]
- ۱۹۵۴ء میں محمد علی بوگرہ مرحوم کے زمانے میں دوسرا دستوری مسودہ تیار ہوا تو اس میں بھی یہی بات دہرائی گئی۔ لیکن کچھ دشمن عناصر کے باعث یہ دستور نافذ نہ ہو سکا۔[3]
- ۱۹۵۶ء کے دستور میں سود کی مذمت میں کہا گیا کہ: ”ریاست ربا کو جلد از جلد ختم کرنے کی مساعی کرے گی۔“[4]
- ۱۹۶۲ء میں فیلڈ مارشل لاء محمد ایوب خان مرحوم کے دستور میں واضح الفاظ میں کہا گیا کہ ربا کا صفایا کر دیا جائے گا۔[5]
- ۱۹۷۳ء جو کہ ملک کا موجودہ آئین بھی ہے اس کے دفعہ ۳۸ پیراگراف (الف) میں صاف اعلان اور صریح وعدہ کیا گیا کہ ریاست جتنی جلدی ممکن ہو ربا کا خاتمہ کر دے گی۔[6]
- ۱۹۸۴ء میں ربا کی ممانعت کا آرڈیننس جاری ہوا۔ اس میں کہا گیا کہ کوئی شخص کسی شکل میں نہ ربا لے گا اور نہ دے گا خواہ اس آرڈیننس کے نفاذ سے پہلے کمایا گیا ہو یا بعد میں اور نہ ہی کوئی عدالت سود کی ڈگری جاری کرے گی۔ اس کیلئے باقاعدہ طور پر سزا بھی تجویز کی گئی کہ اگر کوئی شخص ربا کا معاملہ کرے گا تو اسے ۳۹ کوڑوں کی سزا دی جائے گی نیز

۱- محاضراتِ معیشت و تجارت، ص ۳۸۳

۲- حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، غازی، محمود احمد، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، طبع اول ۱۹۹۳ء- طبع دوم ۱۹۹۶ء، ص ۵۱

۳- ایضاً، ص: ۵۲

4- National Assembly of Pakistan (Constitution Making) Debates, The Manager of Publication Government of Pakistan, Karachi, vol: 11, p.49-

۵- حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، ص ۵۲

6- Constitution of Islamic Republic Pakistan, 1973, Article 38.

سود کی رقم ضبط کر لی جائے گی۔ اس کے علاوہ نافذ العمل تمام قوانین میں شامل ایسی دفعات کی منسوخی کا اعلان کیا گیا جس کی رو سے سود لینے یا دینے کی اجازت دی گئی ہو۔[1]

معیشت کے اسلامیانے کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل اور کردار

ملک میں اسلامی معیشت کے نفاذ کیلئے اس بات کی بھی ضرورت محسوس کی گئی کہ ایک ایسا پینل مرتب کیا جائے
کہ جس کا مقصد دیگر اقدامات کے علاوہ ایسی سفارشات پیش کرنا ہو جو مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگیاں
گزارنے کے قابل بنا سکیں۔ اس مقصد کیلئے اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل کی گئی۔

کونسل کی سفارشات:

کونسل کا قیام ۱۹۶۲ء میں لایا گیا۔ جس نے ۱۹۶۴ء کے دوران ہی اس رائے کا اظہار کر دیا کہ سود حرام ہے اور موجودہ بینکاری نظام بلاشبہ سود پر مبنی ہے۔ ۳ دسمبر ۱۹۶۹ء کو کونسل نے اپنے ہونے والے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں واضح طور اپنا مؤقف بیان کیا کہ:

"موجودہ بینکاری نظام کے تحت افراد، اداروں اور حکومتوں کے درمیان کاروباری لین دین اور قرضہ جات یعنی اصل رقم پر جو بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے وہ سود میں داخل ہے۔"[2]

کونسل کا معاملہ ۱۹۷۰ء کے دوران بھی ہونے والے اجلاسوں میں پیشِ نظر رہا، بالآخر اس کے مختلف پہلوؤں پر خوب غور و فکر کے بعد ۱۹۷۱ء کو اسلامی معاشرتی نظام پر ایک جامعہ لائحہ عمل منظور کر کے حکومت کو بھیجا گیا مگر آئین کے تقاضے کے مطابق نظامِ معیشت سے سود کے استحصال کیلئے کوئی قانون سازی نہ ہو سکی۔[3]

کونسل کی حتمی رپورٹ:

اکتوبر ۱۹۷۷ء کو ماہرینِ معاشیات و بینکاری کا پندرہ رکنی پینل تشکیل دیا۔ جس میں غیر ملکی یونیورسٹیوں سے

۱- بلاسود بینکاری رپورٹ، اسلامی نظریاتی کونسل، لاہور، ص ۲-۳۵

2- Annual Report of the Proceedings of the Advisory Council of Islamic Ideology, Formulation of recommendation on the Question of Riba, December 1969, p.140.

۳- سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کا تاریخی فیصلہ، تنزیل الرحمٰن، جسٹس، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص ۳۴-۳۵

فارغ التحصیل آٹھ پی-ایچ-ڈی ممبرز، چار مالیات و بینکاری کے ماہرین، ایک پاکستان بینکنگ کونسل کا ممبر شامل تھا۔ اور اسکا چیئرمین گورنر اسٹیٹ بینک آف پاکستان کو مقرر کیا گیا۔[1]

سود سے پاک معیشت اور بینکاری نظام کیلئے اس پینل کی خدمات حاصل کی گئیں۔ پینل نے نظریاتی کونسل کو موصول شدہ تمام آراء و تجاویز کے علاوہ ایک الگ سوالنامہ مرتب کر کے جاری کیا، اس سے حاصل شدہ جوابات کے تمام امور کا جائزہ لیا گیا جس کے بعد پینل نے سود کے خاتمہ اور کچھ فوری اقدامات کی تجویز پیش کی۔ جسے عبوری رپورٹ کی صورت میں ۱۹۷۸ء کو حکومت کے سامنے پیش کیا گیا۔ دو سال کی محنت کے بعد ۲۸ جنوری ۱۹۸۰ء کو اس کی حتمی رپورٹ سود کے استحصال کے بارے میں پیش ہوئی۔[2]

کونسل کی رپورٹ کی منظوری اور عمل درآمد:

اسلامی نظریاتی کونسل کے پینل کی حتمی رپورٹ معیشت سے سود کے خاتمے کے فریم ورک کے ساتھ ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو صدرِ پاکستان کے سامنے پیش کر دی گئی۔ رپورٹ کو ۷ تا ۱۱ مارچ ۱۹۸۱ کو اسلام کے معاشی نظام پر اسلام آباد میں منعقد ہونے والے بین الاقوامی سیمینار میں زیرِ غور لایا گیا۔ سیمینار میں حکومتِ پاکستان اور اسلامی نظریاتی کونسل کی استیصالِ سود کے ذرائع و وسائل دریافت کرنے کیلئے کی جانے والی کوششوں کو بہت پزیرائی ملی۔[3]

کونسل نے بینکوں کو بلاسود سرمایہ فراہم کرنے کیلئے ہدایات دیں کہ:

- زرعی قرضہ جات کے سلسلے میں گزارہ یونٹ کے مالکان کو "خصوصی قرضوں کی سہولت" کے تحت بلا معاوضہ جنس یا نقد دے کر مدد دی جاسکتی ہے۔ یہ قرضے بینکوں کے غیر سودی فنڈز سے دینے چاہئیں، تاہم ایسے فنڈز ناکافی ہوں تو پھر حکومت بینکوں کو "اوسط شرح منافع" کی بنیاد پر ان قرضوں کے عوض مالی مدد دے سکتی ہے۔ گزارہ یونٹ سے زیادہ اراضی کے مالکان کو "بیع مؤجل"[4] یا "بیع سلم"[5] کے ذریعے مختصر المیعاد سرمایہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔

1- Islamization of Banking in Pakistan, Faruqi, Jalees Ahmed, Research Dept United Bank Limited, Karachi, 1984, p.2.

۲- اسلامی نظریاتی کونسل، سالانہ رپورٹ: ۷۸-۱۹۷۷ء، پاکستان، اسلام آباد، اشاعت اول ۱۹۷۹ء، ص ۸۰-۸۱

۳- سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کا تاریخی فیصلہ، ص ۳۶-۳۷

۴- بیع مؤجل سے مراد ایسی بیع ہے جس میں فروخت ہو جاتی ہے اور قیمت بعد میں وصول کی جاتی ہے، چاہے یکمشت ہو یا قسطوں میں ہو۔ دیکھئے: بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، ص ۱۲

۵- بیع سلم ایسا عقد ہوتا ہے جس میں کسی چیز کی قیمت ادا کر دی جاتی ہے لیکن مقررہ چیز کی وصولی بعد میں ہوتی ہے۔ دیکھئے: الہدایۃ، ۳/۷۰

- تجارتی سرمایہ کاری کیلئے خوردہ فروشوں کو "بیع مؤجل" یا خصوصی قرضوں کی سہولت کی بنیاد پر بینکوں کے بلاسودی کھاتوں سے قرضے دیئے جاسکتے ہیں۔ اگر ان کی مدد کیلئے ایسے فنڈز ناکافی ہونے پر وہی طریقہ اختیار کیاجائے گا جو کہ صنعتی شعبے کی سرمائے کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے ضمن میں کیا گیا۔ البتہ بینک "لیٹر آف کریڈٹ"[1] کی صورت میں اپنی خدمات کے عوض کچھ معاوضہ لے سکتا ہے۔
- بینکوں میں موجود بچت کھاتوں اور میعادی امانتوں پر قابلِ تقسیم منافع بینکوں کے نفع ونقصان کی بنیاد پر مختلف شرح سے ادا کرنا لازم ہوگا، تاہم بینکوں کے درمیان کاروبار آپس میں نفع ونقصان میں حصہ داری کی بنیاد پر جاری رہے گا۔
- تجارتی بینکوں میں نقد پذیری کی عارضی قلتوں کو دور کرنے کیلئے اسٹیٹ بینک کی طرف سے امداد نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر دی جائے گی۔
- پاکستانی بینکوں کا غیر ملکی بینکوں کے ساتھ لین دین خاص صورتوں میں سودی بنیادوں پر جاری رہے گا، تاہم ان بینکوں کا انتظام ایک علیحدہ کارپوریشن کے سپرد کیا جائے گا تاکہ سودی اور غیر سودی آمدنی کو الگ رکھا جائے، نیز غیر ملکی کرنسی میں جمع شدہ امانتیں بھی اس کارپوریشن کی تحویل میں رہیں گی جہاں مقامی امانتیں جمع کروانے کی اجازت نہ ہوگی۔[2]

اسلامی نظام معیشت میں مقننہ کا کردار

اسلامی نظریاتی کونسل کی کاوشوں کے مثبت نتائج سامنے آئے اور پینل کی پیش کردہ تجاویز کی روشنی میں مقننہ کی ہدایات کے مطابق اداروں میں درج ذیل اصلاحات کی گئیں۔

- انوسٹمینٹ کارپوریشن آف پاکستان(ICP)[3] نے اپنے میوچل فنڈ (اسٹاک ایکسینج کے حصص کی خرید و فروخت) میں سود سے پاک نظام متعارف کیا۔[4] ادارے نے اپنی سرمایہ کاری اسکیم کو اکتوبر ۱۹۸۰ء سے نفع

۱- بیرون ملک تجارت اور رقم کے لین دین کیلئے بینک میں اکاؤنٹ کھلوایا جاتا ہے اسے لیٹر آف کریڈٹ کہتے ہیں۔
See Money Banking and Finance, Muhammad Irshad, Orient Publishers, Lahore, p.222.

۲- پاکستان میں بلاسود بینکاری: عملی اقدامات کا ایک جائزہ، عبد القدوس صہیب، معارف اسلامی، اسلامک ریسرچ انڈیکس، ۲۰۰۵ء، جلد ۴/ شمارہ ۱-۲، ص ۹۸-۹۹

۳- یہ ادارہ ۱۹۶۶ء میں قائم ہوا۔ اس ادارے کا مقصد مساوی بنیادوں پر سرمایہ کاری کرنا اور مارکیٹ کی سطح پر سرمایہ کی پیداوار وافزائش کرنا ہے۔ دیکھئے:
http://www.entrytest.com/sub-page/article-211.aspx

۴- اسلام اور جدید معیشت و تجارت، عثمانی، محمد تقی، مفتی، ادارۃ المعارف، کراچی، ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ، ص ۱۵۵

ونقصان کی مساویانہ تقسیم سے بدل دیا۔ تاہم جنوری ۱۹۸۱ء مضاربہ کمپنی دستاویزات کا اجراء بھی کیا۔[1]

- قومی سرمایہ کاری یونٹ (National Investment Trust)[2] کا کاروبار جو کہ سود پر مبنی ہو گیا اور طویل المیعاد سرمایہ کاری کیلئے ٹی-ایف-سی (Term Finance Certificate) دستاویزات جاری کئے گئے، مرابحہ[3] اور اجارہ[4] کے طریقوں پر کیا جانے لگا۔[5]
- سمال انڈسٹریز فنانس کارپوریشن چھوٹی صنعتکاروں کو سود پر قرضے دیتا تھا مگر یکم جولائی ۱۹۸۰ء کو اجارہ کی بنیاد پر نظام متعارف کروایا۔[6]
- ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن (HBFC)[7] نے سود پر قرض دینے کی بجائے شرکتِ متناقصہ[8] کے تحت اگست ۱۹۷۹ء کو بلا سود نظام کا آغاز کیا۔[9]
- اسٹیٹ بینک نے تمام بینکوں کو ہدایت کی کہ وہ قرضِ حسنہ یا بلا سود قرضے مع حق الخدمت مہیا کریں۔ مالیات کی فراہمی کیلئے مؤجل، اجارہ، مشارکہ و مضاربہ میں شرکت اور ان کے حصص کی خرید جیسے طریقے اپنائیں۔[10]

1- Islamization of Banking in Pakistan, p.5.

۲- یہ ٹرسٹ ۱۹۶۲ء کو نیشنل بینک آف پاکستان اور نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ لمیٹڈ کے باہمی معاہدے سے وجود میں آیا۔ اس ٹرسٹ کا ضامن نیشنل بینک آف پاکستان کو قرار دیا گیا۔ اس کا مقصد تجارتی کمپنیوں کو بچتیں یعنی سرمایہ فراہم کرنا ہے۔ دیکھیے: https://nit.com.pk/

۳- مرابحہ ایسی بیع ہے جس میں فروخت کنندہ چیز کو منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہے۔ دیکھیے: روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، النووی، ۳/ ۵۲۶

۴- اجارہ ایسا عقد ہوتا ہے کہ جس میں چیز کو اس کے منافع کے بدلے میں کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ دیکھیے: کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، ۱/ ۲۹۴

۵- اسلام اور جدید معیشت و تجارت، عثمانی، محمد تقی، مفتی، ص ۱۵۵

6- Islamization of Banking in Pakistan, p.5.

۷- ادارہ ۱۹۵۲ء میں قائم ہوا۔ یہ ادارہ کم اور درمیانی آمدنی کے حامل افراد کو گھر کی تعمیر کیلئے قرض فراہم کرتا ہے۔ دیکھیے:
http://www.hbfc.com.pk/page/about_us/company_profile

۸- شرکتِ متناقصہ ایسی شراکت ہے کہ جس میں چیز کے کم حصے میں شراکت کی جاتی ہے اور بعد میں تدریجاً حصص خرید کر چیز کی ملکیت حاصل کر لی جاتی ہے۔ دیکھیے: اسلامی بنکاری (نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات)، ص ۵۳

9- Islamization of Banking in Pakistan, p .8.

۱۰- پاکستان میں بلاسود بینکاری: عملی اقدامات کا ایک جائزہ، ص ۱۱۳-۱۱۵

بلا سود بینکاری میں عدلیہ کا کردار

پاکستان میں اسلامی معیشت کیلئے جہاں دیگر ادارے کوشاں رہے تو وہاں عدالتی سطح پر بھی کچھ اہم فیصلے سامنے آئے۔ اس حوالے سے وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کا کردار نمایاں رہا ہے۔ سودی نظام کے خلاف ان عدالتوں کی کارکردگی حسبِ ذیل ہے۔

سودی نظام کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ:

وفاقی شرعی عدالت کو مالیاتی قوانین کا جائزہ لینے کا اختیار ملا تو عدالت نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو سود کی تنسیخ کا فیصلہ سنایا۔ سود سے متعلقہ قوانین میں شامل دفعات کے چیلنج کیلئے ۱۱۵ درخواستیں عدالت کو موصول ہوئیں۔ عدالت نے ۲۰ قانونی دفعات کو قرآن وسنت کے مطابق کرنے کا فیصلہ سنایا۔ یہ دفعات درج ذیل ہیں۔

۱. انٹرسٹ ایکٹ مجریہ ۱۸۳۹ء
۲. گورنمنٹ سیونگ بینکس ۱۸۷۳ء
۳. نیگوشی ایبل انٹرومینٹس ایکٹ ۱۸۸۱ء
۴. لینڈ ایکوزیشن ایکٹ ۱۸۹۲ء
۵. دی کوڈ آف سول پروسیجر ۱۹۰۸ء
۶. کوآپریٹو سوسائٹی رولز ۱۹۲۷ء
۷. کوآپریٹو سوسائٹی ایکٹ ۱۹۳۵ء
۸. منی لینڈرز رولز ۱۹۳۵ء
۹. انشورنس ایکٹ ۱۹۳۸ء
۱۰. ویسٹ پاکستان منی لینڈرز آرڈیننس ۱۹۴۰ء
۱۱. اسٹیٹ بینک آف پاکستان ۱۹۵۶ء
۱۲. پنجاب منی لینڈرز آرڈیننس ۱۹۶۰ء
۱۳. سندھ منی لینڈرز آرڈیننس ۱۹۶۰ء
۱۴. سرحد منی لینڈرز آرڈیننس ۱۹۶۰ء
۱۵. بلوچستان منی لینڈرز آرڈیننس ۱۹۶۰ء
۱۶. ایگری کلچر ڈیویلمنٹ بینک آف پاکستان ۱۹۶۰ء
۱۷. بینکنگ کمپنیز آرڈیننس رولز ۱۹۶۲ء

۱۸. بینکنگ کمپنیز رولز ۱۹۶۳ء

۱۹. بینکس (نیشلائزیشن رولز) ۱۹۷۴ء

۲۰. بینکنگ کمپنیز آرڈیننس ۱۹۷۹ء[1]

سود کی مذمت میں سپریم کورٹ کا فیصلہ:

فیڈرل شریعت کورٹ نے جب نومبر ۱۹۹۱ء کو یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے بینک کے مالی قوانین اور لین دین کو جو کہ زیادہ تر مارک اپ، ڈسکاؤنٹ اور بیع مؤجل پر تھا غیر اسلامی قرار دیا تو حکومت اور کچھ اسلامی بینکوں نے اس کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت بنچ میں اپیل دائر کر دی۔ اس مقدمہ کی ساعت ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ہوئی۔ سپریم کورٹ کے اپلیٹ بنچ نے اپیل مسترد کر دی اور متفقہ طور پر قرار دیا کہ تجارتی اور صرفی، ہر طرح کے لین دین میں سودی اشکال قرآن و سنت سے متصادم ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔ کورٹ نے فیصلہ کیا کہ حکومتی سطح پر ملکی اور بین الاقوامی سودے قرضے بھی اسی زمرے میں آتے ہیں لہذا ناجائز ہیں۔ بنچ کی تجویز کے مطابق بینکاری نظام کو شریعت کے مطابق کرنے کیلئے اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے عملی اقدامات کئے۔ اس حوالے سے اسلامی بینکنگ ڈیپارمنٹ اور ایک شریعہ بورڈ تشکیل دیا۔ اسٹیٹ بینک اسلامی بینکوں کے نظام کو شریعہ اصولوں سے مطابقت کو یقینی بنانے کیلئے انھیں طریقہ ہائے تمویل، قوانین وضوابط کے بارے میں مشورے اور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔[2]

اسلامی بینکاری میں علماء کرام کا کردار

۲۰۰۸ء میں اسلامی بینکاری نظام پر کچھ پاکستانی علماء و مفتیانِ کرام کی طرف سے اعتراضات سامنے آئے۔ ان کی طرف سے جاری کردہ فتوٰی میں اسلامی بینکنگ نظام کو مروجہ بینکنگ نظام سے بھی بدتر کہا گیا جس سے اسلامی بینکاری نظام کو ایک بڑا دھچکا لگا۔ ۲۸ اگست ۲۰۰۸ء کو جاری ہونے والا فتوٰی درج ذیل تھا۔

> "اسلامی کی طرف منسوب بینکاری نظام کو ہم خالص غیر اسلامی نظام سمجھتے ہیں، بلکہ بعض حیثیتوں سے اس نظام کو روایتی بینکاری نظام سے زیادہ خطرناک اور ناجائز سمجھتے ہیں، اس نظام کو غیر اسلامی کہنے کی دو بنیادی وجوہ ہیں:
>
> ۱- مروجہ اسلامی بینک مجوزہ اسلامی طریقہ کار پر کاربند نہیں۔

1- Selected Judgments of the Federal Shariat Court Pakistan, Newline Printing Press, Lahore, 1992, p.165.

۲- پاکستان میں اسلامی بینکاری کی کوششیں (2012-1980)—تاریخی و تجزیاتی مطالعہ، ممتاز احمد سالک، پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، اسلامک ریسرچ انڈیکس، ۲۰۱۴ء، جلد ۱۳/ شمارہ ۱۳، ص ۱۵۱

۲- جو مجوزہ طریقہ کار برائے تمویل طے پایا تھا، وہ طریقہ بھی شرعی اعتبار سے کئی نقائص کا حامل ہے۔"[۱]

اس فتوٰی کے بعد اسلامی بینکنگ کے حوالے سے مایوسی کی کیفیت پیدا ہوئی۔ مگر علماء کرام نے اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ فتوٰی کے جواب میں مفتی ذاکر حسن نعمانی [۲] نے قلم اٹھایا۔ اس سلسلے میں وہ رقم طراز ہیں کہ:

"مخالفین کی مخالفت اس حد تک بڑھ گئی کہ مروجہ اسلامی بینکاری کو قطعی غیر شرعی اور غیر اسلامی کہہ دیا، جس کی وجہ سے ہر طرف ایک تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ یہ فتوٰی صادر کرنے والوں میں ایسے مفتی حضرات بھی شامل ہیں جن کو نفسِ بینکنگ اور اسلامی بینکنگ کے بارے میں کچھ پتا نہیں، صرف چند حضرات کی تحقیق پر اعتماد کر کے فتوٰی پر دستخط کر دیئے ہیں، حالانکہ ایسا کرنا علم اور دیانت کے خلاف ہے۔ اور فتوٰی لکھنے والوں نے بھی بے احتیاطی کے ساتھ حرمت کا فتوٰی صادر کر دیا ہے، حالانکہ ایک ماہر، تجربہ کار، وسیع النظر، دوراندیش اور صاحبِ بصیرت مفتی بعض نازک اور عالمگیر مسائل میں ایسا نہیں کرتا، بہت احتیاط کرتا ہے۔

پھر ان علماء کو بھی اعتماد میں نہیں لیا جو نظریاتی طور پر ان مسائل میں گہری نظر رکھتے ہیں یا عملاً اس نظام کے ساتھ وابستہ ہیں، تاکہ طرفین ایک دوسرے کو مطمئن کر سکیں۔ اپنے گھر کے اندر اختلافات کو حل کرنے کی بجائے اختلافات اور حرمت کی گیند عوام کی طرف پھینک دی۔ حالانکہ ایک دن ضرور یہ علماء آپس میں مل بیٹھ کر ایک دوسرے کو مطمئن کریں گے۔ فتوٰی صادر کرنے سے پہلے آپس میں مل بیٹھ کر ایک متفقہ بات عوام کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت تھی، اور اگر فتوٰی صادر کرنا تھا تو پھر یوں لکھنا چاہیئے تھا کہ ہماری تحقیق کے مطابق موجودہ اسلامی بینکاری غیر اسلامی ہے۔ اگر اس نظام کے بانی اور عملاً ملوث حضرات ہمیں مطمئن کر دیں تو فتوٰی سے رجوع کر سکتے ہیں، لیکن ان حضرات نے حرمت کا فتوٰی صادر کر کے لوگوں کو یہ باور کرانے

۱- دارالافتاء، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، ۲۹ شعبان ۱۴۲۹ھ، فتوٰی نمبر: ۱۴۳۹۰۸۲۰۱۰۵۱ دیکھئے:
https://www.banuri.edu.pk/readquestion/%D8% , visited on: 20,July, 2020 at 10:am.

۲- مفتی ذاکر حسن نعمانی دارالعلوم حقانیہ کے فیض یافتہ ایک قابل و فاضل شخصیت ہیں۔ جامعہ عثمانیہ پشاور میں حدیث و تخصص کے استاد ہیں اور خیبر بینک پشاور کے سابق شریعہ ایڈوائزر بھی رہے ہیں۔
https://deobandi-books.amuslim.org/book.php?b=3490&p=90, visited on: 7,July, 2021 at 3:00am.

کی کوشش کی ہے کہ مروجہ بینکاری تمام علمائے کرام کے نزدیک حرام ہے، حالانکہ ہندستان، پاکستان اور عرب ممالک کی یہ رائے نہیں ہے۔"[1]

اسلامی بینکاری کے خلاف فتویٰ انتہائی مؤقف کا حامل تھا اور اس کے جواب میں مقابل علماء نے اپنا مؤقف بھی دیا مگر یہ بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔ بینکاری کے اسلامیانے کے سلسلے میں علماء نے بے تحاشا خدمات سر انجام دیں۔ اس بارے میں بے شمار مقالات اور کتابیں لکھیں۔ معترضین علماء نے جو نکات بطور اعتراض پیش کئے تو اس کے جوابات مجوزین کی طرف سے دیئے گئے۔ اس سے متعلقہ بہت علمی مواد موجود ہے۔ پاکستان میں اسلامی بینکاری کا پھیلتا ہوا نیٹ ورک اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگ اس نظام سے استفادہ کر رہے ہیں۔ البتہ اس میں بہتری اور اصلاح کے حوالے سے علماء کرام آج بھی اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

معیشت کے اسلامیانے میں بینکوں کا کردار

بینکاری سطح پر اسلامی معاشی نظام کا آغاز ۲۰۰۱ء کے اختتام پر ہی ہو گیا تھا۔ اسلامی بینکنگ کا سب سے پہلا ادارہ میزان بینک ہے۔ یہ سب سے پہلا اسلامک کمرشل بینک ہے کہ جس نے اسٹیٹ بینک سے جنوری ۲۰۰۲ء میں لائسنس حاصل کر لیا اور ۲۰ مارچ ۲۰۰۲ء میں اپنا کام شروع کیا۔ میزان بینک کی جون ۲۰۰۲ء تک پانچ شاخیں قائم ہو گئیں تھیں جس میں سے دو کراچی میں تھیں اور ایک ایک لاہور اور اسلام آباد میں تھی۔[2] اس کے علاوہ چار اور ایسے بینک ہیں جو مکمل طور پر اسلامی ہیں اور لائسنس حاصل کر چکے ہیں۔ ذیل میں ان کا مختصر تعارف ہے۔

پاکستان میں اسلامی بینکوں کا کردار:

پاکستان میں کام کرنے والے اسلامی بینک اور ان کی کارکردگی درج ذیل ہے۔

- **میزان بینک**

میزان بینک نے ۲۰۰۲ء سے اپنی خدمات کا آغاز کیا تو اس وقت ۲۰۰ سے زیادہ شہروں میں اس کی ۶۰۷ برانچوں کا نیٹ ورک پھیلا ہوا ہے۔ بینک کا اسلامی بینکنگ انڈسٹری کی کاروباری دنیا میں ۳۵ فیصد شئیر موجود

۱- اسلامی بینکاری اور علماء (اختلافی فتوے پر اہل علم وفکر کے تبصروں کا مجموعہ)، الافنان، کراچی، طبع جدید شعبان ۱۴۳۰ھ - اگست ۲۰۰۹ء، ص ۴۷-۴۸

2- State Bank of Pakistan, Annual Report 2002, p.g:193-194 retrived from http://www.sbp.org.pk/reports/annual/arFY02/chap10.pdf , visited on: 21, July, 2020 at 05:30pm.

ہے۔ یہاں مولانا تقی عثمانی[1] شریعہ بورڈ کے چیئرمین کی حیثیت سے خاص رکن ہیں۔ باقی اراکین میں ڈاکٹر محمد عمران اشرف عثمانی (وائس چیئرمین)[2]، شیخ عصام محمد اسحاق[3] اور مفتی محمد نوید عالم[4] شامل ہیں۔[5]

- **دبئی اسلامک بینک**

دبئی اسلامک بینک نے پاکستان میں دبئی اسلامک بینک پاکستان لمیٹڈ (DIBPL) کے نام سے ۲۷ مئی ۲۰۰۵ء کو ایک غیر اندراج شدہ پبلک لمیٹڈ کمپنی کے طور پر اسلامی بینکنگ کا آغاز کیا۔ تاہم ۲۸ مارچ ۲۰۰۶ء سے شیڈولڈ بینک کے طور پر اپنی سرگرمیوں کو چلانا شروع کیا۔ پورے پاکستان کے ۶۸ شہروں میں اس کی ۲۳۵ برانچیں اور ۲۱ مستقل بینکنگ بوتھ موجود ہیں۔[6]

۱- تقی عثمانی صاحب شریعت اور بالخصوص اسلامی مالیات کے حوالے سے مشہور شخصیت ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ سپریم کورٹ کے شریعہ بنچ کے جج بھی رہے۔ کئی مالیاتی اداروں کے شریعہ ایڈوائزر اور جامعہ دارالعلوم کراچی کے رسالہ "البلاغ" کے ایڈیٹر ان چیف ہیں۔ دیکھیے میزان بینک کی ویب سائٹ: https://www.meezanbank.com/about-us/

۲- محمد عمران اشرف عثمانی نے اسلامی مالیات میں پی-ایچ-ڈی کی ڈگری حاصل کر رکھی ہے۔ دارالعلوم کراچی کے ایڈمنسٹریشن بورڈ کے ممبر اور میزان بینک کے شریعہ ایڈوائزری کے وائس چیئرمین ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھیے میزان بینک کی ویب سائٹ: https://www.meezanbank.com/about-us/

۳- شیخ عصام محمد اسحاق بحرین میں اسلامی امور ہائی کونسل اور دیگر کئی شریعت ایڈوائزری بورڈز کے کارکن ہیں۔ میزان بینک میں شریعہ بورڈ کے ممبر ہیں۔ دیکھیے میزان بینک ویب سائٹ، ایضا

۴- مفتی محمد نوید عالم نے دینی تعلیم کے ساتھ اسلامی بینکنگ اور مالیات میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۲۰۱۳ء میں میزان بینک کے شریعت ڈیپارٹمنٹ کے رکن کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ بینک کے مختلف شعبہ جات اور برانچوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ دیکھیے میزان بینک ویب سائٹ، ایضا

5- "Meezan Bank" retrived from Meezan Bank Website, ibid , visited on: 19, July, 2020 at 09:20pm.

6- "Dubai Islamic Bank" retrived from https://www.dibpak.com/index.php/dib-pakistan/, visited on: 19, July, 2020 at 10:00pm.

بینک کے شریعہ بورڈ کے ممبران ڈاکٹر حسین حمید حسن (چیئر مین)[1]، مفتی محمد حسن کلیم[2]، میاں محمد نظیر[3] اور منصور رئیس[4] ہیں۔[5]

• بینک اسلامی

بینک اسلامی پاکستان لمیٹڈ نے اسٹیٹ بینک آف پاکستان سے ۳۱ مارچ ۲۰۰۵ء میں لائسنس حاصل کیا اور ۷ اپریل ۲۰۰۶ء میں کراچی کی برانچ سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ اب تک ۱۱۴ شہروں میں اس کی ۳۳۰ برانچیں ہیں۔[6]

۱- ڈاکٹر حسین حمید حسن انٹر نیشنل سطح پر اسلامک لاء کے مشہور سکالر ہیں اور اسلامی مالیات کے ماہر ہیں۔ اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کی ترقی میں ان کا بہت تعاون رہا ہے۔ دبئی بینک کے علاوہ کئی دوسرے بیرون ممالک کے اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے فتوٰی اور شریعہ ایڈوائزری کے چیئر مین ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھیئے دبئی اسلامک بینک کی ویب سائٹ: https://www.dibpak.com/index.php/sharia/board-members/

۲- مفتی محمد حسن کلیم اسلامی تعلیمات اور عربی کے دار العلوم کراچی میں سترہ سال مدرس رہے۔ شرعی تعلیمات اور ایڈوائزری میں بہت مہارت حاصل ہے۔ جامعہ دار العلوم کراچی کے دار الافتاء کے ممبر ہیں۔ دبئی بینک کے شریعہ بورڈ کے ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک قطر، بحرین، دبئی اور سری لنکا کے مختلف شرعی کونسلز اور بورڈز کے کارکن ہیں۔ دیکھیئے دبئی اسلامک بینک کی ویب سائٹ، ایضا

۳- میاں محمد نظیر نے انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے شریعہ اور لاء میں ایل-ایل-بی اور امریکہ کی کیمبرج یونیورسٹی سے ایل-ایل-ایم (ماسٹر آف لاء) کی ڈگری حاصل کی۔ دبئی اسلامک بینک کے شریعہ ایڈوائزری کے ممبر ہونے کے ساتھ ساتھ دبئی اور کینیا کے کئی اسلامی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے فتوٰی اور شریعہ بورڈ کے ممبر بھی ہیں۔ مزید تفصیل کیلئے دبئی اسلامک بینک کی ویب سائٹ دیکھیں، ایضا

۴- منصور رئیس صاحب پاکستان میں اسلامی بینکنگ اور تکافل کے ماہرین میں سے ہیں۔ کراچی کے جامعہ دار العلوم اور جامعہ اشرف المدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ایم-بی-اے کی ڈگری بھی حاصل کر چکے ہیں۔ بینکوں میں شرعی بنیادوں پر کاروباری تجاویز اور اثاثہ جات کی پیداوار سے متعلقہ دستاویزی معاملات میں عبور رکھتے ہیں۔ دیکھیئے دبئی اسلامک بینک کی ویب سائٹ، ایضا

5- "Board Members-Dubai Islamic Bank" retrived from Dubai Islamic Bank Website, Ibid, visited on : 19, July, 2020 at 10:15pm-

6- "Bank Islami" retrived from https://bankislami.com.pk/history/ , visited on: 19, July, 2020 at 10:30pm.

مفتی ارشاد احمد اعجاز (چئیر مین)[1]، مفتی محمد حسین خلیل[2] اور مفتی جاوید احمد[3] شریعہ ایڈوائزرز ہیں۔[4]

- **برج بینک**

برج بینک لمیٹڈ نے ۲۷ اپریل ۲۰۰۷ء سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ اس بینک کا البرکۃ بینک کے ساتھ ستمبر ۲۰۱۶ء سے الحاق ہو چکا ہے، تاہم اب البرکۃ بینک کے نام سے کامیاب ضم شدہ سرگرمیاں سرانجام دے رہا ہے۔ یورپ اور ایشیا کے ۱۵ ممالک میں ۲۲۴ پرانچوں پر مشتمل نیٹ ورک موجود ہے۔[5]

۱- مفتی ارشاد احمد اعجاز بینک اسلامی کے علاوہ کئی دوسرے مالیاتی اداروں اور بینکوں کے شریعہ بورڈ کے ساتھ بحیثیت چئیر مین یا ممبر منسلک ہیں جن میں پاکستان میں شریعہ اسٹینڈرڈ کمیٹی (AAOIFI)، سنیری بینک، الائیڈ بینک، اسٹینڈرڈ چارٹر بینک کے علاوہ آسٹریلیا اور بحرین کے شریعہ کمیٹی کے ادارے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اسلامک اکنامکس اور فنانس سے متعلقہ اداروں میں تدریسی خدمات بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ تفصیل کیلئے بینک اسلامی ویب سائٹ:

https://bankislami.com.pk/shariah-board/

۲- مفتی محمد حسین خلیل بینک اسلامی کے علاوہ ہلال فاؤنڈیشن کے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے بھی ممبر ہیں۔ اسلامی بینکاری اور جدید معاشی و مالیاتی مسائل سے متعلقہ بے تحاشا تحقیقی خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ جامعۃ الرشید کراچی کے دار الافتاء میں بحیثیت مفتی اعلیٰ مقرر ہیں۔ دیکھیئے بینک اسلامی کی ویب سائٹ، ایضا

۳- مفتی جاوید احمد بینک اسلامی کے علاوہ بحرین اور ملائیشیا کے اداروں میں شریعہ ایڈوائزر اور آڈیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ اسلامی بینکاری اور مالیات سے متعلقہ تحقیقی کام سرانجام دے چکے ہیں اور اسی میدان میں تدریسی خدمات بھی پیش کر رہے ہیں۔ تفصیل کیلئے بینک اسلامی کی ویب سائٹ، ایضا

4- "Shariah Board -Bank Islami" retrived from Bank Islami Website,ibid, visited on: 19, July, 2020 at 10:40pm.

5- "Burj Bank Limited merges into Al Baraka Bank (Pakistan) Limited" retrived from https://www.albaraka.com.pk/burj-bank-limited-merges-into-al-baraka-bank-pakistan-limited/ , visited on: 21, July, 2020 at 07:50pm.

• البرکۃ

البرکہ پاکستان لمیٹڈ کا آغاز ۳۰ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو البرکہ اسلامی بینک بحرین، البرکہ اسلامی بینک پاکستان اور امارات گلوبل اسلامی بینک (پاکستان) کے باہمی اشتراک سے ہوا۔ بینک نے دوسری بار اشتراک برج بینک لمیٹڈ کے ساتھ ستمبر ۲۰۱۶ء میں کیا۔ اسلامی بینکنگ کے حوالے سے مصنوعات اور خدمات کی فراہمی میں ایک بہترین محکمہ ہے ۔ اس بینک کو ۲۶ دسمبر ۲۰۱۰ء میں دبئی میں ہونے والی سالانہ اسلامی بزنس اینڈ فنانس ایوارڈ کی تقریب میں "بہترین علاقائی بینک" قرار دیا گیا۔ اس کی ملک بھر میں ۹۶ شہروں اور دیہاتوں میں ۱۹۰ شاخیں موجود ہیں۔[1] بینک کے شریعہ ایڈوائزرز شیخ عصام محمد اسحاق عبد الرحمٰن اسحاق (چیئرمین)[2]، مفتی بلال احمد قاضی[3] اور مفتی عبد اللہ نجیب الحق صدیقی[4] ہیں۔[5]

سودی بینکوں کا اسلامی معیشت میں کردار:

پاکستان میں اسلامی بینکوں کے علاوہ کئی سودی بینک بھی اسلامی بینکنگ کی سہولت صارفین کو مہیا کرتے ہیں ۔ ان بینکوں میں اسلامی بینکنگ کا علیحدہ سے شعبہ موجود ہوتا ہے۔ اگر کوئی صارف اسلامی بینکنگ کے کھاتے میں رقم لگانا چاہے یا اسلامی طریقے سے بینک سے لین دین کرنا چاہے تو وہ ان بینکوں سے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ یہ بینک درج ذیل ہیں۔

۱. یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ (امین)

۲. بینک آف پنجاب (تقویٰ)

1- "Al Baraka Bank Pakistan" retrived from https://www.albaraka.com.pk/al-baraka/ , visited on: 19, July, 2020 at 11:00pm.

۲- تعارف کیلئے دیکھئے: حوالہ سابقہ، مقالہ ص ۳۷

۳- مفتی بلال احمد قاضی کراچی کے اعلیٰ مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ایم-بی-اے میں ڈگری لے چکے ہیں۔ دار العلوم کراچی کے دار الافتاء سے منسلک ہیں اور اہم معاملات میں دو سو سے زائد فتوٰی دے چکے ہیں۔ اسی ادارے میں اسلامی معاشیات کے مدرس بھی ہیں۔ البرکۃ بینک کے علاوہ میزان بینک، سمٹ بینک اور سنیری بینکوں کے شریعہ ایڈوائزری بورڈ کے ممبر بھی ہیں۔

دیکھئے البرکۃ بینک ویب سائٹ: https://www.albaraka.com.pk/al-baraka/shariah-board/

۴- مفتی عبد اللہ نجیب الحق صدیقی عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ اور اسلامی مالیات میں مہارت رکھتے ہیں۔ البرکۃ بینک پاکستان لمیٹڈ کے ساتھ دس سال سے زیادہ عرصے سے منسلک ہیں۔ ابھی بینک میں شریعہ بورڈ کے ممبر ہیں اور یہاں مضاربۃ اور صکوک کے شرعی ڈھانچہ بنانے میں ان کا اہم کردار ہے۔ تفصیل کیلئے البرکۃ بینک کی ویب سائٹ، ایضا

5- "Shariah Board- Al Baraka Bank" retrived from Al Baraka Bank Website, Ibid, visited on: 19, July, 2020 at 11:20pm.

۳. مسلم کمرشل بینک (اسلامک بینک)

۴. بینک الفلاح (اسلامک)

۵. اسٹینڈرڈ چارٹرڈ بینک (صادق)

۶. نیشنل بینک آف پاکستان (اعتماد)

۷. سمٹ بینک (ربا فری)

۸. حبیب بینک لمیٹڈ (اسلامک بینکنگ)

۹. عسکری بینک (اخلاص)

۱۰. بینک الحبیب (اسلامک بینک)

۱۱. سِلک بینک (ایمان)

۱۲. فیصل بینک (برکت)

۱۳. الائیڈ بینک (اسلامک بینکنگ)

۱۴. حبیب میٹرو بینک (صراط)

۱۵. سندھ بینک (اسلامک بینکنگ)

۱۶. سنیری بینک (مستقیم)

۱۷. بینک آف خیبر (اسلامک بینکنگ)[۱]

۱- پاکستان میں اسلامی بینکاری کا آغاز وارتقاء، محمد اسحاق ودیگر، الثقافۃ الاسلامیۃ، شیخ زاید مرکز اسلامی، کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۷ء، جلد ۳۷/ شمارہ ۳۷، ص ۱۶۶

خلاصہ بحث

یہ باب ایک تعارفی باب ہے جس میں بینکاری نظام کی ضرورت واہمیت اور روایتی واسلامی بینکاری خدمات کو سامنے لایا گیا۔ ملکی معاشی ترقی میں بینکاری بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بینکوں کا کام عوام کی بچتوں کو محفوظ اور فائدہ مند بنانا ہوتا ہے۔ ان فرائض کی انجام دہی کیلئے بینک عوام الناس کے سرمائے اور بچتوں کو جمع کرنے کیلئے مختلف اکاؤنٹس متعارف کرواتے ہیں۔ بینکوں کے ساتھ سرمایہ کاری کرنے والے صارفین کو نفع میں شریک بھی کیا جاتا ہے۔ روایتی بینک کے معالات سودی ہوتے ہیں اور ان کی طرف سے دیئے جانے والے نفع کی مقدار طے شدہ ہوتی ہے جو کہ جائز نہیں ہوتی، جبکہ اسلامی بینک شرکت و مضاربت و دیگر تمویلات میں سرمایہ کاری سے نفع کا حصول کرتے ہیں اور صارفین کو ایک خاص تناسب سے اس میں شریک کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بینک دیگر وکالت پر مبنی خدمات بھی پیش کرتے ہیں مگر اس کا عوض وصول کیا جاتا ہے۔ بینکوں کا وکالتی خدمات پر فیس بطور عوض وصول کرنا شرعیت کے منافی نہیں ہے۔

کسی بھی اسلامی ریاست میں اسلامی معاشی نظام کا نفاذ ضروری ہوتا ہے۔ اسلام معاشی نظام کیلئے کچھ حدود قیود مقرر کرتا ہے جن کی پیروی لازم ہوتی ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق سود سے اجتناب، عدل و انصاف، دیانتداری، صاف گوئی، تعاون وتناصر، رزقِ حلال اور دھوکہ اور غرر سے اجتناب اسلامی معیشت اور اسلامی بینکاری کی شرعی بنیادیں ہیں، تاہم ان وضع کردہ اصولوں میں سے ایک کی مخالفت بھی اسلامی معاشی نظام کے نفاذ میں رکاوٹ ہے۔ اسلامی بینکوں میں بنائی جانے والی پالیسیوں میں شرعی بنیادوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، اسی بناء پر وہ سودی بینکوں کا متبادل نظام پیش کرتے ہیں۔

اسلام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں ہے، تاہم پاکستان میں کئی اعتبار سے اس کی مزاحمت کی گئی جیسا کہ ملکی آئین میں سود کی مذمت، اسلامی نظریاتی کونسل، حکومت اور عدلیہ کی جانب سے سود کی مخالفت اور اسلامی معاشی نظام کے نفاذ کی کوششیں ایک مثبت قدم ہے مگر تاحال سود کا مکمل خاتمہ نہیں ہوا۔ پاکستان میں اسلامی بینک اور کچھ روایتی بینک معیشت کے اسلامیانے کیلئے اقدام کر رہے ہیں تاہم سودی بینکاری کے مقابلے میں اسلامی بینکاری کا تناسب بہت کم ہے۔ اسلامی بینکاری کے تناسب میں اضافے کیلئے حکومت، بینکوں اور سرمایہ داروں کو مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہے۔

باب دوم

اسلامی بینکوں میں رائج شراکت

فصل اول: شراکت: معنی و مفہوم اور اصول و ضوابط

فصل دوم: مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

فصل سوم: مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

فصل اول

شراکت: معنی ومفہوم اور اصول وضوابط

شراکت کے لغوی معنی:

شراکت کا مادہ (ش،ر،ک) ہے۔ عربی میں اس کیلئے لفظ الشِّرْکَۃُ استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی ایک شخص کا دوسرے کے ساتھ شریک ہونا ہے۔ اور یہ شراکت مال، وراثت اور خرید وفروخت میں ہو سکتی ہے۔[1]

اس کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ:

"عقد بَين اثْنَيْنِ أَو أَكثر للْقِيَام بِعَمَل مُشْتَرك"[2]

ترجمہ: دو یا دو سے زیادہ افراد کا کسی مشترک کام کو قائم کرنے کیلئے عقد شراکت کہلاتا ہے۔

کسی کام میں شراکت سے مراد ہو گا کہ:

"كَانَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا نَصِيبٌ مِنْهُ، أَيْ كُلٌّ مِنْهُمَا شَرِيكٌ لِلآخَرِ"[3]

ترجمہ: ان دونوں میں سے ہر ایک کا اس میں حصہ ہو گا۔یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کا شریک ہو گا۔

شراکت کی اصطلاحی تعریف:

"الشركة هي اختلاط النصيبين فصاعدا، بحيث لا يتميز، ثم أطلق اسم الشركة على العقد وإن لم يوجد اختلاط النصيبين"[4]

ترجمہ: شراکت کا معنی ہے کہ دو حصوں کا آپس میں ہی اس طرح مل جانا کہ ان میں فرق نہ کیا جاسکے، پھر اس کا اطلاق عقد پر کیا جانے لگا اگرچہ اس میں دونوں حصوں کا اختلاط نہ پایا جائے۔

۱- لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، دار صادر، بیروت، طبعہ اولیٰ ۱۴۱۶، ۱۰/ ۴۴۸

۲ - المعجم الوسیط، ابراھیم مصطفی وآخرون، دار الدعوۃ، مجمع اللغۃ العربیۃ، القاہرۃ، ۱/ ۴۸۰

۳- معجم الغنی، عبد الغنی ابو العزم، بدون الطباع، بدون السنہ، ۱/ ۱۵۶۸۲

۴- کتاب التعریفات، الجرجانی، علی بن محمد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت–لبنان، ۱۹۸۳ء، ۱/ ۱۲۶

تاہم شراکت باہمی طور پر مال، خرید و فروخت، جسمانی مشقت اور وجاہت میں شریک ہونا ہے۔[1] آئمہ اربعہ کے ہاں اسکی تعریف حسب ذیل ہے۔

احناف کے ہاں شراکت کا نقطہ نظر:

صاحبِ حنفی عبداللہ بن محمود شراکت کی تعریف کرتے ہیں کہ:

"الْخُلْطَةُ وَثُبُوتُ الْحِصَّةِ"[2]

ترجمہ: (مال) کا ملنا اور (نفع میں) حصہ کا ثابت ہونا۔

شافعیہ کے ہاں شراکت کا نقطہ نظر:

شہاب الدین احمد شراکت کی تعریف حسبِ ذیل کرتے ہیں۔

"ثبوت الحق في الشيء الواحد لشخصين فأكثر على وجه الشيوع"[3]

ترجمہ: دو یا زیادہ اشخاص کا شیوع کی بنیاد پر کسی ایک چیز میں حق ثابت ہونا۔

مالکیہ کے ہاں شراکت کا نقطہ نظر:

مشہور مالکی ابو العباس شراکت کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

"الشَّرِكَةُ عَقْدُ مَالِكَيْ مَالَيْنِ فَأَكْثَرَ عَلَى التَّجْرِ"[4]

ترجمہ: دو یا دو سے زائد سرمایہ رکھنے والے مالکوں کے مابین تجارت پر عقد شراکت کہلاتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں شراکت کا نقطہ نظر:

ابنِ قدامہ کے نزدیک شراکت کی تعریف ہے کہ:

"هِيَ الِاجْتِمَاعُ فِي اسْتِحْقَاقٍ أَوْ تَصَرُّفٍ"[5]

ترجمہ: (کسی چیز کے) استحقاق اور تصرف میں اکٹھا ہو جانا شراکت کہلاتا ہے۔

۱-کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ۳/ ۱

۲-الاختیار لتعلیل المختار، الموصلی، عبداللہ بن محمود بن مودود، مطبعۃ الحلبی، القاہرۃ، ۱۳۵۶ھ، ۳/ ۱۱

۳-حاشیۃ عمیرۃ، الرلسی، شہاب الدین احمد، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۹ھ، ۲/ ۴۱۶

۴- حاشیۃ الصاوی، الخلوتی، ابو العباس احمد بن محمد، دار المعارف، بدون طبعۃ وبدون تاریخ، ۳/ ۴۵۵

۵-المغنی، الحنبلی، ابنِ قدامہ، عبداللہ بن احمد بن محمد، مکتبۃ القاہرۃ، بدون طبعۃ، ۱۳۸۸ھ، ۵/ ۳

حاصل کلام

تمام تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اخذ ہوتا ہے کہ عقدِ شراکت شرکاء کا سرمایہ لگانا، باہمی تعاون کرنا اور مل کر تجارت اور لین دین کے معاملات کرنا اور نفع حاصل کرنا ہے۔

قرآن کی روشنی میں شراکت کا ثبوت:

قرآن میں شراکت کا ثبوت مختلف اعتبار سے ملتا ہے۔ اس سے متعلق قرآنی احکامات درج ذیل ہیں۔

ورثاء کے مابین شراکت :

شرکاء وراثت میں بھی باہم شریک ہوتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿فَإِن كَانُوٓاْ أَكۡثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِي ٱلثُّلُثِ﴾[1]

ترجمہ: اور اگر وہ (ورثاء) اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

وراثت کے مسائل میں سے ہے کہ میت کے اصول و فروع نہ ہونے کی صورت میں ایک تہائی میں شرکاء یعنی اخیافی (ماں شریک) بہن بھائیوں کے حصص برابر ہوں گے۔[2]

درج بالا آیت وراثت کے حصص کے بارے میں ہے۔ اس آیت میں تمام فریقوں کے وراثت میں حصوں کو فرداً فرداً بیان کیا گیا ہے۔ آیت کے اس ذکر کردہ حصے میں خاص طور پر میت کی وراثت کے ایک خاص حصے (ثلث) میں ایک سے زیادہ افراد کی شرکت کے بارے میں حکم دیا جارہا ہے کہ ایک سے زیادہ کی صورت میں وہ تمام اخیافی بہن بھائی یعنی جن کی ماں ایک ہوں اور باپ اگرچہ الگ الگ ہوں، ثلث میں برابر کے شریک ہوں گے۔

قرآن کی اس آیت سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ایک سے زائد افراد کسی جائز معاملے یا عقد میں شریک ہوسکتے ہیں۔ اب یہ شرکت برابری کی بنیاد پر بھی ہوسکتی ہے جیسا کہ آیت کے اس حصے میں ذکر ہے اور برابری کی شرط کے بغیر بھی۔ آیتِ میراث میں میت کے ترکے میں عام طور پر ایک سے زائد افراد حصے دار ہوتے ہیں۔ یہ تمام حصّے قادرِ مطلق کے مقرر کردہ ہیں جن میں کمی بیشی کی اجازت نہیں۔ اس کے علاوہ جو دنیاوی عقد انسان اپنے درمیان کرتا ہے تو اس کی بنیاد کبھی برابری کسی سطح پر ہوگی اور کبھی اس کے علاوہ ہوگی۔

۱- سورۃ النساء:۴/ ۱۲

۲ - معارف القرآن، ۲/ ۳۲۷

فریقین کے مابین عقد شراکت:

فریقین باہم ملکر شراکت پر معاملہ کرسکتے ہیں۔ قرآن میں اسکا اثبات اصحاب الکھف کے واقعہ سے ملتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا﴾[1]

ترجمہ: اب اپنے میں سے ایک کو یہ اپنا روپیہ دے کر اس شہر میں بھیجو پھر دیکھے کون سا کھانا ستھرا ہے۔ پھر تمہارے پاس اس میں سے کھانا لائے اور نرمی سے جائے اور تمھارے متعلق کسی کو نہ بتائے۔

یہ آیت اصحاب کہف سے متعلق ہے جب وہ ایک لمبے عرصے کے بعد نیند سے بیدار ہوئے تو ضرورتاً انھوں نے آپس میں کھانا لانے اور کھانے کے بارے میں ایک عقد کیا۔ اور اپنے ایک ساتھی کو بازار میں کھانا لانے کے لیے بھیجا اور پھر وہ مشترکہ طور پر اس کھانے میں شریک ہوئے۔ قرآن اس واقعہ کو مثبت انداز میں بیان کرتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی جائز معاملے میں آپس کی رضامندی سے کوئی معاملہ کوئی عقد کرنا قرآن کی نظر میں جائز اور مستحسن ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ﴾[2]

ترجمہ: اور اگر انھیں ساتھ ملالو تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔

مندرجہ بالا آیت یتیموں کے مال سے متعلق ہے کہ جس میں تصرف نہیں کیا جاسکتا مگر بھلائی اور ضرورت کے تحت ان کا مال اپنے مال کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے تاہم اپنے اوپر خرچ کی اجازت نہ ہو گی۔ قرآن کی اس آیت کو بنیاد بناتے ہوئے مفسرین کرام نے یتیم کے مال کو کسی بہترین مصرف میں لگانے کی اجازت دی ہے۔

مولانا عبد الحق حقانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یتیموں کی اصلاح خواہ مال کے معاملہ میں، خواہ ان کی تعلیم و تربیت کے معاملہ میں بہتر ہے۔ ان کے لیے بھی اور دنیا و آخرت میں تمہارے لیے بھی۔ پھر فرمایا اگر ان کو ملالو خواہ ان کا کھانا پینا، خواہ تجارت میں مال، خواہ ان سے نکاح بیاہ کرکے تو وہ تمہارے بھائی واجب الرحم ہیں۔"[3]

۱- سورۃ الکھف:۱۸/ ۱۹

۲- سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۲۰

۳- تفسیر حقانی، حقانی، عبد الحق، میر محمد کتب خانہ، کراچی، س ن، ۱/ ۷۶

ابو الاعلیٰ مودودیؒ اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر وہ تمھارے بھائی بند ہی تو ہیں۔"[1]

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ اپنی تفسیر میں اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"بعض لوگ تو یتیموں کے اموال کو خرد برد کرنے کے لئے ان کے ساتھ شراکت کرتے۔ لیکن کئی ایسے بھی تھے جو ازراہ ہمدردی ان کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیتے۔ اور دیانتداری سے ان کے حصہ کا نفع ان کو ادا کرتے اور ان کی سہولت کے پیش نظر ان کے کھانے پینے کا انتظام اپنے ساتھ کر لیتے۔ جب قرآن حکیم نے یتیموں کے اموال میں بددیانتی کرنے سے سختی سے روکا بلکہ ان کے مال کے نزدیک تک جانے سے منع کر دیا تو اس سے ان لوگوں کو بھی بڑی پریشانی ہوئی جو یتیموں کی بہتری اور فائدہ کے لئے ان کو اپنے ساتھ شریک کئے ہوئے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم یتیموں کا روپیہ کاروبار میں لگاؤ تاکہ اس سے انہیں نفع پہنچے تو یہ اچھی بات ہے۔"[2]

مفسرین کی بیان کردہ آراء سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مختلف افراد مل کر کسی کام میں شریک ہو سکتے ہیں۔ یتیم کے مال کو بھی حصول منافع اور حکمت کے تحت کسی کاروبار میں لگایا جا سکتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب کسی معاملے میں کچھ افراد شریک ہوں گے تو ان کے درمیان کوئی نہ کوئی معاہدہ ضرور ہو گا۔ اسی کو عقد شراکت کہا جائے گا۔ یتیم کے مال کو بھی خاص حکمت کے تحت کاروبار میں لگانے کی اجازت ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کسی بھی جائز عقد میں شراکت کے بنیاد پر شامل ہو سکتا ہے اور ایسا کرنا قرآن کی نظر میں جائز ہے۔

یتیم کو کھانے میں شریک کرنا جبکہ اس میں کسی کے کم اور کسی کے زیادہ کھانے کا احتمال ہوتا ہے[3]، اس کے مال کو ملانا، تصرف کرنا اور خرید و فروخت میں لگانا درست ہو گا۔[4] لہذا اگر کسی غیر کے مال کا ضامن ہونے میں تصرف کا حق ہے تو آدمی کو اپنے مال کو تصرف کرنا اور کاروباری مقاصد کیلئے استعمال کرنے کا حق زیادہ ہے۔

۱- تفہیم القرآن، مودودی، سید ابو الاعلیٰ، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، س ن، ۱/ ۱۶۸

۲- ضیاء القرآن، الازہری، محمد کرم شاہ، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، س ن، ۱/ ۱۵۱

۳- ترجمہ احکام القرآن للجصاص، عبد القیوم، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، اشاعت اول، ۱۹۹۹ء، ۵/ ۵۹۲

۴- احکام القرآن، الکیاہراسی، ابو الحسن علی بن محمد، دار لکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ۱/ ۱۲۸[فيه الدلالة على جواز خلط ماله بماله ، وجوز التصرف فيه بالبيع والشراء]

شرکاء کے مابین حصص کی تقسیم:

شرکاء اگر حصص میں برابر کے حقدار ہوں قرآن ان کی تقسیم کو بیان کرتا ہے کہ:

﴿وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾[1]

ترجمہ: اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت ملے خواہ کوئی چیز ہو تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے۔ اگر تمہیں اللہ پر یقین ہے اور اس چیز پر جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن اتاری جس دن دونوں جماعتیں ملیں، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو اللہ کے نام پر نکالا جاتا ہے اس کی تقسیم کے لئے مندرجہ بالا آیت میں مستحق شرکاء کا ذکر کیا گیا ہے جن کے مابین تقسیم ہو گا۔ یہ آیت بھی کسی معاملے میں شراکت پر دلالت کرتی ہے۔

شرکاء کے مابین اصول مساوات:

شرکاء کو اصول مساوات روا رکھنا چاہیئے۔ اسکی تلقین اللہ نے خود قرآن میں کر دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ﴾[2]

ترجمہ: اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں۔ ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

آیت مبارکہ میں شرکاء کو آپس میں زیادتی کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ شرکاء کو آپس میں اصول مساوات قائم رکھنا چاہئیے۔

پیر کرم شاہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"فرمایا اکثر حصہ داروں کا یہی دستور ہے۔ بڑے حصے والا اپنے سے کم حصہ والے اور کمزور کو اس کی قلیل پونجی سے بھی محروم کر دیتا ہے: البتہ وہ حصہ دار جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں اور نیک اعمال کے خوگر ہوں وہ اپنے دوسرے حصہ داروں پر جبر نہیں کرتے ان کا حق نہیں چھینتے، بلکہ

۱- سورۃ الانفال:۸/ ۴۱

۲-سورۃ ص:۳۸/ ۲۴

حق و انصاف اور مروت واخلاص کے تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔"[1]

مفسر قرآن مولانا عبد الرحمٰن کیلانی [2] لکھتے ہیں:

"خُلَطَاء خَلِیْط کی جمع ہے اور خلیط کا معنی جزوی شریک کار ہے۔ یعنی ایسی کاروباری شراکت جس میں شریک کام کاج کے کچھ پہلوؤں میں تو آپس میں شریک ہوں اور کچھ پہلوؤں میں آزاد ہوں۔ مثلاً زید اور بکر دونوں کے پاس الگ الگ ریوڑ ہے جو ان کی اپنی اپنی ملکیت ہے لیکن ان کی حفاظت کے لئے جگہ مشترکہ طور پر کرایہ پر لے رکھی ہے۔ چرواہے کو مل کر معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ تو ایسے شریک ایک دوسرے کے خلیط کہلاتے ہیں۔"[3]

ذکر کردہ تمام قرآنی آیات میں غور و فکر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی جائز معاملے میں مختلف افراد کا جائز شرائط پر شریک ہونا جائز و مستحسن ہے۔ لیکن یہ شراکت بالکل آزاد نہ ہو بلکہ تمام شراکت داروں کے نفع نقصان کا خیال رکھتے ہوئے اور انصاف کے تمام اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے مکمل طور پر واضح اور درست عقد کی صورت میں ہو۔ قرآن مجید میں بیان کردہ درج بالا واقعات اس بات مکمل طور پر تائید کرتے ہیں ہیں انسان اپنی اجتماعی زندگی میں ایسے معاملات اور عقد کر سکتا ہے۔

احادیث مبارکہ کی روشنی میں شراکت کا اثبات:

احادیث مبارکہ سے شراکت کا اثبات درج ذیل طریقے سے ملتا ہے۔

حدیث قدسی:

حدیث مبارکہ سے بھی شراکت کا اثبات ملتا ہے۔ حضرت ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

۱- ضیاء القرآن، ۴/ ۲۳۴

۲- مولانا عبد الرحمٰن کیلانی ایک قابل شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کو بچپن سے ہی قرآن سے گہری محبت و شغف تھا تو اپنے والد محترم سے ترجمہ قرآن اور عربی گرائمر کے قواعد پڑھا کرتے تھے اور جماعت ششم تک قرآن کا ترجمہ مکمل کر چکے تھے۔ قرآن میں مترادف الفاظ کا ذیلی فرق سمجھنے کیلئے مختلف ڈکشنریوں کا بغور مطالعہ شروع کیا تو اپنی تفسیر "مترادفات القرآن" لکھ ڈالی جو کہ ایک نادر علمی تصنیف ہے۔ دیکھئے: تیسیر القرآن، کیلانی، عبد الرحمٰن، مکتبہ السلام، لاہور، س ن، ۱/ ۳

۳- ایضا، ۳/ ۷۳۳

((إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ فَإِذَا خَانَهُ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا))[1]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں دو شریکیوں کے درمیان تیسرا شریک ہوں جب تک ان میں سے کوئی ایک خیانت نہ کرے۔

شریکین کے مابین اللہ تبارک تعالی کی ذات کا ہونا سے مراد ہے کہ جب تک شرکاء ایمانداری سے کام کرتے ہیں اللہ تعالی ان کی مدد اور حفاظت کرتے ہیں اور ان کے کام میں برکت رکھتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((يَدُ اللَّهِ عَلَى الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ،فَإِذَا خَانَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ رَفَعَهَا عَنْهُمَا))[2]

ترجمہ: جب تک شریکین آپس میں خیانت نہ کریں اللہ کا ہاتھ ان پر رہتا ہے۔ جب بھی ان میں سے کوئی ایک خیانت کرتا ہے اسکو ان پر سے اٹھالیتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ اللہ کا ہاتھ باعث برکت ہوتا ہے جو کہ فریقین کی آپس کی خیانت کے باعث اٹھالیا جاتا ہے۔

حدیثِ فعلی:

شراکت سنتِ نبوی ہے۔ ایک روایت ہے حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كُنْتَ شَرِيكِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَكُنْتَ خَيْرَ شَرِيكٍ، لَا تُدَارِينِي، وَلَا تُمَارِينِي))[3]

ترجمہ: میں نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ میں زمانہ جہالیت میں آپکا شریک تھا۔ آپ ﷺ بہترین شریک تھے۔ آپ ﷺ نہ مجھ سے بہت زیادہ نرمی کرتے تھے اور نہ ہی مجھ سے جھگڑا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کا عمل ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے حدیث مبارکہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ شرکاء کو آپس میں حسن سلوک اور معتدل رویہ رکھنا چاہیئے۔

۱- سنن ابی داوَد، کتاب البیوع، باب فی الشرکۃ، حدیث نمبر: ۳۳۸۵، ۳/ ۲۶۴

۲- سنن الدارقطنی، الدارقطنی، علی بن عمر، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۶ھ-۱۹۶۶ء، کتاب البیوع، باب ایضا، حدیث نمبر: ۱۴۰، ۳/ ۳۵

۳- سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الشرکۃ والمضاربۃ، حدیث نمبر: ۲۲۸۷، ۲/ ۷۶۸

تعاملِ صحابہ:

شراکت کے بارے میں صحابہ کا بھی عمل ملتا ہے۔صحابہ کرام بھی شراکت کی بنیاد پر کاروبار کرتے تھے۔حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

((اشْتَرَكْتُ أَنَا وَعَمَّارٌ، وَسَعْدٌ، فِيمَا نُصِيبُ يَوْمَ بَدْرٍ قَالَ: فَجَاءَ سَعْدٌ بِأَسِيرَيْنِ وَلَمْ أَجِئْ أَنَا وَعَمَّارٌ بِشَيْءٍ))[1]

ترجمہ: میں نے، عمار اور سعد نے غزوہ بدر کے دن شراکت کی۔وہ فرماتے ہیں کہ سعد دو قیدی لے کر آئے اور میں عمار کچھ نہ لے کر آئے۔

تاہم مندرجہ بالا احادیثِ مبارکہ کی رو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شراکت نہ صرف سنتِ نبوی ہے بلکہ یہ صحابہ کرام کا بھی طریقہ رہا ہے کہ وہ بھی باہم شراکتی سرگرمیوں میں شریک رہتے تھے۔

شراکت کی اقسام:

شراکت کی دو اقسام ہیں۔

۱-شرکتِ املاک ۲-شرکتِ عقود

شرکتِ املاک

شرکاء کا بغیر عقد کے کسی چیز کا مالک بن جانا ہے۔یہ شراکت اختیاری اور غیر اختیاری دو طرح کی ہوتی ہے۔[2]

- **شرکتِ اختیاری:** اس میں شرکاء کا ذاتی عمل دخل ہوتا ہے کیونکہ یہ ان کے ایجاب و قبول کے تحت واقع ہوتی ہے۔جیسا کہ موہوبہ، خریدی ہوئی یا وصیت کی گئی چیز کا شرکاء کی رضامندی سے اسکا مالک بن جانا شرکتِ املاک کی اختیاری صورت ہے۔
- **شرکتِ غیر اختیاری:** ایسی شراکت جو شرکاء کے عمل کے بغیر ثابت ہو شرکتِ غیر اختیاری ہے جیسا کہ وراثت، یہ شرکاء کو غیر اختیاری طور پر شریک کرتی ہے۔

شرکتِ عقود

شرکاء کے مابین نفع کے حصول کیلئے باہمی طور پر کیا جانے والا عقد ہے۔اسکی چار اقسام ہیں۔

۱-شرکتِ مفاوضہ ۲-شرکتِ عنان ۳-شرکتِ صنائع ۴-شرکتِ وجوہ

---

۱ - سنن ابی داوٗد، کتاب البیوع، باب فی الشرکۃ علی غیر راس المال، حدیث نمبر:۳۳۹۰، ۳/ ۲۶۶

۲- الفقہ الاسلامی وادلتہ، الزحیلی، وہبۃ بن مصطفی، دار الفکر، دمشق، ۵/ ۳۸۷۷

۱. شرکتِ مفاوضہ

یہ شراکت برابری کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ شرکاء کی مساوی کیفیت واہلیت، اختیارات اور سرمایہ[1] پر یہ عقد طے پاتا ہے اور حاصل ہونے والے نفع میں بھی سب برابر حقدار ہوتے ہیں۔

۲. شرکتِ عنان

اس قسم کی شراکت میں کسی قسم کی برابری کی قید نہیں لگائی جاتی۔ اس اعتبار سے یہ قسم لچکدار ہوتی ہے۔ شرکاء کم یا زیادہ مال میں شریک ہو سکتے ہیں اور نفع بھی کم یا زیادہ لے سکتے ہیں۔[2]

۳. شرکتِ صنائع

یہ شرکاء کا کسی کام میں شریک ہونا ہے۔[3] ہنر مند افراد جیسا کہ درزی، رنگ ساز وغیرہ ملکر کام کرنے پر رضامند ہوتے ہیں اور باہمی محنت و مشقت کے بعد جو نفع حاصل ہوا سے مشترکہ طور پر آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔

۴. شرکتِ وجوہ

یہ ایسی شراکت ہے کہ اس میں شرکاء کے پاس نہیں ہوتا۔ ابتدا رقم نہ ہونے کی وجہ سے شرکاء ذاتی قابلیت پر تعلقات استعمال کرتے ہوئے ادھار رقم لے کر تجارت شروع کرتے ہیں اور جو نفع ہوا سے آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔[4]

خلاصہ:

شراکت کی یہ تمام صورتیں جائز مگر کاروباری معاملات میں شراکتِ عنان زیادہ مناسب اور موزوں ہے۔ بینکاری میں بھی شراکت کی یہی صورت اختیار کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں شرکاء اپنی مرضی سے حصہ ڈال کر بآسانی شرکت کر سکتے ہیں اور اپنے حصص کے مطابق نفع بھی وصول کر لیتے ہیں۔ اس سہولت کی بناء پر زیادہ سے زیادہ فریقین شامل ہو کر نفع کما سکتے ہیں۔

۱- **مختصر القدوری، القدوری، احمد بن محمد بن احمد، دار الکتب العلمیۃ، الطبعہ الاولیٰ ۱۴۱۸ھ، ص ۱۱۰** (إن يشتري الرجلان فيستويان في مالهما وتصرفهما ودينهما فتجوز بين الحرين المسلمين العاقلين البالغين) **نیز کتاب التعریفات، ۱/۱۲۶**

۲- **ایضا، ص ۱۱۱** (يصح التفاضل في المال ويصح أن يتساويا في المال ويتفاضلا في الربح) **نیز کتاب التعریفات، ۱/۱۲۶**

۳- **ایضا، ص ۱۱۱** (يشتركان على أن يتقبلا الأعمال ويكون اكسب بينهما) **نیز کتاب التعریفات، ۱/۱۲۶**

۴- **ایضا** (فالرجلان يشتركان ولا مال لهما على أن يشتريا بوجوههما ويبيعا) **نیز کتاب التعریفات، ۱/۱۲۶**

شراکت کے اصول وضوابط:

شراکت کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی شرائط ہوتی ہیں۔ باب میں اسلامی بینکاری کے طریقہ ہائے تمویل شراکت کی مناسبت سے شرکتِ عنان کے اصول وضوابط کو بیان کیا جائے گا۔ کیونکہ اعلیٰ سطح پر کاروبار اور بینکاری میں کی جانے والی شراکت اسی نوعیت کی ہوتی ہے۔

شراکت کے اصول آگے بیان کیے جارہے ہیں جو کہ درج ذیل امور سے متعلقہ ہیں۔

۱. عقد

۲. سرمایہ

۳. نفع ونقصان

۴. شرکاء کے حقوق وفرائض

عقد سے متعلقہ احکام

- نقد رقم ہونا

سرمایہ نقدی جیسے روپے، درہم، دینار، ریال، ڈالر وغیرہ کی صورت میں ہونا چاہیے۔ اور اسی پر شراکتی کاروبار شروع کیا جائے۔ سرمایہ مال تجارت، اشیاء یا زیورات ہوں گے تو پھر یہ شرکتِ عقود نہیں ہے بلکہ یہ شرکتِ املاک کے زمرے میں آئے گا اور اس پر اسی حساب سے اصول لاگو ہوں گے۔[1]

- سرمایہ موجود ہونا

عقد شراکت کے وقت سرمایہ یا نقدی موجود ہونا چاہیئے۔ عقد کے وقت اگر شرکاء کے پاس رقم موجود نہ ہو یا رقم کسی کے ذمے ادھار ہو جو کہ ابھی تک موصول نہ ہوئی ہو تو اس طرح یہ معاملہ درست نہ ہو گا۔[2] مثلاً اگر کوئی ۵ لاکھ سے شراکت کرنے کا خواہش مند ہے تو یہ رقم اس کی ملکیت یعنی اس کے پاس یا اکاؤنٹ میں ہو نہ کہ کسی کی طرف ادھار ہو کہ جسے وصول کرنے سے پہلے عقد کرلے۔

---

۱ - کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ۳/ ۱۹

۲ - ایضا

- **وکالت کی اہلیت ہونا**

کاروباری معاملات کو سنبھالنے کیلئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے کہ جو لین دین اور خرید و فروخت کر سکے۔ اس کے بغیر کاروبار کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اس کیلئے کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو کہ کاروباری ذمہ داریاں نبھا سکے۔

صاحبِ قدوری کہتے ہیں کہ:

"فتنعقد على الوكالة دون الكفالة"[1]

ترجمہ: پس یہ (شراکت) وکالت پر ہوتی ہے کفالت پر نہیں۔

وکالت کی ضرورت کے پیشِ نظر ہی یہاں پر وکالت کا ذکر کرنا عقد کے وقت ضروری ہوتا ہے۔ چاہے وکیل شرکاء میں سے ہو یا اسکے علاوہ کسی اور کو منتخب کیا جائے۔ اگر کفالت کو نہ بیان کیا گیا ہو کہ سرمایہ کون کون فراہم کرے گا تو معاملہ کرنا درست ہو گا۔

سرمایہ سے متعلقہ احکام

- **رأس المال کو علیحدہ رکھنا**

اگر شرکاء کے مال کو خلط ملط نہ کیا جائے بلکہ علیحدہ علیحدہ رکھا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ سارے مال کو ملانا اور اکٹھا رکھنا ضروری نہیں ہے۔

احناف اور امام مالکؒ کا یہی قول ہے جبکہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کا قول اس کے برعکس ہے کہ مال کو ملایا جائے اور ان کے ہاں یہ ضروری ہے۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ:

"لأن الربح فرع المال، ولا يقع الفرع على الشركة إلا بعد الشركة في الأصل وأنه بالخلط"[2]

ترجمہ: کیونکہ نفع مال کی فرع ہے۔ اصل مشترک ہوئے بغیر فرع مشترک نہ ہو گی۔ اور اصل مشترک ہونا مال کا مخلوط ہونا ہے۔

ان فقہاء کے ہاں شرکت بالعمل بھی اسی وجہ سے درست نہیں کہ یہ شراکت کی بنیاد مال کو بناتے ہیں اور ان کے ہاں مال مشترک اور متعین ہو گا تو اسی پر منافع کا تعین ہو سکے گا۔

---

۱ - مختصر القدوری، ص ۱۱۱

۲- الہدایۃ، ۳/ ۱۰

احناف کی دلیل ہے کہ:

"أن الشركة في الربح مستندة إلى العقد دون المال؛ لأن العقد يسمى شركة"[1]

ترجمہ: نفع میں شرکت کا ہونا عقد کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے۔ مال کی طرف اضافت کرنے کی وجہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ عقد یعنی معاملہ کرنے کو ہی شرکت کہتے ہیں۔

احناف کی رائے کے مطابق نفع کا تعین راس المال کے تصرف سے ہے۔ عقد کے بعد جو بھی تصرف و تجارت ہو گی اسی پر منافع کا حساب کیا جائے گا۔ کیونکہ تصرف کے بعد ہی نفع معلوم کیا جاتا ہے لہذا مال کے تعین کی ضرورت نہیں رہتی۔ مثلاً اگر عزیر اور عمر نے ۵۰،۵۰ فیصد پر شراکت کی کہ جو بھی منافع ہو اوہ نصف نصف ہو گا اور جنوری میں کاروباری سرگرمیوں میں ان کے کل سرمائے میں سے ۳ لاکھ روپے خرچ ہوا اور اس پر منافع ۳۰ ہزار کمایا گیا تو یہ باآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے کہ ۳۰ ہزار روپے منافع ۳ لاکھ روپے لگانے سے ملا۔ اب اگر یہ ۳ لاکھ روپے الگ الگ اکاؤنٹس میں ہوں یا ایک ہی اکاؤنٹ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دونوں آدھا آدھا یعنی ۱۵ ہزار روپے منافع لے لیں گے۔

- کرنسی مختلف ہونا

اگر شرکاء کے پاس مختلف کرنسیاں ہوں مگر وہ مروجہ کرنسیاں ہوں کہ ان سے آپس میں لین دین کیا جاتا ہو یعنی سلیمان کے پاس ۵ ہزار ڈالر اور زین کے پاس ۱۰ لاکھ روپے ہوں تو ان سے شراکت کی جا سکتی ہے۔ صاحب قدوری لکھتے ہیں کہ:

"يجوز أن يشتركا ومن جهة أحدهما دراهم ومن جهة الآخر دنانير"[2]

ترجمہ: جائز ہے کہ ایک طرف سے درہم اور دوسری طرف سے دینار ہوں تو شرکت کی جائے۔

امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کے ہاں ایسا کرنا جائز نہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا کہ ان کے ہاں مال کا ملانا شرط ہے جس کیلئے ایک اور متحد جنس ہونا ضروری ہے یعنی شراکت میں ڈالر استعمال کئے جا رہے ہوں تو سب کے پاس ڈالر ہوں اور اگر روپے سے کاروبار کیا جا رہا ہے تو سب سے روپے ہی لئے جائیں۔

---

۱ - الہدایہ، ۱۱/۳

۲ - مختصر القدوری، ص ۱۱۱

- سرمایہ میں کمی وبیشی ہونا

شرکاء کے مال میں کمی وبیشی ہو تو جائز ہے۔ مثال کے طور پر شرکاء مختلف شرح جیسا کہ معاذ ۱۰ لاکھ روپے سے ۵۰ فیصد، اسد ۶ لاکھ روپے سے ۳۰ فیصد اور عمیر ۴ لاکھ سے ۲۰ فیصد کے حساب سے مال میں شرکت کرتے ہیں تو شراکت درست ہو گی۔ شرکاء اپنی مرضی اور استطاعت کے مطابق حصہ ڈال سکتے ہیں۔ کیونکہ:

"ویصح التفاضل في المال" للحاجة إليه وليس من قضية اللفظ المساواة"[1]

ترجمہ: مال میں کمی وبیشی کا ہونا صحیح ہے۔ کیونکہ اسکی ضرورت اور مجبوری ہے۔ لفظ (عنان) اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ دونوں میں برابری ہو۔

شرکاء کیلئے شراکت میں مال کی برابری شرط نہیں ہوتی تاہم کوئی بھی شخص اپنی حیثیت اور مرضی کے مطابق کم یا زیادہ مال سے عقد میں شامل ہو سکتا ہے۔

- مال کی ہلاکت سے شرکت باطل ہونا

شراکت پر کاروبار شروع ہونے سے پہلے ہی اگر کل یا بعض مال ہلاک ہو گیا کہ جس پر شراکت کا معاملہ طے پایا تھا تو شراکت باطل ہو جائے گی۔ ہدایہ میں اسے بیع پر قیاس کیا گیا ہے۔[2] جیسا کہ اگر بائع و مشتری کے درمیان بیع (خرید و فروخت) کا معاملہ طے پائے اور اسی دوران بائع سے مبیع (بیچی جانے والی چیز) ہلاک ہو جائے مثلاً لیپ ٹاپ خریدنے کا معاملہ طے ہو رہا تھا کہ دکاندار سے ٹوٹ گیا تو بیع قائم نہ ہو گی۔ کیونکہ اصل چیز ہی باقی نہ رہی۔ بالکل اسی طرح اگر شراکت میں عقد شروع نہ کیا گیا اس طرح کی صورت پیش آگئی کہ مال گم ہو گیا یا ضائع ہو گیا تو شراکت ختم ہو جائے گی۔ مگر اگر مال مخلوط (اکٹھا) تھا تو نقصان سب شرکاء کی جانب سے برداشت کیا جائے گا کیونکہ اس میں یہ امتیاز نہیں ہو سکتا کہ مال کس کا تھا۔

۱- الہدایۃ،۳/۹

۲ - ایضا،۳/۱۰

نفع ونقصان سے متعلقہ احکام

- **نفع معلوم ہونا**

معاملہ طے کرتے وقت نفع معلوم ہونا چاہیئے۔اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں ہونا چاہیئے کہ ہر شریک نفع میں کتنا حقدار ہے۔ بیان وجہ یہ ہے کہ:

"لِأَنَّ الرِّبْحَ هو الْمَعْقُودُ عليه وَجَهَالَتُهُ تُوجِبُ فَسَادَ الْعَقْدِ كما في الْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ"[1]

ترجمہ: کیونکہ نفع ہی ہے کہ جس پر عقد کیا جاتا ہے۔ اور اس میں جہالت فسدِ عقد کو واجب کرتی ہے۔ جیسا کہ بیع اور اجارہ میں ہوتا ہے۔

واضح ہوا کہ بیع (خرید و فروخت) اور اجارہ میں ثمن یعنی بیچنے کیلئے قیمت اور کرایہ کیلئے رقم طے ہوتی ہے تو معاملہ درست ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں بھی مقصود منافع ہوتا ہے۔ اور اس میں دوسرے فریق کی رضامندی بھی لی جاتی ہے۔ اسی طرح شراکت میں بھی نفع کا تناسب معلوم ہونا چاہیئے کہ کتنا حصہ ہے جیسے ۱۰ فیصد، ۲۰ فیصد یا ۵۰ فیصد دوسرا شریک رضامند ہو جائے تو عقد صحیح ہو گا۔

- **نفع کی رقم متعین نہ ہونا**

عقدِ شراکت میں جو نفع آپس میں طے کیا جائے وہ کوئی مخصوص رقم کی صورت میں نہیں ہونا چاہیئے۔ مثلا کوئی یہ کہے کہ ایک لاکھ پر ہر ماہ دس ہزار دیا جائے گا تو جائز نہیں کیونکہ شراکت سے حاصل ہونے والے حصے میں تمام شرکاء شریک ہوتے ہیں۔ نفع کے بارے میں کوئی کامل یقین نہیں ہوتا کہ ہر ماہ اتنی رقم سے اس قدر منافع ہو گا بھی کہ نہیں۔ کیونکہ کاروبار میں اتار چڑھاو آتے رہتے ہیں۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ:

"لا تجوز الشركة إذا شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح" لأنه شرط يوجب انقطاع الشركة"[2]

ترجمہ: شرکت جائز نہیں ہو گی اگر ان میں سے ایک نے یہ شرط لگائی کہ نفع میں سے متعین درہم اسکے ہوں گے۔ کیونکہ شرط شرکت کو ختم کرنے کا باعث ہے۔

---

۱ - بدائع الصنائع، الکاسانی، علاء الدین، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۲، ۶ / ۵۹

۲ - الهدایة، ۳/۱۱

اسکی وجہ یہ ہے کہ کہ اگر پانچ لوگوں کی شراکت سے ہر ایک کیلئے ۱۰ ہزار روپے ماہانہ منافع طے کر لیا جائے اور ہو سکتا ہے کہ پورے مہینے منافع ہی ۳۰ ہزار روپے ہو تو منافع چند شرکاء یعنی ۳ افراد کو ہی مل سکے گا اور باقی ۲ افراد محروم ہو جائیں گے۔ جبکہ شراکت مال اور نفع میں سب کا شریک ہونا ہے۔ کسی ایک کے بھی نفع سے محرومی کی صورت میں احناف کے نزدیک عقد ہی درست نہیں۔

- رأس المال کے بقدر زیادہ نفع حاصل کرنا

شرکاء کے مابین نفع میں زیادتی کی شرط ہونا درست ہو گا۔ اگر ایک شخص دوسروں کی نسبت کم مال کی شراکت کر کے زیادہ نفع لینے کا مطالبہ کرے تو کر سکتا ہے۔ مگر اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ اگر کسی فریق نے اپنے حصے کے بقدر زیادہ نفع لینے کی شرط لگا دی تو احناف کے ہاں کوئی حرج نہیں۔ البتہ امام زفرؒ اور امام شافعیؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے، اس کی دلیل ہے کہ:

"لأن الشركة عندهما في الربح للشركة في الأصل"[1]

ترجمہ: ان (دونوں) کے ہاں اصل مال میں شرکت کی وجہ سے نفع میں شرکت ہوتی ہے۔

ان حضرات کے نزدیک نفع کا حصول اور نقصان پر ضمان رأس المال میں حصص کی بنیاد پر ہوتا ہے مطلب جتنے مال سے عقد میں شریک اسی حساب سے نفع ملے گا اور نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ احناف اسے مضاربت پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"لأن الربح كما يستحق بالمال يستحق بالعمل"[2]

ترجمہ: آدمی مال کی طرح کام سے بھی نفع کا حقدار ہو جاتا ہے۔

احناف کی دلیل کے مطابق دیکھا جائے تو شراکت میں مال اور کام دونوں اعتبار سے شرکت ہوتی ہے۔ لہذا اگر کوئی زیادہ قابل ہو، کام کی نوعیت کی زیادہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور زیادہ ذمہ داری قبول کرتا ہو تو نفع میں بھی زیادہ کا حقدار ہو سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ شرکت عنان شرکت معاوضہ کی طرح مساوات کا تقاضا نہیں کرتی کہ جس میں مال اور منافع برابر ہو۔ شرکتِ عنان میں رأس المال کی طرح منافع میں بھی کمی وبیشی درست ہو گی۔

۱- البحر الرائق، زین الدین، دار المعرفۃ، بیروت، بدون السنۃ، ۵/۱۸۸

۲- ایضا

- حصہ کے بقدر رجوع کرنا

اگر کسی نے شراکت کے مال سے کوئی چیز یعنی گھریلو سامان، مشینری وغیرہ خریدی کہ اس کو آگے فروخت کرکے کاروباری منافع کمائے گا تو اس چیز کی قیمت ہر فریق سے اس کے حصہ کے بقدر وصول کی جائے گی۔ کیونکہ خریدنے والا دوسرے کی جانب سے وکیل ہوتا ہے اور وہ دوسروں کی طرف سے بھی خرید رہا ہوتا ہے لہذا سب شرکاء کو قیمت کی ادائیگی لازم ہوگی۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر چیز خریدنے سے پہلے کسی کا مال ہلاک ہوگیا اور کسی دوسرے نے اپنے مال سے چیز خریدی تو وکیل اس سے قیمت لے گا کیونکہ چیز وکالت کی وجہ سے مشترک ہے۔[1]

- مشترٰی کا باہم مشترک ہونا

عقد شراکت میں خریدی ہوئی چیز سب میں مشترک ہوتی ہے۔ اگر چیز خریدی گئی اور دوسرے فریق کے پاس مال ہلاک ہوگیا تو بھی وہ سب میں مشترک ہے کیونکہ مشترٰی یعنی خریدی گئی چیز پر ملکیت ثابت ہوتے وقت وہ مشترکہ تھی تو مال کی ہلاکت حکم تبدیل نہیں کرے گی۔[2]

شرکاء کے حقوق و فرائض سے متعلقہ احکام

- خریدار کا ثمن عقد کا ضامن ہونا

شراکت کیلئے کی جانے والی خریداری کا ذمہ خریدار پر ہی ہو گا۔ اس کی قیمت کا مطالبہ کسی دوسرے خریدار سے نہ کیا جائے گا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ شرکتِ عنان وکالت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ مثلا اظہر اور عمیر نے شراکت کی اور اظہر کو کاروبار کیلئے وکیل بنایا تو وہ تجارت کیلئے جو سامان بھی خریدے گا تو بیچنے والا ثمن کا مطالبہ وکیل سے ہی کرے گا، سامان کی رقم عمیر سے نہیں طلب کی جائے گی اگرچہ کہ سامان اس کی طرف سے بھی خریدا جا رہا ہے اور وہ اس میں شریک ہے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ:

"الوكيل هو الأصل في الحقوق"[3]

---

۱ - الفقہ الاسلامی وادلتہ، الزحیلی، وہبۃ بن مصطفٰی، مترجم محمد یوسف تنولی، دارالاشاعت، کراچی، ستمبر ۲۰۱۲ء، ۳۵۸/۵

۲ - الہدایۃ، ۳/ ۱۰

۳ - ایضا، ۳/ ۱۰

ترجمہ: حقوق میں اصل (ذمہ دار) وکیل ہی ہے۔

یعنی جو خرید و فروخت کا وکیل ہو گا تو قیمت کی ادائیگی کا بھی وہی ذمہ دار ہو گا۔

- **حصہ ثمن کے مطابق رجوع کرنا**

ایک شریک جو خرید تا ہے تو وہ اپنے شرکاء سے رجوع کر کے قیمت وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کیونکہ خریدنے والے نے چیز (بحیثیت وکیل) مشترکہ معاہدے کے تحت (سب کی طرف سے) خریدی تھی۔ اگر خریدنے کے بعد وہ ہلاک ہو گئی اور دوسروں کو علم نہ ہونے کے باعث انکار ہو تو اس پر لازم ہو گا کہ گواہ لے کر آئے۔[1] تاہم چیز کی قیمت تمام شرکاء پر ادا کرنا لازم ہے۔

- **تصرفات کی اجازت ہونا**

شرکاء کو تجارتی معاملات کی طرح شراکت میں بھی شرکاء کو خرید و فروخت کرنے، مال سے مضاربت کرنے، مال کو امانت کے طور پر دینے، مال گروی رکھنے اور رکھوانے، بیع و شراء کا وکیل بنانے کا اختیار ہوتا ہے۔ عقد میں نفع مقصود ہونے کے باعث ایسی کاروباری صورتیں کہ جن میں غبنِ فاحش یعنی سراسر دھوکہ اور مال کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہوں گی۔

البتہ بعض صورتوں میں آئمہ کا اختلاف بھی ہے۔ جیسا کہ مالِ شراکت کے ساتھ سفر کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض آئمہ نے اسے ناجائز قرار دیا کہ سفر میں مال تلف نہ ہو جائے۔ البتہ کچھ آئمہ نے اسے جائز قرار دیا۔ اور احناف کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی دلیل کہ:

"لأن الإذن بالتصرف يثبت بمقتضى الشركة"[2]

ترجمہ: کیونکہ مقتضائے عقد سے تصرف کی اجازت ثابت ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر شرکاء میں سے کسی نے تصرف میں کسی قسم کی قید لگا دی اور منع کرنے کے باوجود تصرف کیا گیا اور مال ہلاک ہو گیا تو اس کا ضمان اسی پر ہو گا۔ جیسا کہ سفر اور ادھار فروخت وغیرہ سے منع کرنا۔[3]

---

۱ - الہدایۃ، ۳/ ۱۰

۲ - الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۹۰۶

۳ - فتاویٰ عالمگیری، نخبۃ العلماء والفقہاء، مترجم سید امیر علی، مولانا، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۴/ ۳۸

الغرض راجح قول یہی ہے کہ اگر عقد مطلقا کیا جائے تو پھر تصرفات کی تمام صورتیں جائز ہوں گی اور سفر بھی اسی میں شامل ہے، جس سے نقصان کرنا نہ ہو بلکہ فائدہ حاصل کرنا ہو۔ البتہ اگر معاہدہ طے کرتے وقت کسی خاص قسم کی شرط کسی شریک کی جانب سے لگادی گئ تو پھر اس کی خلاف ورزی جائز نہیں ہو گی۔ کیونکہ شراکت میں فریقین کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔

اسی طرح اسکے علاوہ کسی کو قرض دینے یا ہبہ کرنے کی اجازت نہیں ہو گی کیونکہ کسی کو کسی دوسرے کے مال سے تبرع اور احسان کی اجازت نہیں ہوتی۔

- **امین کی حیثیت ہونا**

شرکاء باہم امین کی حیثیت سے ہوں گے۔ صاحبِ قدوری فرماتے ہیں کہ:

"يده في المال يد أمانة"[1]

ترجمہ: اس (شریک) کا ہاتھ مال میں بطور امانت ہو گا۔

لہذا شرکاء کے اپنے حصے کے ساتھ دوسرے کے مال پر قبضہ بطور امانت ہو گا۔ مثلاً زید، عمر اور بکر مل کر کاروبار کریں گے تو مال کی حفاظت اور تحفظ کرنا ان سب کے ذمے ہو گا۔

شراکت کا اختتام:

شرکت جیسے شرکاء کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتی ہے ایسے ہی شرکاء کے معاہدہ توڑنے سے ختم بھی ہو جاتی ہے۔ جب بھی شرکاء معاہدہ ختم کریں گے شرکت باقی نہ رہے گی۔ البتہ اس کے باطل ہونے کی احناف نے درج ذیل صورتیں ذکر کی ہیں۔

"وإذا مات أحد الشريكين أو ارتد ولحق بدار الحرب بطلت الشركة"[2]

ترجمہ: اور جب دونوں شریکوں میں سے کوئی ایک مر جائے یا مرتد ہو کہ دارالحرب (کفار کی سرزمین میں) پہنچ جائے تو شرکت باطل ہو جائے گی۔

اس میں شرکت کے باطل ہونے کی دو وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

۱. شرکاء میں سے کسی ایک کی موت ہونا۔

۱- مختصر القدوری، ص۱۱۱

۲- الہدایۃ، ۳/ ۱۳

۲.   شرکاء میں سے کسی ایک کا مرتد ہو جانا یعنی دینِ اسلام چھوڑ کر عیسائیت، یہودیت یا کوئی بھی غیر مذہب اختیار کر لینا۔

شراکت ان وجوہات کی بناء پر اسلیئے باطل ہو جاتی ہے کہ اس میں وکالت پائی جاتی ہے۔ اور وکالت کسی ایک کے مرنے سے ختم ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ان میں سے کسی کا مرتد ہو کر دارالحرب چلے جانا موت کے برابر ہے۔

فصل دوم

مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

شراکت کا اثبات قرآن وسنت سے پچھلی فصل میں تفصیلا بیان ہو چکا ہے۔ اس فصل میں بینکوں میں ہونے والی مروجہ شراکت کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔

مروجہ شراکت کا جواز:

اسلامی بینکوں میں رائج شراکت کاروباری دنیا میں کوئی نیا تصور نہیں ہے۔ مروجہ شراکت کسی کاروبار میں حصہ داری سے منافع کا حصول ہے جو کہ ایک جائز اور مشروع طریقہ کار ہے۔ تاہم عصرِ حاضر کے اعتبار سے بھی شراکتی طریقوں پر کاروبار کوئی نیا تصور نہیں ہے۔ بینکاری نظام میں شراکت سے پہلے بہت سی کمپنیاں اس نظام کے تحت کام کرتی تھیں۔ موجودہ شراکت کی تعریف قانونِ شراکت ایکٹ ۱۹۳۲ء میں یوں ملتی ہے کہ:

> "Partnership is the relation between the persons who have agreed to share the profit of a business carried on by all or any of them acting for all."[1]

> ترجمہ: شراکت کسی ایسے کاروبار کے نفع میں شریک ہونے پر متفق ان افراد کے مابین تعلق ہے جو ان سب یا ان میں سے کسی ایک کے ذریعے چلایا جائے، جو ان سب کیلئے کام کرے۔

مندرجہ بالا تعریف میں شراکت کیلئے چار عناصر پائے جاتے ہیں۔ ایک معاہدہ، دوسرا کاروبار، تیسرا نفع اور چوتھا وکالت۔ اس تعریف کے مطابق اگر شراکت شرعی ضابطوں کے مطابق ہو تو مروجہ شراکت فقہ اسلامی میں قابلِ قبول ہے۔ اس سے باہمی تعاون کو فروغ ملتا ہے۔ ایسے حضرات جن کے پاس سرمایہ ہے مگر کاروبار کیلئے ہنر، وسائل یا وقت نہیں تو وہ بآسانی اپنا سرمایہ کاروبار میں لگا سکتے ہیں، اور وہ لوگ جن کا سرمایہ وافر نہیں مگر وہ نفع بخش کاروبار سے منافع کمانا چاہتے ہیں تو کاروباری شراکت ان کیلئے بھی منافع کمانے کا آسان راستہ ہے۔

1- "The Partnership Act 1932" Chapter II, retrived from https://www.sja.gos.pk/assets/BareActs/PARTNERSHIP%20ACT.1932.pdf , visited on: 22, July, 2020 at 01:40am.

نیز دیکھیے: شرکت و مضاربت کے چند ملکی قوانین اور سودی معیشت کا فروغ، شام، شہزاد اقبال، فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، جلد ۴۸/ شمارہ ۱، ص ۵۳

مروجہ شراکت کی اقسام

بینکوں میں رائج شراکت دو طرح کی ہے۔

- مشارکہ
- شرکتِ متناقصہ

ان دونوں اقسام کا طریقہ کار اور وضاحت درج ذیل ہے۔

مشارکہ (Musharakah)

بینک کا مشارکہ مشترکہ کاروبار میں باہمی تعاون سے منافع میں شرکت ہی ہے۔ سودی بینکوں اور کمپنیوں میں رائج شراکت اسلامی تقاضوں کے عین منافی ہے جو کہ جائز نہیں۔ اس میں کاروبار کی بنیاد میں حلال و حرام میں تفریق نہیں ہوتی اور یہ سودی نظام کے تحت پروان چڑھتا ہے۔ اسلامی بینکوں میں شراکت کے شرعی تقاضے تجویز کئے گئے ہیں ان کے مطابق کاروبار اور اس میں شرکت جائز ہو گی۔

مشارکہ کی مروجہ صورتیں:

مشارکہ کیلئے بینک سرمایہ کن کن طریقوں سے لگا سکتا ہے تو اس کیلئے فقہاء نے شراکتی کاروبار کے طریقے بیان کئے ہیں۔ ان میں طبی شراکت، تعلیمی شراکت، مشترکہ کاشت اور شراکتِ نقل و حمل شامل ہیں۔ بینک ان میں شراکت حسبِ ذیل طریقے سے کر سکتا ہے۔

- **طبی شراکت**

علاج معالجہ کیلئے ہسپتال بنانے، ادویات، ضروری آلات، مشینری اور دیگر سازو سامان کی فروخت کیلئے باہمی شراکت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح میڈیکل سٹور بھی کھولے جاسکتے ہیں۔ بینک ان مقاصد کیلئے سرمایہ دے کر شراکت میں حصہ دار بن سکتا ہے۔[1]

- **تعلیمی شراکت**

سکول، کالجز، یونیورسٹیوں اور پیشہ ورانہ تعلیم کے اداروں قیام پر بہت لاگت آتی ہے۔ یہ ادارے افراد باہم مل کر کھولتے یا چلاتے ہیں اور اخراجات کی کٹوتی کے بعد آمدن کو آپس میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ بینک اسی طرح اداروں کے ساتھ شراکت قائم کر سکتا ہے۔[2]

۱-المدونۃ، الاصبحی، مالک بن انس بن مالک، دار الکتب العلمیۃ، الطبعہ الاولی ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۴ء، ۳/ ۵۹۹

۲-ایضاً، ۳/ ۵۹۹

- **مشترکہ کاشت**

زراعت کیلئے آلات، سازوسامان، بیج اور کھادوں، ٹریکٹر اور دیگر کاشتکاری کی مشینوں وغیرہ کی خریداری پر مشترکہ سرمایہ لگایا جاسکتا ہے اور اس طرح مشترکہ طور پر زرعی پیداوار سے منافع کمایا جاسکتا ہے۔ بینک کیلئے بھی اس طرح شراکت کرنا درست ہے۔[1]

- **شراکتِ نقل وحمل**

نقل وحمل کی شراکت کیلئے بینک ٹرانسپورٹ (ذرائع آمدورفت) کیلئے سرمایہ فراہم کرکے حصہ دار بن سکتا ہے یا بحری، بری اور ہوائی ذرائع نقل وحمل کی خریداری یا کمپنیاں قائم کرکے شراکت کرسکتا ہے۔[2]

مندرجہ بالا صورتیں فقہاء کی آراء کے مطابق ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سارے کاروبار شراکتی بنیادوں پر کئے جاسکتے ہیں۔ جدید دور نے بہت سارے کاروبار متعارف کرائے ہیں جو اعلیٰ سطح پر کئے جاتے ہیں اور ان کیلئے وافر سرمایہ کاری بھی درکار ہوتی ہے، جیسا کہ فیکٹریوں، ملوں، صنعتوں، ڈیری فارم، پولٹری فارم، ریسٹورنٹس، ہوٹلز، رہائش گاہوں، شاپنگ مالز وغیرہ کی تعمیر وترقی کیلئے سرمایہ لگانا۔ بینک ان کاروبار میں بھی شراکت کرسکتا ہے۔

مروجہ مشارکہ میں شئیرز (Shares)

عصرِ حاضر میں مشارکہ کمپنیوں میں شئیرز کی خرید وفروخت کا طریقہ بہت عام ہے۔ کمپنیاں شئیرز کو بیچ کر کمپنی میں شراکت کے مواقع فراہم کرتی ہیں اور اس طرح بینک بھی ان کمپنیوں کے شئیرز خرید کر شراکت کرتا ہے۔ اس طرح بینک اپنے شئیرز میں صارفین کو بھی شامل کرسکتا ہے۔ بینک صارف کے جس سرمائے سے شئیرز خریدے گا تو منافع میں انھیں بھی حصہ دے گا۔ اب یہ شئیرز کیا ہیں؟ تو اس کی تعریف آگے بیان کی جاتی ہے۔

۱- المدونۃ، الاصبحی، ۳/ ۶۰۳

۲-ایضا، ۳/ ۶۰۰

شئیرز کی تعریف

شئیرز کی تعریف یہ ہے کہ:

"تمسکات[1] میں سرمایہ کاری کیلئے شئیرز خریداری کا ایک معروف طریقہ ہے، جس میں کمپنی کے بڑے سرمائے کو چھوٹے چھوٹے حصص میں تقسیم کر کے عوام الناس کو خریداری کی دعوت دی جاتی ہے۔"[2]

کمپنیاں بنانے اور چلانے کیلئے کثیر رقم درکار ہوتی ہے جو کہ کوئی بھی شخص تنِ تنہا قائم نہیں کر سکتا۔ اس سرمائے کے حصول کیلئے کمپنیاں لوگوں کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ رقم لگائیں اور منافع کمائیں۔ اس کیلئے ایک طریقہ شراکت کی دستاویزات یعنی شئیرز کا ہوتا ہے۔ مالیاتی اصطلاح میں شئیرز کو سیکیورٹی کہا جاتا ہے یعنی کہ یہ زری اثاثہ جات ہیں۔[3] یہ شراکت اور ملکیت کی سیکیورٹی کا کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کپڑے کی مِل کیلئے دو کروڑ کی ضرورت ہو تو اس کیلئے ایک ایک لاکھ کے حصص بنالئے جائیں گے اور پھر ان کو بیچا جائے گا۔ اگر بینک دس حصص خریدے گا تو وہ مِل میں دس لاکھ کے اثاثے کا مالک ہو گا۔ اس طرح بینک کو سیکیورٹی کیلئے دستاویزات شئیرز کی صورت میں دی جائے گی۔ بینک کو دس شئیرز ملیں گے اور ہر ایک پر ایک لاکھ قیمت اسمیہ لکھی ہو گی۔ بینک جب چاہیں یہ شئیرز آگے فروخت کر دے، اس طرح جتنے حصص فروخت کرے گا اتنے اثاثہ جات میں حصہ داری کم ہو گی مثلاً اگر دو شئیرز فروخت کیئے تو بینک کے اثاثے آٹھ لاکھ کے رہ جائیں گے۔ اسی طرح جب چاہے مزید خرید کر زیادہ اثاثے کا مالک بن جائے۔ کوئی شخص اثاثہ جات میں جتنی شراکت یا ملکیت حاصل کرتا ہے تو کمپنی کی آمدن میں اسی حساب سے منافع کا مستحق بھی ہوتا ہے۔ یہ منافع اثاثہ جات پر لگائے گئے سرمائے کے بقدر ہی ملتا ہے۔

شئیرز کی اقسام

بنیادی طور پر شئیرز کی حسبِ ذیل تین اقسام ہیں۔

- فیس ویلیو شئیرز (Face Value Shares)
- پریمیم شئیرز (Premium Shares)

۱۔ کمپنی میں سرمایہ کاری کی جاتی ہے تو اس کی سیکیورٹی لی جاتی ہے۔ یہ سیکیورٹی کی دستاویزات تمسکات کہلاتی ہیں۔ یہ شئیرز، بانڈز کی صورت میں ہوتی ہیں۔
See: A Layman's Guide to Financial Terms, Jason Z. Wei, University of Totonto, Scarborough, April 2014, p.85.

2- Introduction to Business, Qzai Shehzad and Muhammad Saeed, Azeem Academy, Lahore, p.147.

3- A Layman's Guide to Financial Terms, p.85.

- ڈسکاؤنٹ شئیرز(Discount Shares)[1]

فیس ویلیو شئیرز (Face Value Shares)

وقتِ اسمیہ پر خرید وفروخت کئے جانے والے شئیرز یعنی ۱۰،۰۰۰ روپے کے شئیرز کی اسی قیمت پر خرید وفروخت ہو تو یہ "فیس ویلیو شئیرز" کہلاتے ہیں۔

پریمیم شئیرز (Premium Shares)

قوتِ اسمیہ سے زائد قیمت پر خرید وفروخت کئے جانے والے شئیرز یعنی ۱۰،۰۰۰ روپے کے شئیرز ہوں اور ان کی خرید وفروخت ۱۱،۰۰۰ روپے میں ہو تو یہ "پریمیم شئیرز" کہلاتے ہیں۔

ڈسکاؤنٹ شئیرز (Discount Shares)

قوتِ اسمیہ سے کم قیمت پر خرید وفروخت کئے جانے والے شئیرز یعنی ۱۰،۰۰۰ روپے کے شئیرز ۹،۵۰۰ روپے میں خرید وفروخت کئے جائیں تو یہ "ڈسکاؤنٹ شئیرز" کہلاتے ہیں۔

ان شئیرز کے منافع کے تعین کے اعتبار سے شئیرز کی دو اقسام ہیں۔

- ترجیحی شئیرز (Preference Shares)
- مساواتی شئیرز (Equity Shares)

ترجیحی شئیرز (Preference Shares)

یہ شئیرز ہولڈر خصوصی ترجیحات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان شئیرز کی خصوصیات درج ذیل ہوتی ہیں۔

- ان شئیرز میں منافع متعین ہوتا ہے یعنی نفع ونقصان کو دیکھتے ہوئے کم یا زیادہ نہیں ہوتا بلکہ طے شدہ منافع ہی دیا جاتا ہے۔
- عام شئیرز کی نسبت ان شئیرز کو چھوڑنے میں پریمیم یعنی شئیرز سے زائد رقم ملتی ہے۔
- عام شئیرز کو منافع دینے کے بعد ان کا زائد منافع میں حصہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔
- شراکت کے اختتام پر بقایاجات دیئے جاتے ہیں۔[2]

مساواتی شئیرز (Equity Shares)

ان شئیرز کے حامل افراد نفع ونقصان میں شراکت کرتے ہیں۔ ان شئیرز کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

1- Introduction to Business, p.147.

2- Company Accounts, Cost and Management Accounting, The Institute of Company Secretaries of India, New Dehli, 2012, p.54.

- ان میں نقصان برداشت کرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔
- ان میں منافع اور بقایاجات ترجیحی شئیرز کے حامل افراد کے دعووں کو پورا کرنے کے بعد دیا جاتا ہے۔
- شئیرز کے حامل افراد میں منافع برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوتا ہے۔
- ترجیحی شئیرز کے حامل افراد کی ادائیگیوں کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو ان شئیرز کے حامل افراد کو بقایاجات ملتے ہیں۔[1]

شئیرز کی خریداری کے بارے میں علماء کی آراء

بینک اپنی بچتوں کو سرمایہ کاری کیلئے استعمال کرتے ہیں، تاہم اسلامی اور سودی بینکوں میں شئیرز کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ کیونکہ شئیرز سرمایہ کاری کیلئے بہترین ذریعہ ہوتے ہیں، ان سے اچھا خاصا منافع مل سکتا ہے اور آئندہ دنوں میں شئیرز کی قیمت بڑھنے پر انھیں فائدے میں فروخت بھی کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی بینکوں کیلئے ان شئیرز کی خریداری میں کچھ شرعی پابندیاں ہیں۔ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی، مجاہد الاسلام قاسمی اور محمد نظام الدین رضوی کی آراء درج ذیل ہیں:

- شئیرز کو کم یا زیادہ قیمت پر خرید و فروخت کی شرط یہ ہے کہ کمپنی کے تمام اثاثے نقد یا دین یعنی کسی پر قرض نہ ہوں۔ بلکہ جامد اثاثے جیسا کہ مشینری، سازوسامان، فرنیچر اور عمارت وغیرہ بھی ہوں کیونکہ اس صورت میں جو بیع ہو گی اس کا مطلب ہو گا کہ کمپنی کے متناسب حصے کو بیچا جارہا ہے۔ جامد اثاثے نہ ہوں تو شئیرز اپنی اصل قیمت پر ہی بیچا جائے گا۔
- کمپنی حلال کاروبار جیسا کہ کپڑے، فرنیچر، فارم، خوردنی اشیاء، پراپرٹی، مشینری یا آلات کی تیاری وغیرہ کرتی ہو، اور حرام کاروبار جیسا کہ شراب، خنزیر کا گوشت، موسیقی آلات کی تیاری وغیرہ کرے یا اصل کاروبار ہی سودی، حیلہ، فریب اور غرر پر ہو تو پھر شئیرز خریدنا جائز نہیں۔
- کمپنی کا بنیادی کاروبار حلال ہو مگر اس میں کسی طرح حرام شامل ہو جائے جیسا کہ سود (سودی قرضے لے رکھے ہوں یا اپنی زائد رقم سودی بینکوں کے پاس رکھوائی ہو) تو اس کمپنی کے شئیرز اس صورت میں لینا جائز ہو گا کہ خود اس سود کیلئے رضامندی ظاہر نہ کرے، بلکہ کمپنی کی سالانہ نشت میں اس کے خلاف آواز اٹھائے اور اپنے ووٹ کے ذریعے ایسی سرگرمیوں کا بائیکاٹ کرے۔ اس طرح کے عملی اقدامات سے کثرتِ رائے سود کے خلاف ہو گی تو اس کا سدِباب ممکن ہو گا۔ اور اگر اقلیت کی وجہ سے کمپنی کا اس آراء پر

1- Company Accounts, Cost and Management Accounting, p.55.

عمل نہ ہوا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ تاہم اپنے منافع میں سے سودی تناسب سے رقم نکال کر ثواب کی نیت کئے بغیر صدقہ کر دے اپنے ذاتی استعمال میں نہ لائے۔[1]

- کمپنی کے شئیرز ترجیحی نہ ہوں کہ ان میں منافع کا تعین سرمائے کو دیکھتے ہوئے مقررہ تناسب میں طے کیا گیا ہو مثلاً یہ کہا جائے کہ جس کے شئیرز کا سرمایہ دس لاکھ ہو گا تو اسے ہر ماہ پانچ فیصد منافع ملے گا جو کہ پچاس روپے بنتا ہے۔ چاہے منافع کتنا بھی ہو اب کیونکہ ایسا منافع لینا جائز نہیں ہوتا جو طے شدہ ہو اور نقصان کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو۔ ایسی شراکت سودی کاروبار سے مشابہت رکھتی ہے[2] اور یہ شراکت نہیں بلکہ قرض ہے کہ نفع ہو، نہ ہو یا سرمایہ ہی ختم ہو جائے مگر نفع دینا ضروری ہو گا۔ کمپنی کے شئیرز مساواتی ہوں یعنی نفع اور نقصان میں شراکت ہو اور اس میں نفع کا تناسب آمدن میں ہونے والے منافع میں طے کیا جائے یعنی کل نفع کا پانچ فیصد طے ہو تو درست ہے۔ کیونکہ اس صورت میں نفع پچاس ہزار بھی بن سکتا ہے اور پچیس ہزار بھی جو کہ جائز ہے۔[3]

مندرجہ بالا شرائط کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلامی بینک کسی کمپنی کے شئیرز لے سکتا ہے۔ وگرنہ اسلامی بینک شرعی بنیادوں کے مطابق خدمات سر انجام دینے میں ناکام رہے گا۔ کیونکہ بینک کے سرمائے میں صارفین کی بچتیں بھی شامل رہتی ہیں جو اسلامی طریقہ تمویل کے مطابق سرمائے اور بچتیں منافع کے حصول کی خاطر لگانے کیلئے اسلامی بینکوں پر اعتماد کرتے ہیں۔

شرکتِ متناقصہ (Diminishing Musharakah)

شرکت متناقصہ (Diminishing Musharaka) شرکت کی ایک خاص قسم ہے جس کے دوران شریکِ غالب (کمپنی یا بینک) کا حصہ بتدریج کم ہو جاتا ہے (کہ وہ اپنے حصص فروخت کرتے جاتے ہیں) اور بالآخر صفر رہ جاتا ہے۔ جب کہ دوسرا فریق (جو آہستہ آہستہ قیمت ادا کر کے حصص خرید تا رہتا ہے) پراجیکٹ کا مالک بن جاتا

۱- اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۸۸-۹۰ نیز دیکھئے: شئیرز اور کمپنی، قاسمی، قاضی مجاہد الاسلام، مولانا، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، انڈیا، اشاعت اول جنوری ۲۰۰۰ء، اشاعت دوم جون ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۹-۱۴۰

۲- سودی کاروبار کرنے والے ادارے جیسا کہ سودی بینک متعین منافع دیتے ہیں، نفع ہو یا نقصان ان کی طرف سے منافع طے شدہ ہی ملتا ہے۔ یہ سود ہے جو کہ حرام ہے۔

۳- شئیرز کا کاروبار، رضوی، محمد نظام الدین، مفتی، روی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور، اگست ۲۰۰۰ء، ص ۱۰۳-۱۱۲

ہے۔[1]

شرکت متناقصہ مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج تمویلی طریقہ ہے۔ شراکت کی نسبت شرکت متناقصہ کا تناسب اسلامی بینکوں میں زیادہ رہا ہے۔ اس میں چونکہ بینک شراکت کے بعد اپنے حصے کو فروخت کر دیتا ہے تو نور احمد شاہتاز کی رائے ہے کہ بینک اس کی درج ذیل صورتیں اپنا سکتا ہے:

- معاہدہ میں مذکور مدت کے اختتام پر اپنا حصہ حصہ دار (صارف) یا کسی اور کو فروخت کر دے یا کسی اور کمپنی یا شخص کو اس کمپنی یا شخص کا حصہ دار / شریک بنا دے۔
- منافع کو تین حصوں میں تقسیم کر دے۔ ایک حصہ بینک کیلئے، دوسرا حصہ اس کاروبار سے بینک کے اصل سرمایہ کی وصولی کیلئے اور تیسرا حصہ کاروبار میں شریک کمپنی یا شخص کیلئے مختص کر دے۔
- راس المال کے مختلف حصے (Shares) بنا دیئے جائیں، ہر حصہ کی ایک قیمت مقرر کر دی جائے جس میں اصل زر اور حاصل شدہ منافع شامل ہو۔ یہ شیئرز بینک کے ساتھ شریک کاروباری کمپنی یا شخص جس نے بینک کو سرمایہ کاری میں شریک کیا تھا ہر سال تھوڑے تھوڑے کر کے اس طرح خرید تا رہے کہ بینک کا حصہ کم ہوتا چلا جائے تاکہ وہ کمپنی یا شخص کل سرمایہ کا مالک بن جائے۔[2]

تاہم آج کل صارف اور بینک کیلئے شراکت کے ساتھ منافع حاصل کرنے کا بہترین طریقہ شرکت متناقصہ ہی ہے جس میں بنیادی طور پر یہ ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ:

- بینک کا صارفین کو کاروبار کے حصول میں شرکت کی بنیاد پر تعاون دینا اور تدریجاً اپنے حصے کو فروخت کر کے منافع کمانا۔
- صارفین کا وسیع پیمانے پر کاروبار کرنے یا ضرورتوں کے پورا کرنے کیلئے بینک سے مدد لینا، بینک کا راس المال ادا کرنے کے بعد کاروبار یا شے کی ملکیت حاصل کرنا۔

شرکتِ متناقصہ کا طریقہ کار:

شرکت متناقصہ کے ذریعے بینک پراجیکٹس میں سرمایہ کاری کرنے کے ساتھ ساتھ کار، ہوم فنانسنگ وغیرہ میں صارفین کے ساتھ اثاثہ میں شریک ہوتا ہے۔ شروع میں بینک کی شراکت کا حصہ زیادہ اور صارف کا کم ہوتا ہے، جس میں بینک اپنے حصے کو یونٹس یا اکائیوں میں تقسیم کر دیتا ہے جنھیں ہر ماہ صارف سے طے شدہ اقساط کی

۱- اسلامی بنکاری (نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات)، ص ۵۳

۲- اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری میں فرق، نور احمد شاہتاز، ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی، کراچی، مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۲۴

ادائیگی کی صورت میں اس پر فروخت کرتا ہے، شراکت کے دوران بینک اپنے حصے کا کرایہ بھی صارف سے وصول کرتا رہتا ہے (جس میں ہر ماہ حصے کے کم ہونے کے ساتھ ساتھ کمی واقع ہوتی ہے)۔ تاہم مقررہ مدت میں بینک اپنا پورا راس المال صارف پر فروخت کر دیتا ہے اور اسے اسکی ملکیت سونپ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کو Uber کمپنی کی ممبر شپ لینے کیلئے ایک کار کی ضرورت ہو کہ وہ اپنا ذریعہ آمدن کما سکے تو بینک اس کے ساتھ شرکت متناقصہ کا معاملہ کر سکتا ہے۔ اس کیلئے بینک ۱۰ لاکھ کی مالیت کی کار خرید تا ہے، تمویل کا دورانیہ ۲ سال مقرر کرتا ہے تو اس حساب سے کار کی قیمت کو ۲۴ یونٹس (یعنی ۲ سال کے کل مہینوں) میں تقسیم کرتا ہے (یونٹس کی تقسیم کا طریقہ کار اور ان کی قیمت کی تفصیل آگے بیان کی گئی ہے) اور صارف سے ہر ماہ ۱ یونٹ کی ادائیگی کرواتا ہے جو کہ 41,667 روپے ہے، صارف پہلی ادائیگی جب فوری کرتا ہے تو یہ رقم کار کی کل رقم کا ۴ فیصد بنتی ہے لہذا صارف کار میں ۴ فیصد کی شراکت حاصل کر لیتا ہے، بقایا رقم 958,333 روپے کار میں بینک کی طرف سے صرف کی گئی ہوتی ہے تو اس حساب سے بینک ۹۶ فیصد کی شراکت کا حقدار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگلے ماہ دوسرے یونٹ کی ادائیگی پر کار میں صارف کا حصہ دوگنا ہو کر ۸ فیصد ہو جاتا ہے اور بینک کا کم ہو کر ۹۲ فیصد رہ جاتا ہے۔ صارف ہر ماہ ایک ایک یونٹ خرید تا جاتا ہے۔ ہر یونٹ خریدنے پر ہر بار کار میں صارف کی شراکت کا حصہ بڑھتا جاتا ہے اور بینک کا کم ہوتا جاتا ہے۔ تاہم صارف مقررہ مدت (۲ سال) کے اندر تمام یونٹس خرید کر کار کا جزوی طور پر مالک بن جاتا ہے۔ ایسی شراکت میں بینک کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ صارف کو کرایہ پر بھی دے دیتا ہے جوں جوں صارف ہر ماہ بینک کے حصص خرید تا جاتا ہے تو بینک کی شراکت کا حصہ کم ہوتا جاتا ہے جس سے کرایہ میں بھی کمی آتی رہتی ہے۔ متعلقہ چیز جب صارف مکمل طور پر خرید لیتا ہے تو بینک کی اس میں ملکیت نہ ہونے کے باعث کرایہ کا معاملہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

شرکتِ متناقصہ میں ماہانہ ادائیگی اور کرائے کے تعین کا حسابی طریقہ:

بینک صارف کیلئے ماہانہ ادائیگی اور کرایہ کے تعین کیلئے مندرجہ ذیل طریقہ اپنائے گا۔[۱] گزشتہ صفحے پر مثال کی روشنی میں کار فنانسنگ میں اسکی مالیت، مدت اور شرح منافع حسب ذیل ہے۔

کار فنانسنگ میں تمویل کی رقم: ۱،۰۰۰،۰۰۰ روپے

عرصہ: ۲ سال

منافع کی شرح: ۱۳ فیصد

۱۔ اسلامی ہاؤس فنانسنگ کے مروجہ طریقے اور مشکلات کا جائزہ- پاکستان کے تناظر میں، محمد اصغر شہزاد، ہزارہ اسلامکس، ہزارہ یونیورسٹی، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۵ء، جلد ۴، شمارہ ۲، ص ۶۴-۶۶

ادائیگیوں کا تعین:

شرکتِ متناقصہ میں بینک اور صارف کے درمیان دو الگ الگ معاملات ہوتے ہیں۔ ایک خرید و فروخت اور دوسرا کرایہ داری۔ بینک نے اگر ۱۰ لاکھ کی گاڑی خرید کر صارف کے ساتھ شراکت جتنے عرصے کیلئے کی ہوتی ہے تو وہ صارف کو تھوڑی تھوڑی ادائیگی کے بدلے اپنا حصہ بیچتا رہتا ہے۔ اور اس دوران اس میں جتنی ملکیت بینک کی ہوتی ہے اس کا کرایہ لیتا رہتا ہے۔ اس کیلئے بینک اپنے حصص کی ادائیگیوں اور کرایہ دونوں کا تعین کرتا ہے۔

حصص کی ادائیگیوں کے تعین کیلئے بینک پہلے کار کی کل قیمت کو حصص (جسے یونٹس کہا جاتا ہے) میں تقسیم کرتا ہے۔ یعنی معاہدہ ۲ سال کا ہے تو اس میں کل ۲۴ مہینے بنتے ہیں، تاہم یونٹس بھی ۲۴ بنائے جائیں گے۔ کار کی قیمت ۱۰ لاکھ ہے تو ہر یونٹ کی قیمت کا تعین درج ذیل ہو گا۔

کار کی کل مالیت (۱۰ لاکھ) کو تمویل کے سالوں (جو کہ ۲ سال ہیں) پر تقسیم کیا جائے گا۔ جیسا کہ:

یونٹ کی سالانہ قیمت کا تعین	مطلوبہ تمویل کی رقم / تمویل کے سال	1,000,000/2 =500,000

درج بالا طریقے سے جو جواب آئے گا (یعنی ۵ لاکھ) تو اسے ایک سال کے کل مہینوں (۱۲ ماہ) پر تقسیم کیا جائے گا تو ایک یونٹ کی قیمت معلوم ہو جائے گی۔ جیسا کہ:

ماہانہ یونٹ کی قیمت	سالانہ قیمت / ۱۲	500,000/12 =41,667

مندرجہ بالا حسابی طریقے سے کار کے ایک یونٹ کی قیمت ۴۱،۶۶۷ روپے بنتی ہے۔

کرایہ کا تعین:

بینک شرکتِ متناقصہ میں صارف سے اپنے حصے کا کرایہ بھی وصول کرتا ہے تو اس کا تعین درج ذیل طریقے سے کرتا ہے۔

بینک پہلے سالانہ کرایہ معلوم کرے گا۔ مطلوبہ رقم (وہ قیمت جتنا بینک کا متعلقہ چیز میں حصہ ہے۔ پہلی بار یہ کل مالیت ۱۰ لاکھ روپے ہو گی جس سے بینک نے کار خود خریدی) کو بینک اپنے شرح منافع (مثال کے طور پر ۱۳ فیصد رکھا ہو تو) سے ضرب دے گا تو حاصلِ جواب (۱،۳۰۰،۰۰۰) کو ۱۰۰ پر تقسیم کرے گا۔ جیسا کہ:

سالانہ کرایہ کا تعین	(مطلوبہ تمویل کی رقم × شرح منافع) / ۱۰۰	(1,000,000×13)/100 =130,000

ماہانہ کرایہ معلوم کرنے کیلئے مندرجہ بالا طریقے میں حاصلِ جواب (۱۳۰،۰۰۰) کو سال کے کل مہینوں (۱۲) پر تقسیم کرے گا۔ جیسا کہ:

ماہانہ کرایہ	سالانہ کرایہ/۱۲	130,000/12 =10,834

اس طریقہ کار سے بینک پہلے مہینے کا کرایہ معلوم کر لیتا ہے۔ مندرجہ بالا مثال سے پہلے مہینے کا کرایہ ۱۰،۸۳۴ روپے ہے۔ ہر ماہ صارف کی جانب سے جب ایک یونٹ کی قیمت کی ادائیگی پر اس کی شراکت کا حصہ بڑھتا ہے اور بینک کا کم ہوتا ہے تو بینک کی طرف سے کرایہ میں بھی کمی آتی ہے، اس کے تعین کیلئے بینک ہر ماہ مندرجہ بالا طریقہ کار ہی اختیار کرتے ہوئے کرایہ معلوم کرتا ہے۔ جیسا کہ یہاں اسی طریقہ کار پر صارف سے ۲ سال کی مدت میں یونٹ اور کرایہ کی ماہانہ اقساط جو وصول کی جائیں گی اس کی تفصیل درج ذیل جدول میں ہے۔

بقایا یونٹس	بقیہ یونٹ کی قیمت	ماہانہ قسط	یونٹ کی قیمت	کرایہ	ماہ
24	1,000,000				0
23	958,333	52,501	41,667	10,834	1
22	916,666	52,048	41,667	10,381	2
21	874,999	51,597	41,667	9,930	3
20	833,332	51,146	41,667	9,479	4
19	791,665	50,694	41,667	9,027	5
18	749,998	50,243	41,667	8,576	6
17	708,331	49,791	41,667	8,124	7
16	666,664	49,340	41,667	7,673	8
15	624,997	48,889	41,667	7,222	9
14	583,330	48,437	41,667	6,770	10
13	541,663	47,986	41,667	6,319	11
12	499,996	47,535	41,667	5,868	12
11	458,329	47,083	41,667	5,416	13
10	416,662	46,632	41,667	4,965	14
9	374,995	46,180	41,667	4,513	15
8	333,328	45,729	41,667	4,062	16
7	291,661	45,278	41,667	3,611	17

18	3,159	41,667	44,826	249,994	6
19	2,708	41,667	44,375	208,327	5
20	2,256	41,667	43,923	166,660	4
21	1,805	41,667	43,472	124,993	3
22	1,354	41,667	43,021	83,326	2
23	902	41,667	42,569	41,659	1
24	451	41,667	42,118	0	0

مندرجہ بالا جدول سے واضح ہوتا ہے کہ صارف ہر ماہ یونٹ کی قیمت اور کرایہ دونوں ادا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جیسا کہ جدول میں کار کی پہلے یونٹ کی قیمت ۴۱،۶۶۷ روپے ہے اور پہلے مہینے کا کرایہ ۱۰،۸۳۴ روپے ہے تو یہ دونوں جمع کر کے ماہانہ قسط ۵۲،۵۰۱ روپے بنتی ہے۔ اسی طرح دوسرے مہینے کی ماہانہ قسط دوسرے یونٹ کی قیمت ۴۱،۶۶۷ روپے اور دوسرے ماہ کا کرایہ ۱۰،۳۸۱ روپے کو جمع کر کے ۵۲،۰۴۸ روپے ہے جو صارف کو ادا کرنی پڑے گی۔ اسی طرح صارف ۲ سال میں اقساط ادا کرتا جائے گا اور آخر میں کار کی مکمل ملکیت حاصل کر لے گا جس سے بینک اور صارف کے درمیان شرکتِ متناقصہ کا معاہدہ ختم ہو جائے گا۔

فصل سوم

مروجہ شراکت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کانقطہ نظر

شراکت چند افراد کا مشترکہ طور پر کسی کاروبار یا تجارت میں سرمایہ لگا کر شریک ہونا ہوتا ہے۔ کسی بھی شخص کو اپنا ذاتی کاروبار شروع کرنے کیلئے کثیر سرمائے کی ضرورت ہوتی ہے، اب جسکے پاس سرمایہ کم ہو اور اس کیلئے کاروبار کیلئے سودی بینکوں سے مدد لینے کی بجائے یہ بہترین طریقہ ہے کہ اسلامی بینک کے شراکتی کاروبار میں شامل ہو جائے۔ جہاں وہ سود سے بچنے کے ساتھ ساتھ جائز ذریعہ آمدنی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اسلامی بینکوں نے ہر ایک کیلئے یہ سہولت رکھی ہے کہ جسکے پاس سرمایہ کم ہو یا زیادہ شراکت کر سکتا ہے۔

اسلامی بینکاری میں ہونے والی مروجہ شراکت پر کئی طرح سے اعتراضات ہوتے ہیں۔ ذیل میں ان اعتراضات اور اسکے مقابل میں آراء کا تجزیہ کیا جائے گا۔

شراکت کی بنیاد پر محدود کاروبار ہونا

اسلامی بینکاری نظام میں کئی طریقہ ہائے تمویل استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ شراکت، مضاربت، اجارہ، مرابحہ، بیع سلم وغیرہ۔ اسلامی بینکوں میں صارفین کو شرکت و مضاربت پر شراکتی کاروبار کرنے کے علاوہ انھیں فائنانسنگ کی سہولت بھی مہیا کی جاتی ہے جس کیلئے بینک مختلف طریقے اپناتا ہے۔ جس میں شرکت متناقصہ، مرابحہ، بیع بثمن آجل، اجارہ، اجارہ ثم البیع، الاستصناع، اقتناع، مقاولۃ، بیع اجل[1] وغیرہ شامل ہیں۔ ناقدین کا اعتراض اس بات پر ہے کہ اسلامی بینکوں میں شرکت کی بجائے باقی تمویلات پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے جسکے باعث انھی طریقوں کو فروغ ملتا جا رہا ہے۔ جس کے باعث اسلامی بینکوں کی اصل مقصد کی طرف رجحان کم ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ جیسا کہ رفقاء دارالافتاء بطور اعتراض لکھتے ہیں کہ:

> "مروجہ اسلامی بینکاری کی بنیادیں کو دو حصوں میں متعارف کرایا گیا تھا، ایک حصہ دائمی، اصلی اور مستقل بنیادیں، جس میں شرکت و مضاربہ شامل ہیں، دوسرا حصہ عارضی اور عبوری بنیادیں ہیں، جن میں مرابحہ اور اجارہ شامل ہیں، آغازِ کار میں عارضی اور غیر اصلی بنیادوں کو نامناسب اور خطرناک ہونے کے باوجود یہ کہ عبوری دور کیلئے طریقہ تمویل کے طور پر اختیار کیا گیا تھا، یہ عبوری دور اور عبوری لفظ دونوں ناپید ہوتے جا رہے ہیں، مگر عارضی بنیادیں اب بھی اسلامی بینکاری کا سب سے زیادہ منافع بخش طریقہ تمویل ہیں۔ حالانکہ اسلامی سرمایہ کاری میں مروجہ

1- Islamic Model of Home Financing, Muhammad Billah, Journal of Islamic Banking & Finance, Karachi, Jan-March 2008, Vol:25, p.21.

مرابحہ اور اجارہ کے مقابلے میں اصل بنیادوں (مشارکہ و مضاربہ) کے طریقہ تمویل کو اختیار کرنا چاہیئے تھا اور زیادہ سے زیادہ رواج اور فروغ دینا اسلامی بینکوں کی ذمہ داری تھی، اور وعدہ بھی تھا مگر مروجہ اسلامی بینک نہ صرف یہ کہ اس ذمہ داری کا احساس نہیں کر رہے، بلکہ اسلامی بینک کار اسی پر قانع ہو کر بیٹھ گئے ہیں اور ان طریقوں کو چھوڑنے کیلئے رضامند بھی نہیں ہو رہے ہیں، اور نہ ہی اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں۔"[1]

اسلامی بینکوں میں ہونے والی تمویلات کو دیکھا جائے تو ان میں بینک شراکت کیلئے مشارکہ اور مشارکہ متناقصہ دو طرح کے طریقے اپناتے ہیں۔ اس طور پر ناقدین کا یہ اعتراض درست ہے کہ ان بینکوں میں شراکت کا عنصر بہت محدود ہے۔ مشارکہ کی نسبت شرکت متناقصہ کا تناسب زیادہ ہوتا ہے اور بینک اگر شرکت متناقصہ کا معاملہ کرتا ہے تو اس میں شراکت کے ساتھ ساتھ اجارہ کا معاملہ بھی چلتا ہے۔ گویا جو آمدن حاصل ہوئی وہ خالصتاً شراکت سے نہ ہوئی، اگر بینک نے شرکت متناقصہ سے دو لاکھ کا منافع کمایا تو اس میں نصف حصہ شراکت اور نصف حصہ اجارہ کو شامل ہے اس طرح ایک لاکھ شراکت اور ایک لاکھ اجارہ سے کمایا گیا۔ اس کے علاوہ بینک شرکت متناقصہ کے علاوہ بھی اجارہ کی تمویل کا طریقہ اپناتا ہے تو اجارہ سے حاصل شدہ آمدن کا تناسب شراکت سے کافی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اسکا جائزہ بینکوں میں ہونے والی سرمایہ کاری کے تناسب سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

میزان بینک میں آخری پانچ سالوں میں مشارکہ، مشارکہ متناقصہ اور اجارہ کا تناسب حسب ذیل ہے:[2]

سال	2014	2015	2016	2017	2018	2019
مشارکہ	16٪	22٪	17٪	29.20٪	31.20٪	30.48
مشارکہ متناقصہ	25٪	30٪	38.49٪	30.84٪	24.51٪	22.58
اجارہ	6٪	7٪	16.21٪	9.47٪	10.50٪	10.91

مندرجہ بالا جدول میں مشارکہ کا تناسب مشارکہ متناقصہ کی نسبت کافی کم ہے۔ ۲۰۱۴ء میں دیکھا جائے تو مشارکہ متناقصہ کا تناسب ۹ فیصد مشارکہ کی نسبت اضافی ہے۔ آئندہ سالوں میں دونوں کا تناسب بڑھتا ہوا دکھائی دیا

۱- علماء کرام میں محمد عبد السلام، جسیم الدین، احمد شفیع، نور احمد، محمد ہارون، محمد شمس عالم، کفایت اللہ، محمد جنید شامل ہیں۔ دیکھیے: مروجہ اسلامی بینکاری (تجزیاتی مطالعہ - شرعی جائزہ - فقہی نقد و تبصرہ)، رفقاء دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، مکتبہ بینات، کراچی، ۲۰۰۸ء، ص ۳۰۹- ۳۹۳

2- Meezan Bank Annual reports, 2015-2016-2018-2019,p.99,p.101,p.97,p.164.

Financing Modes	2014 %	2015 %	Growth/(Decline) %
Diminishing Musharakah	25	30	5
Murabaha	15	10	(5)
Musawamah	1	6	5
Istisna	22	13	(9)
Musharakah & Running Musharakah	16	22	6
Ijarah	6	7	1
Salam – Bill	3.6	3.4	(0.2)
Tijarah	1	2.5	1.5
Salam – Commodity	6	2	(4)
Others	4.4	4.1	(0.3)
Total	100	100	-

میزان بینک میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۴ء اور ۲۰۱۵ء کی سالانہ رپورٹ [1]

Rs in Million

Islamic mode of financing	2016 Amount	2016 %age	2015 Amount	2015 %age
Diminishing Musharakah	6,004	38.49%	4,836	35.16%
Running Musharakah	2,652	17.00%	2,561	18.62%
Ijarah	2,528	16.21%	1,313	9.55%
Istisna	1,354	8.68%	2,026	14.74%
Murabaha	948	6.08%	1,522	11.07%
Musawamah	752	4.82%	205	1.49%
Wakalah	615	3.95%	61	0.44%
Tijarah	342	2.19%	163	1.19%
Others	404	2.58%	1,064	7.74%
Total	**15,599**	**100%**	**13,751**	**100%**

میزان بینک میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۶ء اور ۲۰۱۷ء کی سالانہ رپورٹ [2]

1- Meezan Bank Annual Report 2015, p.99.

2- Meezan Bank Annual Report 2016, p.101.

Rs in Million

Islamic mode of financing	2018 Amount	2018 %	2017 Amount	2017 %
Running Musharakah	9,425	31.20%	6,276	29.20%
Diminishing Musharakah	7,403	24.51%	6,629	30.84%
Ijarah	3,173	10.50%	2,036	9.47%
Istisna	3,084	10.21%	1,989	9.25%
Musawamah	1,820	6.03%	907	4.22%
Wakalah	2,888	9.56%	1,753	8.15%
Murabaha	1,196	3.96%	1,072	4.99%
Tijarah	614	2.03%	449	2.09%
Salam	292	0.97%	185	0.86%
Others	311	1.03%	200	0.93%
Total	**30,206**	**100%**	**21,496**	**100%**

میزان بینک میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۸ء کی سالانہ رپورٹ[1]

Financing Modes	2019 % in total portfolio	2018 % in total portfolio	Growth / (Decline)% in total portfolio
Diminishing Musharakah	22.58	18.75	3.83
Musharakah & Running Musharakah	30.48	30.50	(0.02)
Istisna	11.52	14.06	(2.54)
Ijarah	10.91	10.57	0.34
Murabaha	3.27	3.82	(0.55)
Musawamah	5.42	7.63	(2.21)
Salam - Bills	1.47	1.10	0.37
Wakalah Tul Istithmar	8.06	7.82	0.24
Tijarah	2.57	2.57	0.00
Salam - Commodity	2.07	1.82	0.25
Other	1.65	1.36	0.29

میزان بینک میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۹ء کی سالانہ رپورٹ[2]

1- Meezan Bank Annual Report 2018, p.97.

2- Meezan Bank Annual Report 2019, p.164.

مگر مشارکہ متناقصہ کے تناسب میں زیادہ اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ ۲۰۱۶ء میں دیکھا جائے تو ان دونوں کے تناسب میں بہت فرق ہے جس میں مشارکہ کی نسبت مشارکہ متناقصہ میں ۲۱ فیصد اضافہ ہوا، جس میں ۲۰۱۷ء میں کمی واقع ہوئی مگر پھر بھی وہاں مشارکہ متناقصہ کا ۱ فیصد اضافی تناسب ہے۔ البتہ ۲۰۱۸ء میں کچھ بہتری دکھائی دیتی ہے جس میں مشارکہ کا تناسب مشارکہ متناقصہ سے ۷ فیصد زیادہ ہے۔ تاہم ۲۰۱۹ء میں شرکتِ متناقصہ میں پچھلے سال کی نسبت کمی واقع ہوئی اور اس سال مشارکہ کا تناسب ۷۰۹ فیصد زیادہ ہے۔

بینک الاسلامی میں آخری پانچ سالوں میں مشارکہ متناقصہ اور اجارہ کا تناسب کچھ یوں ہے:[1]

سال	2014	2015	2016	2017	2018	2019
مشارکہ متناقصہ	21٪	17٪	24٪	37٪	35٪	28٪
اجارہ	8٪	7٪	9٪	6.5٪	3٪	40٪

یہاں پر مندرجہ بالا جدول میں مشارکہ متناقصہ اور اجارہ کے تناسب کو دیکھا جائے تو اجارہ کا تناسب زیادہ ہے۔ کیونکہ مشارکہ متناقصہ خالص شراکت نہیں ہے اس میں نصف آمدن شراکت اور نصف اجارہ سے آتی ہے۔ تاہم اس کے علاوہ بینک نے علیحدہ بھی اجارہ کے ذریعے سے منافع کمایا تو مجموعی طور پر اجارہ کی آمدن زیادہ رہی۔ اگر گزشتہ پانچ سالوں میں ان دونوں کے تناسب کو اسی طور پر دیکھا جائے کہ اجارہ کتنا بنتا ہے اور شراکت کا کتنا حصہ ہے تو یہ کچھ اس طرح ہے۔ ۲۰۱۴ء میں مشارکہ متناقصہ ۲۱ فیصد اور اجارہ ۸ فیصد ہے، جس میں شراکت کا تناسب ۵۰۱۰ فیصد اور اجارہ کا تناسب ۵۰۱۸ فیصد بنتا ہے۔ ۲۰۱۵ء میں مشارکہ متناقصہ ۱۷ فیصد اور اجارہ ۷ فیصد ہے، لہذا شراکت ۵۰۸ فیصد اور اجارہ ۵۰۱۵ فیصد ہوا۔ ۲۰۱۶ء میں مشارکہ متناقصہ ۲۴ فیصد اور اجارہ ۹ فیصد ہے، تاہم شراکت ۱۲ فیصد اور اجارہ ۲۱ فیصد ہوا۔ ۲۰۱۷ء میں مشارکہ متناقصہ ۳۷ فیصد اور اجارہ ۵۰۶ فیصد ہے، اس میں شراکت ۵۰۱۸ فیصد اور اجارہ ۲۵ فیصد ہوا۔ ۲۰۱۸ء میں مشارکہ متناقصہ ۳۵ فیصد اور اجارہ ۳ فیصد ہے، تو شراکت ۵۰۱۷ فیصد اور اجارہ ۵۰۲۰ فیصد کے حساب سے تناسب بنتا ہے۔ ۲۰۱۹ء میں شرکتِ متناقصہ ۲۸ فیصد اور اجارہ ۴۰ فیصد ہے تو اس طرح اس میں شراکت تناسب ۱۴ فیصد اور اجارہ کا ۵۴ فیصد بنتا ہے۔

اسلامی بینکوں کو چاہیئے کہ خالص شراکت پر مبنی تمویل کو فروغ دینے کیلئے مؤثر اقدامات کی جدوجہد کو کسی طور نظر انداز نہ کریں اور اپنے طور پر کوششیں جاری رکھیں۔ جیسا کہ اسلامی بینکنگ کے حامی علماء کرام کو اس بات

1- Bank Islami Annual reports, 2014 to 2019, p.40,p.41,p.50,p.50,p.53, p.77.

- Murabahah: 37%
- Istisna 17%
- Karabor financing (Muswammah). 17%
- Diminishing Musharakah: 21%
- Ijarah 8%

بینک الاسلامی میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۴ء کی سالانہ رپورٹ[۱]

- Murabahah: 45%
- Istisna: 17%
- Diminishing Musharakah: 17%
- Karobar Financing (Musawamah): 8%
- Ijarah: 7%
- Salam and others: 6%

بینک الاسلامی میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۵ء کی سالانہ رپورٹ[۲]

بینک الاسلامی میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۶ء کی سالانہ رپورٹ[۳]

1- Bank Islami Annual Report 2014, p.40.

2- Bank Islami Annual Report 2015, p.41.

3- Bank Islami Annual Report 2016, p.50.

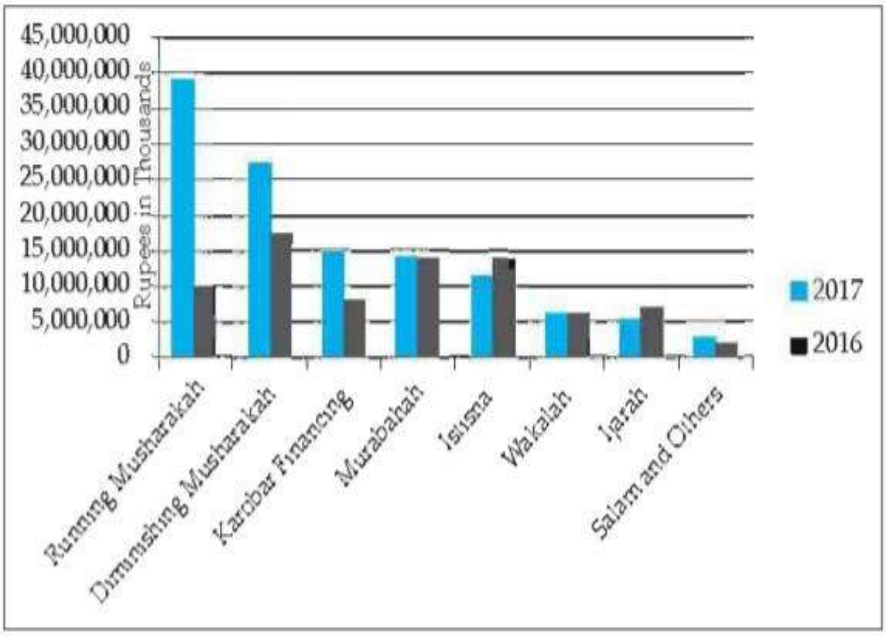

بینک الاسلامی میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۷ء کی سالانہ رپورٹ[1]

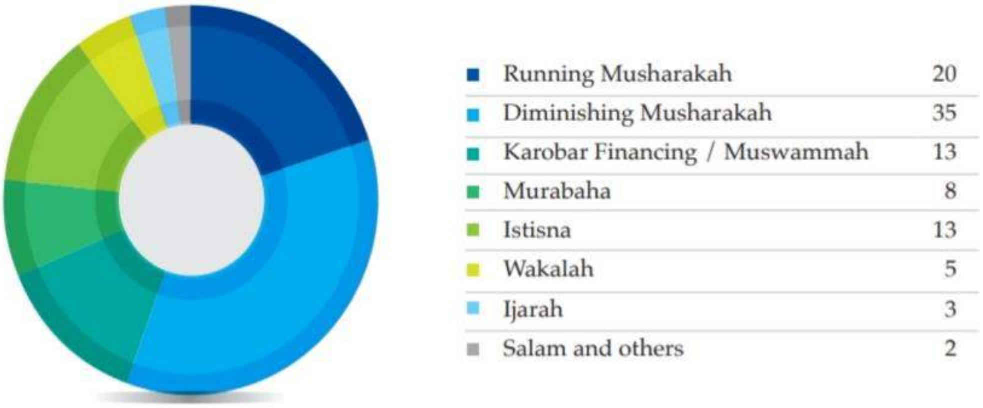

بینک الاسلامی میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۸ء کی سالانہ رپورٹ[2]

1- Bank Islami Annual Report 2017, p.50.

2- Bank Islami Annual Report 2018, p.53.

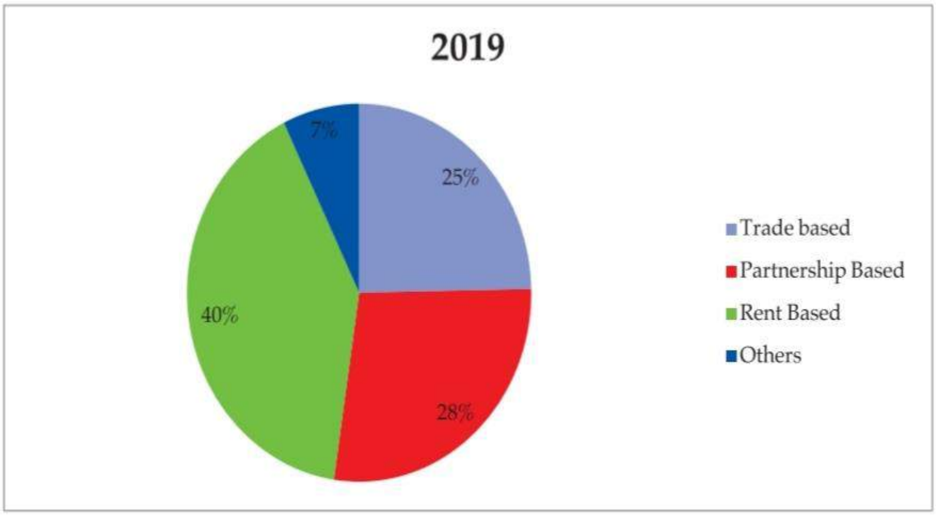

بینک الاسلامی میں اسلامی تمویلات کی ۲۰۱۹ء کی سالانہ رپورٹ[1]

1- Bank Islami Annual Report 2019, p.77.

سے انکار نہیں ہے کہ شرکت و مضاربت ہی اسلامی بینکوں کے لئے بنیادی طریقے ہیں اور انھیں فروغ دینے کیلئے اقدامات کرنے چاہیئے۔ ثانوی طریقوں کو ان بینکوں میں استعمال کی کچھ توجیہات بیان کی گئی ہیں۔

- ڈیپازیٹر کا اپنی رقم نجی سطح پر کام کرنے کیلئے سرمائے کی ضرورت کے پیش نظر عارضی طور پر تھوڑے عرصے کیلئے بینک کے پاس رقم رکھوانا۔
- ڈیپازیٹر یعنی بیوہ یا کم سرمایہ کے حامل شخص کا ذیادہ رسک برداشت کرنے کی سکت نہ ہونا۔[1]

یہ دو ایسی بنیادی توجیہات ہیں کہ جس میں بینک ڈیپازیٹر کے سرمائے کو ان تجارتی امور جہاں خطرات زیادہ ہوں مثال کے طور پر مشارکہ و مضاربہ میں نہیں لگا سکتا۔ کیونکہ ان کھاتہ داروں نے اپنی چھوٹی چھوٹی بچتیں بینک کو بطور امانت سونپی ہوتی ہیں اور بینک اس بات کا پابند ہوتا ہے ان کے سرمایہ کو منافع بخش کاروبار میں ان کی خواہش اور رسک برداشت کرنے کی قوت کے مطابق استعمال کرے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلامی بینکوں میں شراکت و مضاربت کے علاوہ دوسرے تمویلی طریقوں کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ مگر یہ بات بھی بجا ہے کہ بینکوں کی یہ ترجیحات بلاوجہ نہیں بلکہ ضرورت اور مجبوری کی بناء پر ہیں۔ جس کی وجہ اسلامی بینکوں کی طرف مالی طور پر خوشحال اور کثیر سرمائے کے حامل لوگوں کی عدم دلچسپی ہے۔ مفتی محمد شفیع نے اسلامی بینکاری کے آغاز میں رکاوٹ کیلئے اپنی تفسیر میں حکومت کی طرف سے عدم منظوری اور عام تاجروں کی عدم توجہ جیسے اسباب کا ذکر کیا تھا۔[2] بدقسمتی سے آج جب کہ اسلامی بینکاری کو عرصہ گزر چکا مگر حالات کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں آج بھی اسلامی بینکاری کاروباری لوگوں کی جانب سے عدم رجحان کا شکار ہے۔ مفتی تقی عثمانی نے دین دار تجار کا تذکرہ کیا جو کہ سودی بینک کے ۱۲% منافع کے مقابلے میں اسلامک بینک کے ساتھ شراکت میں ۲۵% منافع پر تیار نہیں تھی۔[3] لہذا فی الوقت کھاتہ داروں کو حلال ذرائع سے منافع فراہم کرنے اور سود کی حرام صورت سے بچنے اور اسلامی بینک کی عمارت کو کھڑا کرنے کیلئے ان تمویلات پر انحصار کیا جارہا ہے۔

خلاف شرع معاہدے ہونا

ناقدین نے اسلامی بینکاری کے حوالے سے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ ان بینکوں کے طریقہ کار میں کچھ خلاف شرع معاہدے بھی شامل ہوتے ہیں، جسکی وجہ سے یہ بینک شراکت پر مبنی شرعی تمویلی طریقہ ہی استعمال

۱-اسلامی مالیات (اسلامی بینکاری: اصول اور تطبیق)، محمد ایوب، رفاہ سنٹر آف اسلامک بزنس، اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۱۰ء، ص ۵۸۵-۵۸۶

۲-معارف القرآن، ۱/ ۶۷۸

۳-اسلامی بینکاری (تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ)، عثمانی، محمد تقی، الافنان، کراچی، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ - مئی ۲۰۱۰ء، ص ۸۳

کیوں نہ کریں ان سے معاملہ درست نہ ہو گا۔ مفتی محمد زرولی خان[1] (مرحوم) رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے یہ اعتراضات کچھ اس نوعیت کے ہیں:

- بینک گاہک کو ایگریمنٹ فراہم نہیں کرتا تاہم اگر موجودہ پالیسی بدل جائے تو گاہک کو اصل پالیسی کا علم نہیں ہوتا، اور بینک کا گاہک سے پیشگی دستخط لے کر اسے آئندہ بدلنے والی پالیسی کا پابند ٹھہرا کر اسے عقد جہالت کا پابند ٹھہرایا جاتا ہے۔[2]
- مروجہ اسلامی بینک اسٹیٹ بینک کے سودی معاملات سے آزاد نہیں ہیں، اس سے مندرجہ ذیل خرابیاں موجود ہیں:
  - ان کے ہر اصول وضوابط کے تابع ہیں۔
  - اسلامی بینک دعویٰ کرتے ہیں کہ اسٹیٹ بینک نے ان کیلئے ایک خاص کھاتہ علیحدہ سے بنایا ہے، جبکہ ایسا نہیں اگر ایسا ہے تو اس کے شواہد سامنے لائیں۔
  - بینک حقیقی منافع کا حساب دیئے بغیر ایک متعین منافع تقسیم کر کے دیتے ہیں جو کہ شرعی مضاربہ ومشارکہ کے اصول کے خلاف ہے۔ مثلاً اگر ملک میں افراطِ زر کی سالانہ شرح ۱۰ فیصد سالانہ ہے تو اسلامی بینک اسٹیٹ بینک کے احکامات کے تحت ۶ فیصد سالانہ شرح منافع دے رہے ہیں۔[3]

ناقدین کے درج بالا تمام اعتراضات بنیادی طور پر دو باتوں کے دائرے کے گرد گھوم رہے ہیں۔ ایک یہ کہ بینک گاہک کو عقدِ جہالت کا پابند بناتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اسلامی بینک اسلامی بینکاری کیلئے کام کر رہے ہیں تو وہ پھر اسٹیٹ بینک کے تابع کیوں ہیں جو کہ مکمل طور پر سودی بینک ہیں۔ بینک کا معاہدہ ڈھکا چھپا نہیں ہوتا، وہ معاہدے کے وقت ایگریمنٹ فارم اور تفصیلات کی دستاویز فراہم کرتا ہے۔ ناقدین اس کو ناکافی سمجھتے ہوئے اس عقد کو عقدِ جہالت پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ شراکت کے اصول ہیں کہ جب متعاقدین معاہدے پر باہم راضی ہوں اور فریقین میں سے کسی ایک کو ذمہ داری سونپ دی جائے تو دوسرا اسکا وکیل ہوتا ہے جو کہ سرمائے کو کاروباری ضرورت کے حساب سے صرف کر سکتا ہے۔ اب اگر ناقدین کے ہاں فارم پر عقد سے متعلقہ فراہم کی جانے والی

۱- مفتی محمد زرولی خان (مرحوم) رحمۃ اللہ علیہ خیبر پختون خواہ کے علاقہ جہانگیرہ میں پیدا ہوئے اور جامعہ علوم اسلامیہ سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۷۸ء میں جامعہ عربیۃ احسن العلوم کی بنیاد رکھی اور انھوں نے ۷ دسمبر ۲۰۲۰ء کو وفات پائی۔ دیکھیے حوالہ جات:
https://jamiaahsan.com/about-us , visited on: 4, July, 2020 at 2:00pm.

۲- نام نہاد اسلامی بینکاری، خان، محمد زرولی، جامعہ عربیہ احسن العلوم، کراچی، جنوری ۲۰۱۴ء- ۱۴۳۸ھ، ص ۱۹۶

۳- ایضاً، ص ۳۴۸، ۳۵۹، ۵۵

معلومات ناکافی ہیں تو یقیناً یہ اسلامی بینک سے ایسے ایگریمنٹ کا تقاضا کرتے ہیں کہ ان کو ایک ایک روپیہ کی تفصیل فراہم کی جائے کہ سرمایہ کس کس جگہ اور کیسے لگایا گیا۔ لیکن یہ یقینی طور پر بینک کیلئے مشکل ہے کیونکہ بینک کا سرمایہ چھوٹے بڑے ہر قسم کے کاروبار میں لگا ہوتا ہے اور وہ ہر ایک کو اس سے آگاہ نہیں رکھ سکتے۔

جہاں تک بات اسٹیٹ بینک کی بالادستی کی تو نجی تمام بینکوں کا کنٹرول اس کے پاس ہے چاہے وہ اسلامی بینک ہوں یا سودی بینک۔ اسٹیٹ بینک سے آزادی کا مطلب ہے کہ الگ سے اپنا پلیٹ فارم بنانا جس میں حکومتی مداخلت نہ ہو، ایسا کرنا حکومتی مخالفت میں ممکن نہیں۔ حکومتی پالیسیوں کو تو نہیں بدلا جاسکتا، البتہ نجی سطح پر سسٹم کو ٹھیک کرنے کی کوشش ضرور کی جاسکتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے سسٹم کو درست کیا جائے۔ اس سلسلے میں اگر اسٹیٹ بینک تعاون فراہم کر رہا ہو تو وہ بھی غنیمت ہے۔ جہاں تک بینکنگ معاملات کی مکمل اصلاح کی بات ہے تو صرف یہی نہیں ہمارے ملک میں اور بھی بہت سے معاملات ایسے ہیں جو کہ اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں چل رہے۔ ہمارے نماز، روزے سے لے کر اجتماعی زندگی سے متعلقہ معاملات کمال کی نوعیت کے نہیں ہیں جو کہ تاحال پاکستان جیسے اسلامی مملکت کیلئے بہت بڑا المیہ ہے۔

آج کل کہ جب ہر جگہ سودی نظام کا بول بالا ہے سود سے پاک آمدن کیلئے ہمیں اسلامی بینکوں پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ کیونکہ بینک ہر دور کی ضرورت رہے ہیں اور ان کی موجودگی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلامی بینک بھی ایک نظام کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں جو کہ بہر حال ایک مشکل کام ہے۔ اور جہاں تک ان بینکوں کے اصول و ضوابط اور نفع کی تقسیم کے طریقہ کار کا تو یہ اعتراض ان پر نہیں بنتا۔ ناقدین کو یہ اعتراض حکومت اور اسٹیٹ بینک کی طرف پیش کرنے چاہئیں۔ کیونکہ اسلامی بینک تو حکومتی جانب سے پالیسیوں کے بدلنے کے انتظار میں ہی ہیں۔

نقصان کا غالب امکان ہونا

شراکت کے بارے میں ناقدین کی یہ سوچ رہی ہے کہ بینکاری میں اس کو شامل کرنا بہت مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ بینکنگ میں اس پر اس سطح تک کام نہیں ہو رہا جس حد تک شامل کرنے کیلئے منصوبہ تھا۔ ناقدین بینکنگ سطح پر اس کی زائد شمولیت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اس بارے میں شفیق الرحمٰن [1] کے دو اہم اعتراض یہ ہیں:

- صنعتکاروں اور بینک کی طرف سے کھاتہ داروں کا مسلسل نقصان میں رہنے کا اندیشہ ہے۔

۱- شفیق الرحمٰن ۱۹۷۱ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۹۲ء میں وفاق المدارس العربیۃ پاکستان سے شھادۃ العالمیہ کی سند حاصل کی اور ۱۹۹۵ء میں اسلامک یونیورسٹی سے ایل-ایل-بی (شریعہ اینڈ لاء) کی ڈگری حاصل کی۔ پاکستان نیوی میں اپنی خدمات پیش کیں اور کراچی یونیورسٹی سے ۲۰۰۱ء میں ایل-ایل-ایم اور ۲۰۰۶ء میں پی-ایچ-ڈی اِن اسلامک فائنانس کی۔
See: Shari'ah Basis Of The Products Of Islamic Banks, Shafiq ur Rahman, Shafiq ur Rahman, Karachi, First Edition September 2009- Second Edition April 2010, p.63.

- کچھ عناصر منافع چھپا کر یا مکمل نقصان دکھا کر کھاتہ داروں کا استحصال کر سکتے ہیں۔[1]

تاہم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں جب کھاتہ داروں کو غالب نقصان کا امکان رہے گا تو وہ قطعی طور پر بینک کو شراکت پر سرمایہ دینے کو تیار نہ ہو گا۔

ان مفروضات کو محمد عمران اشرف اس طرح غلط قرار دیتے ہیں کہ بینک سودی بینک کی طرح سرمایہ دینے سے پہلے تجارت کے امکانیات (Feasibility) کا بغور مشاہدہ کرے گا پھر مشارکہ تمویل کیلئے سرمایہ فراہم کرے گا، اگر نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ انکار کر دے گا۔ کئی صارفین کی تجاویز اور امکانیات کا مطالعہ کرنے کے بعد سرمایہ دیا جائے گا تو اس بات کا قوی امکان باقی نہ رہے گا کہ ہر ایک کی جانب سے نقصان ہی اٹھانا پڑے، ہو سکتا ہے بعض میں نقصان ہو بھی جائے تو کئی میں بہت زیادہ نفع بھی ہو جس سے نقصان کو پورا کیا جا سکے۔ اس میں رسک کو بالکل ختم تو نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسلامی معیشت میں زر پر نفع دراصل رسک برداشت کرنے کا ہی انعام ہوتا ہے۔ نفع میں خیانت کرنے کا جو مسئلہ ہے مرکزی بینک اور حکومت کی محتاط پشت پناہی اور آڈیٹنگ کا منظم نظام نافذ کرنے سے اس پر بھی قابو پایا جا سکتا ہے۔[2]

بینک چاہے سودی ہو یا اسلامی سرمایہ کے بہترین تصرف کیلئے اپنی خدمات پیش کرتا ہے تا کہ نفع کا حصول ممکن ہو۔ اس کیلئے اسے امانتداری کو بھی یقینی بنانا ہوتا ہے تا کہ اس کی ساکھ برقرار رہے۔ بینک اس سلسلے میں کوتاہی برداشت نہیں کر سکتے۔ بینک اگر سرمایہ سے متعلقہ احتیاط نہ اپنائیں گے یا دیانتداری سے کام نہ کریں گے تو ان کا نظام منہدم ہو کر رہ جائے گا۔ اس میدان میں چند کارکنوں کی غلطی کو پورے نظام کی غلطی قرار نہیں دیا جا سکتا۔

شرکت متناقصہ کا شریعت سے متصادم ہونا

شرکت متناقصہ کا آغاز اسلامی بینکوں نے کیا۔ فقہ میں یہ اصطلاح نہیں پائی جاتی اور اس کا طریقہ کار بھی عام شراکت سے مختلف ہے۔ اس بارے میں ناقدین نے کچھ ایسے نقاط اٹھائے کہ ان کے ہاں یہ طریقہ کار غیر شرعی اور نامناسب ہے۔ یہ نقاط درج ذیل ہیں۔

عدم شراکت:

ناقدین کے ہاں شرکت متناقصہ شرکت میں داخل ہی نہیں ہے۔ اس بارے میں حافظ طاہر اسلام کے اعتراض حسب ذیل ہیں:

1- Shari'ah Basis Of The Products Of Islamic Banks, 3 p.18.

نیز دیکھئے: مسئلہ سود اور غیر سودی مالیات، محمد اکرم خان، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، اشاعت اول: نومبر ۱۹۹۲ء، ص ۲۵

۲- ترجمہ سود پر تاریخی فیصلہ، عثمانی، محمد عمران اشرف، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ - اپریل ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۱-۱۶۵

۱- شرکت عنان کا بنیادی مقصد نفع میں شرکت کرنا ہوتا ہے جو کہ مفقود ہے کیونکہ یہاں نہ نفع میں شراکت داری ہے، نہ نفع کا تناسب طے ہے اور نہ ہی کلائنٹ کا مقصد فروخت کر کے نفع کمانا ہے۔ لہذا یہ شرکت عنان میں داخل نہیں ہے۔

۲- بینک اپنے حصص طے شدہ قیمت کے مطابق یونٹس کی صورت میں فروخت کرتا ہے اور اس صورت کو بینک شرکت ملک میں شمار کرتے ہوئے جائز قرار دیتا ہے۔ تاہم شرکت متناقصہ میں شرکت ملک کے حوالے سے دو بنیادی باتیں بھی نہیں پائی جاتیں:

- وعدہ لازم نہ ہونا۔
- بازاری قیمت پر فروختگی ہونا۔[1]

شرکت متناقصہ میں حصص کی فروخت کے علاوہ اگر بینک اور صارف آمدن میں حصہ لیں مثلاً کمپنی کے منافع یا گاڑی کی ماہانہ آمدن میں بینک اور صارف نفع میں اپنے حصص کے بقدر شراکت طے کر لیں تو یہ صورت شرکت عنان کے قریب تر ہے۔ ہاں اگر بینک کو منافع سے غرض نہ ہو اور وہ اپنے حصے کا کلائنٹ سے کرایہ وصول کرتا رہے تو اسے شرکت ملک ہی قرار دیا جائے گا۔ اسلامی بینک کیونکہ حصص کی فروخت کے ساتھ کرایہ کی وصولی کا طریقہ زیادہ اپناتے ہیں تو اس میں یہ دو بنیادی باتیں دیکھتے ہیں کہ کیا اس میں وعدہ لازم ہوتا ہے؟ اس میں حصص کی فروخت بازاری قیمت کے مطابق ہی ہوتی ہے کہ نہیں؟

عمومی طور پر جو وعدہ قضاء پورا کروایا جائے وہ لزوم کا درجہ رکھتا ہے۔ اس طرح کے وعدے میں دونوں فریقین پابند بھی ہوتے ہیں۔ اگر اس پر قانونی کاروائی نہ کی جائے تو اسکی حیثیت عام عہد کی ہے جو نقصان کے خطرے سے بچنے کیلئے اکثر معاملات میں کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال جیسا کہ گاہک اور دکاندار کا لین دین میں وعدہ کرنا۔ دکاندار گاہک کو چیز منگوا کر دیتا ہے اور گاہک سے عہد لیتا ہے کہ وہ اسی سے خریدے گا کسی اور سے نہیں تاکہ اس کا نقصان نہ ہو تو اس میں قباحت نہیں۔ اس طرح کے معاہدے میں گاہک پابند تو ہوتا ہے کہ اپنا معاہدہ پورا کرے جس کی تلقین اسلام بھی کرتا ہے مگر اگر وہ کوتاہی کرے تو اس کے خلاف قانونی کاروائی نہیں ہوتی۔ بینک کا عہد بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔ اسلامی بینکنگ کے ماہرین یونٹس کی خرید و فروخت میں جو طریقہ کار بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

> ”بجائے اس کے کہ گاہک وعدہ کرے کہ وہ تمویل کنندہ کے یونٹس خریدے گا، تمویل کنندہ کو یہ وعدہ کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے یونٹس گاہک کو فروخت کر دے گا اور یہ وعدہ بھی یکطرفہ ہو گا یعنی

۱- اسلام کا اقتصادی نظام، طاہر اسلام عسکری، کورس کوڈ ۲۶۲۵، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۱۸ء، ص ۲۰۵

تمویل کنندہ کی تو یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے البتہ گاہک کو اختیار ہو گا کہ وہ خریداری کرے یا نہ کرے۔"[1]

مندرجہ بالا طریقہ کار کے مطابق بینک کے معاہدہ میں وعدہ یکطرفہ نوعیت کا ہے اور اسکی حیثیت قضاءلازم ہونے کی بھی نہیں ہوتی جس کی تائید مفتی تقی عثمانی کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ:

"غیر سودی بینکوں میں گاہک کی طرف سے جو التزام ہوتا ہے، اس میں یہ صراحت نہیں ہوتی کہ یہ التزام قضاء بھی لازم ہو گا، اور کم از کم میرے علم میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس میں یہ معاملہ عدالت تک پہنچا ہو اور وہاں سے اسکی ادائیگی کا فیصلہ ہوا ہو، لہذا اگر عدالت تک جائے بغیر اس پر عمل ہو رہا ہے تو اس میں کسی مذہب کے لحاظ سے بھی اشکال نہ ہونا چاہیئے۔"[2]

شرکت ملک کی دونوں بنیادی شرائط اس میں پوری ہوتی ہیں۔

- بیان کردہ تفصیل کے مطابق وعدہ لازم نہیں ہے۔
- فروختگی بازاری قیمت پر ہوتی ہے۔ جیسا کہ مؤیدین کا کہنا ہے کہ یونٹس خریدتے وقت کاروبار کی قیمت لگائی جائے گی۔[3] یعنی بازار کے ریٹ کے مطابق ہی یونٹس فروخت ہوں گے۔ اور یہی شرکت متناقصہ میں بینک کا طریقہ ہے۔

ناقدین کے مطابق شرکت متناقصہ کو عدم شراکت کہنا درست نہ ہو گا۔ کیونکہ علماء کی بیان کردہ آراء اور بینکنگ میں اس کے طریقہ کار کے مطابق اگر یہ خالصتا شراکت نہیں تو مثل شراکت ضرور ہے۔ لوگوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے اور کاروباری تعاون فراہم کرنے میں مثبت اقدام ضرور ہے تا کہ لوگ آسودہ حال زندگی بسر کر سکیں۔ ترقی پزیر ممالک میں اس طرح کے اقدام معاشی استحکام میں معاون رہتے ہیں۔ البتہ کوشش یہ کی جائے کہ کاروبار اور کمپنی کی سطح پر اس طریقہ کار کو زیادہ اپنایا جائے تا کہ شرکت عنان کی طرح عمل اور نفع کی شراکت داری ہو سکے جو کہ بینکنگ کا طریقہ کار بھی ہے۔ تا کہ اس میں اعتراضات اور اشکالات نہ رہیں۔ اس کے ضمن میں اگر بینک اپنے شئیرز فروخت بھی کرتا ہے تو اس میں شرعی قباحت نہ ہو گی۔ کیونکہ کمپنی کے شرکاء اپنے شئیرز فروخت کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

1- Understanding Islamic Financing, Muhammad Ayub, John Wiley & Sons Ltd, England, 2007, p.339.

۲- غیر سودی بینکاری، عثمانی، محمد تقی ،مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید مئی ۲۰۰۹ء- جمادی الاول ۱۴۳۰ھ، ص ۲۹۷

3- An Introduction to Islamic Finance, p.91.

یونٹس کی فروخت:

بینک شرکت متناقصہ کے تحت اپنے حصص کی فروخت کرنے کیلئے اسے چھوٹے یونٹس میں تقسیم کرتا ہے تاکہ صارف اگر یک مشت ساری قیمت پر خریداری نہ کر سکے تو اقساط میں حصص خرید کر مالک بن جائے۔ اس طرح بینک کو بھی اسکا سرمایہ واپس آجاتا ہے۔ یونٹس کی فروخت پر بھی ناقدین نے اعتراض کیا ہے۔ ناقدین کے ہاں یونٹس کی فروخت کیلئے بینک کو اپنے حصے کے سرمائے کی واپسی کیلئے کچھ صورتیں اختیار کرنی پڑ سکتی ہیں جو کہ شرعی اعتبار سے درست نہیں۔ جیسا کہ حافظ ذوالفقار علی[1] اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

- بینک لگائی گئی قیمت سے زیادہ کے بدلے میں بیچے تو یہ شراکت کے اصولوں کے خلاف ہے، کیونکہ شراکت نفع ونقصان میں شریک ہونا ہوتا ہے جبکہ یہاں گویا بینک نے اپنے راس المال کو نفع کے ساتھ لوٹانے کی ضمانت لی ہے۔
- اتنے کا ہی بیچے جس پر خود خریدا تو گویا قیمت اسمیہ پر خریدنے کا وعدہ کرنا ہے۔ قیمت اسمیہ(Face Value) پر خریداری شرعاً جائز ہے۔
- بازاری قیمت کے مطابق فروخت کرے تو اس میں غرر ہے۔ کیونکہ کلائنٹ سے خریدنے کا لازمی وعدہ لیا جاتا ہے جو کہ بیع کی شکل ہے اور اس شرط پر بیع کرنا کہ مستقبل میں بازاری قیمت پر خریدوں گا تو اس میں واضح غرر ہے۔
- خریدی گئی قیمت سے کم کے بدلے میں تو اس پر بینک رضامند نہ ہو گا۔[2]

اسلامی بینکنگ کے حاملین کی بھی یہی رائے ہے کہ شرکت متناقصہ میں فائنانسنگ یا تجارت وکاروبار کی صورت میں یونٹس کی پیشگی قیمت متعین کرنا درست نہیں ہے۔ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

> "Here the price of units of Financier cannot be fixed in the promise to purchase, because if the price is fixed before hand at the time of entering in to Musharakah, it will partially mean that the client has ensured the principal invested by the financier with or without profit, which is strictly prohibited in case of Musharakah."[3]

۱-حافظ ذوالفقار علی انتہائی جید عالم دین ہیں اور ابوہریرۃ شریعہ کالج لاہور میں شیخ الحدیث ہیں۔ انھوں نے دورِ حاضر کے مالی معاملات اور اسلامی بینکاری سے متعلقہ بے شمار علمی خدمات پیش کیں ہیں۔
https://shamilaurdu.com/book/al-bayan-maeeshat-number/485/ , visited on : 4, July, 2020 on 1:00pm.

۲- اسلامی بینکاری کی حقیقت، ذوالفقار علی، دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور، اگست ۲۰۰۸ء-شعبان ۱۴۲۹ھ، ص ۴۳

3- An Introduction to Islamic Finance, p.91

ترجمہ: یہاں (شرکت متناقصہ کی بنیاد پر تجارت و کاروبار میں) خریداری کے وعدے میں تمویل کنندہ کے یونٹس کی کوئی بھی قیمت متعین نہیں کی جاسکتی اس لئے کہ اگر مشارکہ میں شمولیت کے وقت یونٹس کی کوئی قیمت متعین کی جاسکتی ہے تو اس کالا محالہ مطلب یہ ہوگا کہ گاہک نے تمویل کنندہ کے لگائے ہوئے سرمائے کی واپسی کی بغیر نفع یا نفع کے ساتھ ضمانت دے دی ہے جو کہ مشارکہ جیسے معاملات میں سختی سے ممنوع ہے۔

یہ بات درست ہے کہ بینک اپنے یونٹس خود کم قیمت پر نہیں بیچے گا جو کہ بینک کی اپنی پالیسی بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ ان پر لگائے گئے سرمائے کی واپسی کی ضمانت لے سکتا ہے جو کہ سودی معاملہ ہوگا اور اسلامی بینکاری میں یہ درست نہیں۔ اسی بناء پر اسلامی بینکنگ کے حاملین نے پیشگی قیمت طے کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ جس وقت گاہک بینک کے یونٹس خریدنا چاہے اس وقت کاروبار کی قیمت لگوائی جائے اگر کاروبار کی قیمت بڑھ گئی ہو تو یونٹس کی قیمت بھی بڑھ جائے گی اور اگر قیمت کم ہوگی یونٹس کی قیمت بھی کم ہو جائے گی۔ بہر حال جو قیمت بھی لگے اسی پر یونٹس کی خرید و فروخت ہوگی۔[1]

ماہرین معاشیات کا کہنا ہے کہ:

"معاہدے کی ابتدا میں ہی ماہرین تجارت یا کوئی ادارہ تمویل کنندہ اور گاہک کے درمیان مرحلہ وار یونٹس کی خریداری پر کاروبار کی مالیت کا مجموعی اندازہ لگائے۔ ادارہ جو مالیت کاروبار کی متعین کرے گا اسی کے مطابق یونٹس کی خرید و فروخت ہو سکے گی۔"[2]

حاملین اسلامی بینکاری کی تجویز کے مطابق جب خریداری کے وقت قیمت طے کی جائے تو اس سے قیمت اسمیہ اور قیمت کی ضمانت دونوں کا احتمال باقی نہیں رہے گا۔ رہا بازاری قیمت پر غرر کا سوال تو جس وقت بینک کاروباری یونٹس کی قیمت لگائے گا تو اس میں اختیار ہوگا کہ جس کاروبار میں کلائنٹ شریک ہے وہ خود وہ حصص خرید لے یا بینک کسی اور پر بیچ کر اسے اس کاروبار کا شریک ٹھہرا دے۔ لہذا یہاں شرعی تقاضوں کا خیال رکھا جا رہا ہے تو مؤیدین کی رائے قابلِ ترجیح ہے۔

الصفقۃ فی الصفقۃ

بینکوں میں رائج شرکتِ متناقصہ کے طریقہ کار پر ناقدین کا یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ اس میں ایک ہی وقت میں کئی معاہدے ایک ساتھ ہو رہے ہوتے ہیں جو کہ شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں۔

1- An Introduction to Islamic Finance, p.91

2- Understanding Islamic Finance, p.339.

جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ))[1]

ترجمہ: آپ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیوع کرنے سے منع فرمایا۔

حدیث مبارکہ کی روشنی میں ناقدین شرکتِ متناقصہ میں تین عقود یعنی شرکتِ ملک، اجارہ اور بیع کو ایک ہی عقد میں ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیتے ہیں۔

مؤیدین کی اس بارے میں یہ رائے ہے کہ یہ تینوں معاملات اپنے اپنے وقت پر مستقل طور سے انجام پاتے ہیں اور اس میں ایک عقد میں دوسرے عقد کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔[2] گویا ان کے نزدیک اگر بینک ایک عقد کے مکمل ہونے پر دوسرا عقد شروع کر رہا ہے جیسا کہ اس میں بینک کا طریقہ ہے تو یہ آپس میں مشروط نہیں سمجھے جائیں گے، جس کے باعث اس میں کوئی شرعی قباحت لازم نہیں آئے گی۔

ناقدین اس میں قبل العقد بینک کی طرف سے حصص کے فروخت کرنے کے وعدے کی وجہ سے ان عقود کو ایک دوسرے سے الگ نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ معلق سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں اگر بینک وعدہ کرنے کے بعد اسے یقین دہانی سے پورا بھی کر رہا ہے تو یہ وعدہ شرط کے قائم مقام ہے کہ جسے پورا کرنا لازم ہے۔ تاہم مفتی احمد ممتاز[3] کچھ یوں رقم طراز ہیں کہ:

> "اگر شرط مقدم کو فریقین عقد کی بنیاد اور مدار سمجھتے ہوئے عقد کریں گے تو اس عقد کو شرط سے خالی نہیں سمجھا جائے گا۔ اگرچہ عقد لفظوں میں بلا شرط ہو، لیکن حقیقت میں اسی شرط کے ساتھ مقید ہو تو اس کا اعتبار ہو گا۔"[4]

۱- الموطأ، مالک، انس بن ابی عامر، موسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان للاعمال الخیریۃ والانسانیۃ، ابو ظہبی – الامارات، طبعہ اولیٰ ۱۴۲۵ھ–۲۰۰۴ء، کتاب البیوع، باب النہی عن بیعتین فی بیعۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۴، ۴/ ۹۵۷

۲- غیر سودی بینکاری، ص ۲۷۶

۳- مفتی احمد ممتاز جامعہ خلفائے راشدین سے منسلک ہیں۔ دینی مسائل سے متعلقہ کئی علمی خدمات پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مروجہ اسلامی بینکاری سے متعلقہ بھی تفصیلا اپنی آراء پیش کر چکے ہیں۔ دیکھیے: "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، احمد ممتاز، جامعہ خلفائے راشدین، کراچی، طبع دوم: دسمبر ۲۰۱۰ء– محرم الحرام ۱۴۳۲ھ، ص ۲۹

۴- ایضا، ص ۱۵۲

گویا ناقدین وعدے کو شرط فقہ کے اس قاعدے کی بنیاد پر مان رہے ہیں کہ:

"المعروف عرفا کالمشروط شرطا"[1]

ترجمہ: جو بات عرف میں مشہور و معروف ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی طے شدہ شرط ہوتی ہے۔

اسی کے مطابق ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عملی مشاہدے سے بینک اپنے وعدے پر سو فیصد قائم رہتا ہے لہذا یہ شرط ہے۔

اس پر مؤیدین کا جواب ہے کہ جو وعدہ عقد سے منفصل ہو اس پر شرط کے احکام جاری نہیں ہوتے۔[2] شرکتِ متناقصہ میں وعدہ شرط کی حیثیت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ اسلامی بینک اس کو پورا تو کرتے ہیں مگر یہ یک طرفہ ہوتا ہے اور اس کیلئے کوئی عدالتی کاروائی بھی نہیں ہوتی لہذا اسلامی بینکاری کے حاملین کے ہاں ایسا وعدہ لازم نہیں رہتا۔ تاہم یہ بات بھی سچ ہے کہ عملی مشاہدے میں کوئی ایسا معاملہ سامنے نہیں آیا کہ بینک نے وعدہ پورا نہ کیا ہو۔ اس پر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ شرط ہے تو مؤیدین کہتے ہیں کہ یہ شرط ایسی ہے کہ اس سے عقد خراب نہیں ہوتا۔ ان کی دلیل کہ:

احناف کے ہاں عام طور پر عقد کے ساتھ کوئی شرط لگانے سے وہ عقد فاسد ہو جاتا ہے، البتہ تین قسم کی شرطیں ہیں جو جائز ہیں اور عقد کو فاسد نہیں کرتیں۔ وہ تین یہ ہیں:

- جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو۔
- جو عقد کے ملائم ہو، جیسے رہن رکھنے یا کفالت یا حوالہ کی شرط۔
- وہ شرط جس پر عرف و تعامل ہو گیا ہو۔[3]

لہذا یہاں شرکتِ متناقصہ کا مقصد تعاون دینا ہے اور اس کو بخوبی طور پر سر انجام کرنے کیلئے وعدہ کا تذکرہ ہوتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں اور مؤیدین کی رائے درست ہے۔ کیونکہ احناف کی رائے ہے کہ عہد اور وعدے لوگوں کی حاجت کیلئے ضروری قرار دیئے جاتے ہیں۔[4]

۱- شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ، اتاسی، محمد خالد، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، سن ندارت، ص ۱۶

۲- غیر سودی بینکاری، ص ۲۷۶

۳- ایضا، ص ۲۴۲

۴- الدر المختار، الحصکفی، محمد بن علی، دار الکتب العلمیہ، طبع اولی ۱۴۲۳ھ - ۲۰۰۲ء، ۵ / ۸۴

بینچ مارک کا غیر مساوی استعمال

شرکتِ متناقصہ میں ایک اعتراض یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ اس میں جو شرح منافع رکھی جاتی ہے وہ سودی ہے۔ اور ہاؤس فائنانسنگ میں شرح منافع کو علاقہ کی بنیاد پر ہونا چاہیئے نہ کہ شرح سود کی بنیاد پر۔ کیونکہ اگر ایک شخص اسلام آباد میں ہوم فائنانسنگ لے رہا ہے اور ایک لاہور میں تو ان دونوں کے کرایہ میں بہت فرق ہوگا تو بینک ان دونوں سے ایک ہی کرایہ کی رقم کیسے لے سکتا ہے؟[1] گویا ناقدین کے ہاں یہ بینچ مارک کا غیر مساوی استعمال ہے۔

ناقدین کا یہ کہنا درست ہے کہ بینک ہر علاقہ میں ہاؤس فائنانسنگ میں کرایہ ایک جیسا متعین نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بات بھی ہے کہ بینک مہران (Mehran) اور ایکس ایل آئی (XLI) گاڑی کیلئے کرایہ ایک جیسا نہیں رکھے گا۔ یہ کرائے گاڑیوں کے ماڈلز اور قیمتوں کے مطابق متعین کئے جاتے ہیں۔ اور بعد میں سودی بینچ مارک سے اسے متصل کر لیا جاتا ہے تا کہ آئندہ کرایہ میں ہونے والے فرق کا حساب کیا جا سکے۔ اسی طرح بینک اگر مختلف شہروں میں گھروں کا کرایہ ان کی لاگت اور ویلیو کے مطابق جیسا کہ اسلام آباد میں فلیٹ کا کرایہ ۷۰ ہزار ماہانہ اور راولپنڈی میں فلیٹ کا کرایہ ۵۰ ہزار ماہانہ طے کریں تو آئندہ دنوں میں ہونے والے فرق کو معلوم کرنے کیلئے اسے سودی شرح سے منسلک کریں گے تا کہ پتا چلے کہ آئندہ کرایہ پر ۶ فیصد اضافہ لگایا جائے یا دس فیصد، جتنی باقی چیزوں میں مہنگائی ہوگی تو اس حساب سے کرایہ میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا تو اس سے عدم مساوات کی خرابی لازم نہیں آئے گی۔ کیونکہ بازار میں ہر چیز کا ریٹ اگر افراط زر یا تفریط زر سے جوڑنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ تمام اشیاء کیلئے ایک ہی ریٹ طے کیا جا رہا ہے اور مہنگائی کی صورت میں سبزی اور چکن کا ایک ہی ریٹ ہوگا۔ افراط زر کی صورت میں ہر چیز کے ریٹ میں اضافہ اپنی اپنی قیمتوں کے حساب سے ہی ہوگا۔

خطرات کے عنصر مفقود ہونا

اسلامی اور روایتی بینکاری میں بنیادی فرق خطرات برداشت کرنے کا ہوتا ہے۔ روایتی بینکوں میں بینک ذمہ داری کو قبول نہیں کرتا بلکہ صرف قرض فراہم کرتا ہے یا فائنانسنگ کی صورت میں چیز حوالے کر کے تمام تر ذمہ داری صارف پر ڈال دیتا ہے۔ تاہم اسلامی بینکوں پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ بھی فائنانسنگ کرتے وقت سودی بینکوں کی طرح متعین نفع وصول کرتے ہیں۔[2] شرکت متناقصہ پر بھی یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس میں رسک نہیں

۱- اسلامی ہاؤس فنانسنگ کے مروجہ طریقے اور مشکلات کا جائزہ- پاکستان کے تناظر میں، ص ۶۲

۲- اسلامی بینکاری کا ایک تعارف، عثمانی، محمد عمران، اشرف، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ص ۱۷

ہے اور محض نفع کمانا مقصود ہے۔ جیسا کہ اگر شراکت پر کاروبار شروع ہو تو وہ خطرات سے خالی نہیں ہوتا اس میں نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر بینک شراکت پر سرمایہ فراہم کرے تو بحیثیت شریک وہ مسلسل رسک میں رہے گا کیونکہ جہاں نفع کی امید ہو گی وہاں پر نقصان ہو جانے کا بھی خطرہ ہو گا۔ جبکہ شرکت متناقصہ کی صورتحال مختلف ہے۔ اس میں بھی صارف کی ضرورت کو شراکت کے ضمن میں پورا کیا جاتا ہے تو بنیادی مقصد فائنانسنگ ہی ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میں رسک یعنی نقصان کا احتمال ہے کہ نہیں؟ کہاں کہاں ہے؟ اور کس حد تک ہے؟ کہ جس پر یہ معاملہ شرعی اعتبار سے درست سمجھا جائے۔ اس کیلئے بینک کی جانب سے شرکت متناقصہ کے ذیل میں طریقہ کار کو دیکھنا ضروری ہے۔

بینک صارف کی ڈیمانڈ پر شرکت متناقصہ کے ذریعے فائنانسنگ کرے گا تو پہلے وہ چیز اپنی ذمہ داری پر خود خریدے گا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کارخانے کیلئے مشینری بینک کے ذریعے چائنہ سے منگوانا چاہتا ہے تو بینک چائنہ میں مطلوبہ کمپنی سے رابطہ کر کے اس مشینری کی بکنگ اور ادائیگی کرے گا۔ کمپنی آڈر وصول کر کے سامان فراہمی کیلئے تیار کر کے بینک کو اطلاع کرے گا کہ وہ سامان لے جائے۔ اب کیونکہ مطلوبہ کمپنی سے رابطہ، چیز کی خریداری کیلئے خواہش اور قیمت کی ادائیگی یہ سب بینک کی جانب سے ہی ہو گا تو بینک ہی خریدار ہے۔ اب اس چیز کی تمام تر ملکیت بینک کے پاس ہے اور اسکا نفع و نقصان بھی بینک کا ہی ہو گا جب تک کہ بینک اسے آگے صارف کو فروخت نہ کر دے۔ یہاں پر مطلوبہ چیز کی وصولی کے بعد بینک اسے صارف کے حوالے کرے گا اور اسکی قیمت کو یونٹس میں تقسیم کرے گا جسکی وصولی اقساط میں صارف سے کرتا رہے گا۔ اس دوران بینک کی اس چیز میں شراکت جس حد تک ہو گی بینک اتنا ہی رسک اٹھائے گا۔

مندرجہ بالا وضاحت سے یہ بات تو واضح ہوتی ہے کہ شرکت متناقصہ رسک سے خالی نہیں ہے یہاں پر رسک دو اعتبار سے ثابت ہوتا ہے:

- بینک کا آڈر کروانے پر صارف کو حوالہ کرنے تک تمام تر رسک اٹھانا۔
- صارف کو چیز حوالے کرنے کے بعد اپنے حصے کے بقدر رسک برداشت کرنا۔

پہلی صورت میں رسک کمپنی سے آڈر وصول کرنے کے بعد صارف کے حوالے کرنے تک ہے۔ بینک اس پر کس حد تک انحصار کرتا ہے تو اب یہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کمپنی سے آڈر کئے جانے والے سامان کی وصولی کس طرح ہو گی؟ یہ تین طرح سے کی جاسکتی ہے:

۱. کمپنی بینک کے پتہ پر آڈر کی ترسیل کروا دے اور اس پر چارجز وصول کر لے۔

۲. بینک اپنا نمائندہ بطور وکیل بھیج دے اور اسے اس کام کا کمیشن دے۔

۳۔ صارف کو مطلوبہ چیز کی وصولی کیلئے بھیج دے۔

پہلی اور دوسری صورت میں چیز بینک میں آجانے کے بعد صارف کو اطلاع کی جائے گی کہ اسکا مطلوبہ سامان بینک میں موجود ہے وہ آکر موصول کر لے۔ صارف کے آنے پر بینک سامان صارف کے حوالے کر کے اس سے معاہدہ طے کرے گا۔ عین ممکن ہے کہ اس میں دو چار دن گزر جائیں تو اس دوران بینک کا رسک اٹھانا بھی یقینی ہے۔ جبکہ اسلامی بینک تیسری صورت پر انحصار کرتے ہیں وہ کلائنٹ کو ہی بطور وکیل سامان کی وصولی کیلئے بھیج دیتے ہیں۔ جیسا کہ بینک مرابحہ اور اجارہ میں کرتا ہے۔[1] بینک صارف سے Agency Agreement کرتے ہوئے اسے اپنا وکیل مقرر کرتا ہے کہ وہ بینک کی وکالت میں جا کر مطلوبہ سامان خرید لے۔ کلائنٹ آڈر وصول کر کے بینک کو اطلاع دیتا ہے کہ مطلوبہ سامان موصول کر لیا ہے اور وہ بینک سے شرکت متناقصہ کے معاہدے کی بھی درخواست کر لیتا ہے۔ اب چونکہ یہ تمام طریقہ کار آن لائن پورا ہوتا ہے تو بینک کو آڈر کی موصولی کی اطلاع اور اس کی جانب سے معاہدے کی رضامندی بیک وقت ہو جانے پر گویا بینک کا رسک زیرو رہا۔

رسک کی دوسری صورت صارف اور بینک کے درمیان معاہدہ ہو جانے کے بعد ہے۔ جب بینک اور صارف آپس میں شرکت متناقصہ کا معاہدہ طے کر لیتے ہیں تو وہ اپنے اپنے حصے کے مطابق اس سامان میں شراکت رکھتے ہیں جس میں اس وقت بینک زیادہ حصے کا مالک ہوتا ہے اور صارف بہت کم حصے کا۔ اس میں دونوں ہی اپنے حصے کے بقدر رسک اٹھاتے ہیں مثال کے طور پر مشین کی ایک حصہ قیمت صارف نے بینک کو معاہدے کے وقت ادا کی جبکہ بینک نے نو حصہ کی تو اس کو نقصان ہونے پر صارف کا ۱۰ فیصد اور بینک کا ۹۰ فیصد نقصان ہو گا۔ بینک صارف سے مزید رقم بطور ازالہ وصول نہیں کر سکتا۔ اسی طرح صارف جوں جوں بینک سے اس کے حصص خریدتا جاتا ہے تو صارف کا رسک بھی بڑھتا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے مقابل میں بینک کا اپنے حصص کے ساتھ ساتھ رسک بھی کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں پر بینک اور صارف دونوں کا ساتھ ساتھ رسک میں رہنا معاہدے کو شرعی اعتبار سے درست بناتا ہے۔ کیونکہ اسلامی بینکنگ کے معاملات اسی وجہ سے جائز ہوتے ہیں کہ جب ان میں رسک کا عنصر موجود ہو۔

اسلامی بینکوں میں شرکت متناقصہ میں رسک کا عنصر موجود ہے مگر یہ عنصر صارف کے ساتھ معاہدہ طے ہونے پر دکھائی دیتا ہے۔ معاہدے سے پہلے بینک کا مطلوبہ سامان پر رسک بہت محدود ہے۔ صارف کا بطور وکیل سامان پر قبضہ اور بینک کے ساتھ اسکا معاہدہ چند گھنٹوں کے اندر ہو جانا رسک کو ختم کرنے کے مترادف ہے۔ بینک کو یہاں پر بھی رسک یقینی بنانے کی ضرورت ہے۔

1- "مروجہ اسلامی بینکوں کے ذرائع تمویل (مروجہ مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ) کی شرعی حیثیت"، retrived from : http://forum.mohaddis.com/threads/38085 , visited on 1,Nov,2019 at 6:40pm.

اگر یہ کہا جائے کہ بینک کیلئے سامان پر براہ راست ملکیت حاصل کرنا ممکن نہیں جس کی وجوہات یہ ہو سکتی ہیں کہ:

- بینک آڈر کی ترسیل کروائے تو اضافی چارجز ادا کرنے ہوں گے۔
- وکیل مقرر کرے تو اس کا کمیشن دینا ہو گا۔

یہ بات قابل تسلیم ہے کہ مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں بینک اضافی اخراجات برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر بینک ایسی صورتیں اپناتا بھی ہے تو صارف پر یہ اضافی اخراجات اسکے سامان کی قیمت میں شامل کر کے ڈالے گا جس سے صارف پر بوجھ بڑھ جائے گا۔ لہذا اگر بینک صارف کو ہی بطور وکیل بھیج کر ملکیت حاصل کرتا ہے تو پھر بینک کو چاہیئے کہ اس کے بعد صارف کی طرف سے مطلوبہ سامان پر معاہدہ کی درخواست کو دو، تین دن ملتوی رکھے اور اس پر فوری رضامندی نہ دے تاکہ یہاں پر بھی رسک کا عنصر ثابت ہو۔

خلاصہ بحث

باب ہذا شراکت کے بیان کے متعلق ہے۔ مال اور محنت سے کسی کاروبار کو مشترکہ طور پر چلانا عقدِ شراکت ہے جس میں تمام شرکاء کی جانب سے رضامندی سے یہ منعقد ہوتا ہے۔ شراکت میں عقد کے وقت ہی نفع طے کرنا ضروری ہوتا ہے جو کہ مقررہ تناسب یعنی ۱۰ فیصد، ۲۰ فیصد، ۵۰ فیصد وغیرہ کی صورت میں طے کیا جاتا ہے۔ اگر نفع لینے کیلئے متعین رقم یعنی ۱۰ ہزار، ۲۰ ہزار یا ۵۰ ہزار کی شرط لگائی گئی تو اس سے عقد درست نہ ہو گا۔ نفع کا تناسب کم یا زیادہ رکھا جا سکتا ہے مگر نقصان میں شرکاء اپنے حصص کے مطابق ہی شریک ہوتے ہیں۔ شرکاء کی جانب سے معاہدہ ختم کرنے کا مکمل اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہیں معاہدہ ختم کر دیں۔ اسی طرح کسی فریق کے مر جانے سے بھی اس کی شراکت ختم ہو جائے گی البتہ اس کے ورثاء معاہدہ کی تجدید کریں تو عقد قائم رہ سکتا ہے۔ تاہم کوئی فریق مرتد ہو گیا تو شراکت باقی نہ رہے گی۔

مندرجہ بالا اصولوں پر عصرِ حاضر میں بینکوں کے ساتھ طبی، تعلیمی، زرعی و صنعتی کاروبار میں شراکت کرنا جائز ہے۔ بینک بطور وکیل شرکاء کی جانب سے سرمایہ صَرف کرتا ہے اس کیلئے وہ کاروباری سرگرمیوں کا بغور مشاہدہ کرنے کے بعد رقم لگاتا ہے اور شراکت سے متعلقہ تمام امور کا مکمل ریکارڈ رکھتا ہے، تاکہ تمام طریقہ کار میں جہالت و ابہام اور نقصان جیسی خرابیاں پیدا نہ ہوں۔ البتہ فی الحال اسلامی بینکوں میں شراکت کا تناسب دوسرے طریقہ ہائے تمویل کی نسبت کم ہے جس کی اہم وجہ سرمایہ داروں اور کاروباری لوگوں کا اسلامی بینکوں میں سرمایہ کاری کرنے کا عدم رجحان ہے۔

اسلامی بینکوں میں شراکت کی مروجہ صورت شرکتِ متناقصہ بھی رائج ہے۔ شرکتِ متناقصہ کا تناسب شراکت سے زیادہ ہوتا ہے مگر اس کے متعلق ناقدین نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ تاہم باب میں بیان کردہ مختلف آراء اور ان کے تجزیہ سے اس کا جواز درج ذیل صورتوں میں ملتا ہے:

۱- شرکتِ متناقصہ میں شراکت اور اجارہ دونوں عقد الگ الگ ہوتے ہیں۔ بینک اثاثہ میں صارف کے ساتھ شراکت کرنے کے بعد ہر ماہ اپنے حصص کو تھوڑا تھوڑا کر کے اسے فروخت کرتا ہے اور اجارہ کے عقد سے بینک اپنے حصص کے بقدر صارف سے اثاثہ کے کرایہ کی وصولی کرتا رہتا ہے۔ جب مدت ختم ہوتی ہے تو وہی اثاثہ الگ معاہدے کے تحت اسے دے دیتا ہے۔ یہ تمام معاہدے جدا جدا ہوتے ہیں تو اس میں ایک عقد کے اندر دو معاہدوں کی صورت پیدا نہیں ہوتی جس سے شریعت ممانعت کرتی ہے۔

۲- حصص کی فروخت کے وقت یونٹس کی قیمت لگانے کیلئے مارکیٹ ویلیو دیکھی جاتی ہے۔اس کیلئے سودی بینکوں کے شرح معیار کے پیمانے بینچ مارک کا استعمال ہوتا ہے۔ ریٹ کا اندازہ کرنے کیلئے کے اثاثہ کی مارکیٹ میں کیا مانگ ہے تو اس میں قباحت نہیں۔ تاہم اس سلسلے میں حکومت اور بینکوں کو اسلامی بینکاری کی مارکیٹ کو توسیع دینے کی ضرورت ہے کہ وہ ماہرین کی مدد حاصل کرتے ہوئے شرح معیار طے کرنے کیلئے اپنا پیمانہ پیش کر سکیں۔

۳- اسلامی طریقہ ہائے تمویلات میں خطرات کا عنصر ہی عقود کو جائز قرار دیتا ہے۔ ایسا کاروبار جس میں نقصان کا احتمال نہ ہو بلکہ سراسر منافع کی گارنٹی ہو تو درست نہیں۔ شرکتِ متناقصہ میں بھی بینک شراکت کے بعد اثاثہ کا نقصان اپنے حصص کے بقدر برداشت کرتا ہے مگر اس عقد سے پہلے اثاثہ خریدتے وقت اس کی ملکیت لیتا ہے تو اس میں رسک نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسے ہی بینک اس کی ملکیت لیتا ہے تو فوراً انٹرنیٹ کے ذریعے صارف کے ساتھ شرکت متناقصہ کا معاہدہ منظور کر لیتا ہے۔ گویا مطلوبہ اثاثہ کی ملکیت کے وقت بینک کا اثاثہ سے متعلق خطرات کا عنصر مفقود رہا، بینک کو اس مرحلے میں بھی اس بات کو یقینی بنانے کیلئے اگلے معاہدے کی درخواست کو کچھ دن ملتوی رکھنا چاہیئے۔

باب سوم

اسلامی بینکوں میں رائج مضاربت

فصل اول: مضاربت: معنی و مفہوم اور اصول وضوابط

فصل دوم: مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے موَیدین کی آراء

فصل سوم: مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

فصل اول

مضاربت: معنی و مفہوم اور اصول و ضوابط

مضاربت کے لغوی معنی:

مضاربت کیلئے عربی میں مضاربۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو کہ مفاعلہ کے وزن پر ہے۔ یہ فعل ضرب سے ماخوذ ہے۔ اسکا مادہ (ض-ر-ب) ہے جس کے معروف معنی "ضرب لگانا" یعنی ہاتھ، لاٹھی اور تلوار وغیرہ سے مارنا۔[1]

ضرب کے حقیقی معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر واقع کرنا یعنی مارنا کے ہیں اور مختلف اعتبارات سے یہ لفظ قرآن مجید میں بہت سے معانی میں استعمال ہوتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

ہاتھ لاٹھی تلوار وغیرہ سے مارنا:

قرآن میں یہ لفظ متعدد بار ضرب لگانے اور مارنے کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ غزوہ بدر کے موقع پر فرشتوں کو کفار کے بارے میں بارے میں حکم دیا کہ:

﴿فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾[2]

ترجمہ: پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوٹ لگاؤ۔

جہاد میں کفار کو کسی بھی قسم کی رعایت دینے کی ممانعت فرمائی گئی اور انھیں مارنے کا حکم دیا گیا۔ اس کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا:

﴿فَضَرْبَ الرِّقَابِ﴾[3]

ترجمہ: تو انکی گردنین اڑادو۔

بنی اسرائیل میں قتل کا معاملہ پیش آیا تو اللہ نے انھیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا کہ اس کے عضو کو مقتول کے ساتھ مارا جائے تو وہ بحکمِ خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتادے گا۔ یہ حکم یوں ہے کہ:

۱- لسان العرب، ۸/ ۳۶

۲- سورۃ الانفال:۸/ ۱۲

۳- سورۃ محمد:۴۷/ ۴

﴿فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا﴾[1]

ترجمہ: تو ہم نے کہا کہ اس (بیل کا) ٹکڑا مقتول کو مارو۔

بنی اسرائیل کو صحرائے سینا میں پانی نہ ملا تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ:

﴿أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾[2]

ترجمہ: اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔

بیوی سرکشی کرے تو قرآن میں اسے تنبیہی کرنے کے طریقے بتائے گئے کہ اگر وہ سمجھانے اور بستر الگ کرنے سے باز نہ آئے تو اسے معمولی مار پیٹ کی جاسکتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ﴾[3]

ترجمہ: انھیں سمجھاؤ اور بستر میں انھیں جدا کر دو اور مارو۔

ابراھیم علیہ السلام کے بتوں کے توڑنے کے واقع کو قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ:

﴿فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ﴾[4]

ترجمہ: پھر ان کو داہنے ہاتھ سے مارنا اور توڑنا شروع کیا۔

کفار کی موت کے وقت فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں تو قرآن انھیں تنبیہی کرنے کیلئے یہ حال یوں بیان کرتا ہے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ﴾[5]

ترجمہ: پھر کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہوں گے اور ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہوں گے۔

۱- سورۃ البقرۃ:۲/ ۷۳

۲- سورۃ الاعراف:۷/ ۱۶۰

۳- سورۃ النساء:۴/ ۳۴

۴- سورۃ الصافات:۳۷/ ۹۳

۵- سورۃ محمد:۴۷/ ۲۷

زمین میں سفر کرنے کے معنیٰ میں:

قرآنِ مجید کے چند مقامات پر یہ لفظ زمین میں سفر کرنے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ حقیقی معنیٰ کے ساتھ اس کی نسبت یہ ہے کہ انسان پیدل چلتے وقت زمین پر پاؤں مارتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾[1]

ترجمہ: اور جب سفر کو جاؤ۔

مذکورہ آیت میں بیان کیا گیا کہ جب حالتِ سفر میں ہو تو اللہ کی طرف سے رخصت کو قبول کرتے ہوئے قصر نماز پڑھ لیا کرو۔

مسلمانوں کو جہاد پر جانے سے روکنے کیلئے کفار کے طرزِ عمل کو یوں بیان کرتا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کافر ہوئے اور جب ان کے مسلمان بھائی خدا کی راہ میں سفر کریں یا جہاد پر جائیں تو ان کی نسبت کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔

قرآن دینی کاموں میں مشغول لوگوں کو صدقات سے مدد کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ﴾[3]

ترجمہ: اور ملک میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ یعنی روزی اور زرق کی تلاش کیلئے خود نہیں نکل سکتے۔

یہ لفظ قرآن میں متعدد مقامات پر مجازی معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ:

بیانِ امثلہ کے لیے:

قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد بار مثال بیان کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾[4]

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے بڑھ کر کسی (حقیر) چیز کی ہو۔

۱- سورۃ النساء: ۴/ ۱۰۱

۲- سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۵۶

۳- سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۷۳

۴- ایضاً: ۲/ ۲۶

درج بالا آیتِ مبارکہ کفار کے اعتراض کا جواب ہے کہ جب انھوں نے کہا کہ جب اللہ مالک الملک اور سب سے بڑا ہے تو وہ پھر اپنی کتاب میں مکھی اور مکڑی جیسی حقیر چیزوں کی مثال کیوں بیان کرتا ہے، تو اللہ نے فرمایا کہ ضرورت پڑنے پر تو وہ مچھر یا اس سے بھی کمتر چیز کی مثال دے سکتا ہے۔[1]

اللہ نے توحید اور کفر کے درمیان فرق کو ایک مثال سے بیان کرنے کیلئے فرمایا:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَاۗءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا﴾[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی ایک غلام کی جس میں کئی ضدی شریک ہوں اور ایک غلام سالم ایک ہی شخص کا ہو۔ کیا دونوں کی حالت برابر ہو سکتی ہے؟

مراد کہ ایک غلام کے متعدد مالک ہوں تو وہ اذیت میں ہی رہے گا۔ اور جس کا ایک ہی مالک ہو تو اس کی کیفیت اس کے برعکس ہوگی۔ اسی طرح اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو انسان بھی ایسی ہی دردناک حالت میں ہوتا۔

قرآن میں ایمان والوں کی نجات اور کامیابی کو فرعون کی بیوی آسیہ بنتِ مزاحم کی مثال دیتے ہوئے بیان کیا گیا۔ ادشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ﴾[3]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی کہ اے میرے رب! میرے لئے اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون سے نجات دے۔ (اللہ نے یہ دعا بسببِ ایمان قبول فرمائی)

درج بالا مثالوں کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کو مثال بیان کرنے کے لیے استعمال کیا ہے۔

مضاربت کی اصطلاحی تعریف:

"شركة في الربح بمال من رجل وعمل من آخر"[4]

۱- تیسیر القرآن، ۱/ ۵۵

۲- سورۃ الزمر: ۳۹/ ۲۹

۳- سورۃ التحریم: ٦٦/ ۱۱

۴- کتاب التعریفات، ۱/ ۲۱۸

ترجمہ: ایک شخص کی طرف سے مال اور دوسرے شخص کی طرف سے کام کی صورت میں نفع میں شرکت کرنا ہے۔

مختلف فقہاء کرام نے مضاربت کی اس تعریف میں مزید کچھ باتوں کا اضافہ کیا ہے۔ آئمہ اربعہ کی تعریفات درج ذیل ہیں۔

حنفیہ کے نقطہ نظر کے مطابق مضاربت:

صاحبِ ہدایہ مضاربت کی تعریف کرتے ہیں کہ:

""المضاربة عقد على الشركة بمال من أحد الجانبين" ومراده الشركة في الربح وهو يستحق بالمال من أحد الجانبين "والعمل من الجانب الآخر" ولا مضاربة بدونها؛ ألا ترى أن الربح لو شرط كله لرب المال كان بضاعة، ولو شرط جميعه للمضارب كان قرضا"[1]

ترجمہ: مضاربت ایک جانب سے مال کے ساتھ شرکت پر عقد ہے۔ اور اس سے مراد نفع میں شرکت ہے۔ اور یہ ایک طرف سے مال، اور دوسری طرف سے عمل پر ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ مضاربت نہیں ہوتی۔ اگر نفع سارے کا سارا رب المال کیلئے شرط ہو تو بضاعت ہے۔ اور اگر مضارب کیلئے ہو تو پھر قرض ہے۔

شافعیہ کے نقطہ نظر کے مطابق مضاربت:

شافعی مذہب سے احمد بن محمد مضاربت کی تعریف کرتے ہیں کہ:

"وحقيقة القراض شرعاً: عقد يعقد على النقدين؛ ليتصرف فيه بالبيع، والشراء على أن [ما يكون] في ذلك من ربح يكون بين المالك والعامل؛ إما نصفين، أو أثلاثاً، أو نحو ذلك كما شرطا"[2]

ترجمہ: اور شرعاً قراض کی حقیقت کہ یہ نقد پر منعقد معاہدہ ہے۔ کہ اس میں خرید و فروخت سے تصرف کرے اور اس پر جو منافع ہو وہ مالک اور عامل کے درمیان ہو نصف نصف، ثلث ثلث یا اسی طرح جو ان کے درمیان شرط ہو۔

مالکیہ کے نقطہ نظر کے مطابق مضاربت:

مشہور مالکی عبد الوہاب بغدادی مضاربت کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

۱- الہدایۃ، ۳/ ۲۰۰

۲- کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ، احمد بن محمد، دار الکتب العلمیۃ، طبعہ اولیٰ ۲۰۰۹ء، ۱۱/ ۹۴

"أن يدفع الرجل مالًا إلى غيره ليتجر فيه ويشتري ويبيع ويبتغي من فضل الله تعالى ويكون الربح بينهما على جزء يتفقان عليه من قليل أو كثير"[1]

ترجمہ: آدمی اپنامال کسی دوسرے کو دے کہ وہ اس میں تجارت کرے، اور خرید و فروخت کرے۔ اور جو بھی اللہ کے فضل سے کمائے وہ ان کے درمیان ہو گا اس حصے پر جو تھوڑا یا زیادہ ہو اور جس پر وہ راضی ہو جائیں۔

حنابلہ کے نقطہ نظر کے مطابق مضاربت:

ابنِ قدامہ مضاربت کی تعریف حسبِ ذیل کرتے ہیں۔

"وهو أن يدفع إنسان ماله إلى آخر يتجر فيه، والربح بينهما"[2]

ترجمہ: اور (مضاربت) یہ ہے کہ ایک انسان اپنامال دوسرے کو دے کہ وہ اس سے تجارت کرے اور نفع ان دونوں کے درمیان ہو۔

حاصلِ کلام

تمام تعریفات کی رو سے پتا چلتا ہے کہ مضاربت ایسا عقد ہے کہ جس میں ایک طرف سے مال اور دوسری طرف سے محنت ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ کچھ اصول بھی ہیں کہ:

- نفع عاقدین میں سے کسی ایک کیلئے خاص نہیں ہو سکتا۔
- تجارت اور خرید و فروخت مضارب کیلئے جائز ہے۔
- عاقدین کی رضامندی پر نفع کم یا زیادہ طے کیا جا سکتا ہے۔

مضاربت اور قرآنی احکام:

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللهِ﴾[3]

ترجمہ: اور کچھ اللہ کا فضل تلاش کرنے کیلئے زمین میں سفر کرتے ہیں۔

۱- المعونۃ علی مذہب عالم المدینۃ، البغدادی، عبد الوہاب بن علی، المکتبۃ التجاریۃ، مصطفٰی احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ص۱۱۱۹

۲- الکافی، ابنِ قدامۃ، عبد اللہ بن احمد، دار الکتب العلمیۃ، طبعہ اولیٰ ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء، ۲ / ۱۵۱

۳- سورۃ المزمل: ۷۳ / ۲۰

آیتِ مبارکہ قیام اللیل میں تخفیف سے متعلقہ ہے۔ حکم میں نرمی کی ایک وجہ رزق کی تلاش اور جدوجہد بھی ہے۔ جو کہ مذکورہ عبارت سے ظاہر ہے۔ کیونکہ مفسرین کرام نے یہاں "مِن فَضلِ اللہِ" سے مراد جائز اور حلال طریقوں سے رزق کمانا[1]، کسبِ حلال[2]، تجارت[3] اور تجارتی وکاروباری سفر ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک[4] مراد لیا ہے۔ اس آیت سے اس بات کا اثبات ہے کہ تجارتی امور اور کسبِ حلال کیلئے سفر کیا جاتا ہے۔ یہاں پر یہ حکم صریح طور پر تو مضاربت کیلئے نہیں ہے مگر ضمنی طور پر شامل ہے کیونکہ مضاربت تجارت کے ہی مثل ہے کیونکہ اس میں بھی وہ تمام امور شامل ہوتے ہیں جو تجارت میں ہوتے ہیں۔

مضاربت اور احادیث مبارکہ:

مضاربت کا اثبات احادیث مبارکہ سے بھی ملتا ہے۔ ذیل میں کچھ احادیث ہیں جو مضاربت سے متعلقہ ہیں۔

حدیثِ قولی:

رسول اللہ ﷺ نے مضاربت کو برکت کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ:

((ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ وَالْمُقَارَضَةُ وَأَخْلَاطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ لَا لِلْبَيْعِ))[5]

ترجمہ: تین چیزوں میں برکت ہے، پہلی یہ کہ مقررہ مدت کے وعدے پر بیع کرنے میں، دوسری مضاربت میں، تیسری گیہوں اور جو ملانے میں جو کہ گھر کے کھانے کیلئے ہو نہ کہ بیچنے کیلئے۔

نبی کریم ﷺ نے مضاربت کی نہ صرف اجازت دی بلکہ اسکی تلقین بھی فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ:

((وَبُعِثَ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – وَالنَّاسُ يَتَعَامَلُونَ بِالْمُضَارَبَةِ بَيْنَهُمْ فَأَقَرَّهُمْ

۱- تفہیم القرآن، ۶/ ۱۳۳

۲- تیسیر القرآن، ۴/ ۵۴۴

۳- تفسیر درِ منثور، سیوطی، جلال الدین، مترجم الازھری، محمد کرم شاہ، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، نومبر ۲۰۰۶ء، ۶/ ۷۶۳

۴- تفسیر احسن البیان، محمد صلاح الدین یوسف، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ، اگست ۲۰۱۱ء، ص۱۶۴۸

۵- سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب الشرکۃ والمضاربۃ، حدیث نمبر: ۲۲۸۹، ۲/ ۷۶۸

عَلَى ذَلِكَ وَنَدَبَهُمْ أَيْضًا إِلَيْهِ عَلَى مَا قَالَ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –: مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَهُوَ أَسِيرٌ فَأَعِينُوهُ يَا عِبَادَ اللَّهِ ضَارِبُوهُ دَايِنُوهُ))[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تو لوگ آپس میں مضاربت پر معاملات کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں اس کی اجازت دی اور انھیں اس پر یہ بھی تفویض کیا کہ جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی وہ مثل قیدی کے ہے۔ لہذا اے اللہ کے بندو! اس کے ساتھ مضاربت کرو، اسے قرض دو۔

مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے کہ عہدِ نبوی ﷺ میں مضاربت پر کاروبار کئے جاتے تھے۔ اور آپ ﷺ نے اسے بذاتِ خود پسند فرمایا اور اسے رزق میں کشادگی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اس بات کی تلقین فرمائی کہ آمدنی میں اضافہ کیلئے مضاربت کی جائے۔

حدیثِ فعلی:

مضاربت سنتِ نبوی سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا يَشْتَرِي بِهِ أُضْحِيَّةً، أَوْ شَاةً فَاشْتَرَى شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ كَانَ لَوِ اشْتَرَى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيهِ))[2]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے انھیں ایک دینار دیا کہ وہ اس کی ایک بکری خرید کر لے آئیں۔ انھوں نے اس دینار سے دو بکریاں خریدیں۔ پھر ایک بکری کو ایک دینار میں بیچ کر دینار بھی واپس کر دیا۔ اور بکری بھی پیش کر دی۔ آپ ﷺ نے اس پر ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ پھر تو ان کا یہ حال ہوا کہ اگر مٹی بھی خریدتے تو اس میں انھیں نفع ہو جاتا۔

حدیثِ مبارکہ مضاربت کے جواز پر دلالت کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے خود اس پر عمل کیا اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ باعثِ برکت بھی ہے۔

تعاملِ صحابہ:

مضاربت پر صحابہ کا عمل بھی ملتا ہے۔ حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَكِّي مَالَ الْيَتِيمِ وَيَسْتَقْرِضُ مِنْهُ وَيَدْفَعُهُ مُضَارَبَةً))[3]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ یتیم کے مال کو پاک کرتے اور اس سے قرض ادا کرتے اور اسے مضاربت پر دیتے تھے۔

۱- المبسوط، السرخسی، محمد بن احمد، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ - ۱۹۹۳ء، کتاب المضاربۃ، ۲۲/ ۱۹

۲- سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی المضارب یخالف، حدیث نمبر: ۳۳۸۴، ۳/ ۲۵۶

۳- سنن الدار قطنی، کتاب الزکاۃ، باب استقراض الوصی من مال الیتیم، حدیث نمبر: ۳، ۲/ ۱۱۱

دوسری جگہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((كَانَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِذَا دَفَعَ مَالًا مُضَارَبَةً اشْتَرَطَ عَلَى صَاحِبِهِ أَنْ لَا يَسْلُكَ بِهِ بَحْرًا، وَلَا يَنْزِلَ بِهِ وَادِيًا، وَلَا يَشْتَرِيَ بِهِ ذَاتَ كَبِدٍ رَطْبَةٍ، فَإِنْ فَعَلَ فَهُوَ ضَامِنٌ، فَرَفَعَ شَرْطَهُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَجَازَهُ))[1]

ترجمہ: عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ جب مال مضاربت پر دیتے تو صاحبِ مضاربت پر یہ شرط لگاتے کہ اسے لے کر سمندر میں نہ چلے اور نہ ہی کسی وادی میں جائے اور نہ ہی کوئی تر چیز خریدے۔ اگر ایسا کیا تو وہ ضامن ہو گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے بارے میں بتایا گیا تو انھوں نے اسے جائز قرار دیا۔

درج بالا روایات سے ثابت ہے کہ مضاربت صحابہ کرام اجمعین کا بھی طریقہ رہا ہے اور اس میں اگر نقصان کے احتمال سے بچنے کیلئے شرائط لگادی جائیں تو درست ہو گا۔

مضاربت کی اقسام

عقدِ مضاربت کی دو اقسام ہیں۔

۱- عقدِ مطلقہ ۲-عقدِ مقیدہ

- **عقدِ مطلقہ**

جب معاہدہ مطلقا کیا جائے اور اس میں رب المال کی جانب سے کسی متعین مدت، مقام، کام کرنے کی شرط نہ لگائی گئی ہو یعنی رب المال کی طرف سے یہ عام اجازت ہو کہ جو بھی کاروبار کرنا چاہے کرے مثلا موبائل کی دکان، کھولے یا لیب ٹاپ کی یا کرا کری کی، چاہے اسی شہر میں کرے یا کسی دوسرے شہر میں اور ایسی بھی شرط نہ ہو ایک، دو یا پانچ سال کیلئے کام کرے۔ تو یہ عقدِ مطلقہ ہو گا۔ مضارب کو اپنی مرضی سے کام کرنے کا اختیار ہو گا۔

- **عقدِ مقیدہ**

جب معاہدہ کسی شرائط کے تحت کیا جائے کہ اس میں معین زماں و مکان یا عمل کی قید ہو یعنی رب المال مضارب سے کہے کہ وہ ایک سال تک کام کرے گا، یا یوں کہے کہ وہ صرف راولپنڈی میں تجارت کرے گا، یا یہ شرط ہو کہ موبائل فون کی دکان کھولے گا اور اس میں صرف سیم سنگ کمپنی کے ہی موبائل رکھے گا۔ تو یہ عقدِ مقیدہ ہے۔ اور مضارب مقررہ شرائط کے تحت کام کرے گا اور ان سے تجاوز نہ کرے گا۔[2]

۱- سنن الدار قطنی، کتاب البیوع، باب ایضا، حدیث نمبر: ۲۹۰ ، ۳/ ۷۸

۲-الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۹۲۸

مضاربت کے اصول وضوابط

عقدِ مضاربت کے اصول وضوابط مندرجہ ذیل امور کے تحت بیان کئے جائیں گے۔

- معاہدہ
- نفع ونقصان
- عاقدین

ان امور سے متعلقہ احکام درج ذیل ہیں۔

معاہدہ سے متعلقہ احکام:

- **رأس المال موجود ہونا**

رأس المال موجود ہونا چاہیئے۔ اور معاہدہ کرتے وقت اگر مضارب پر دین (قرض) بھی ہو اور اسے کہا جائے کہ اسی مال سے ہی مضاربت شروع کرلے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس مال کی طرف مضاربت کی نسبت کی گئ ہے وہ رب المال نے وصول ہی نہیں کیا۔ تاہم زبیر نے اگر احمد کو دولاکھ روپے سے مضاربت کرنے کو کہا تو اسے یہ رقم اسے فراہم کرنا ہوگی۔ اگر یہ رقم احمد نے ادھار لی ہو اور ابھی تک واپس نہ کی ہو تو زبیر اسے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسی ادھار رقم سے مضاربت شروع کرلو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر دین مضارب پر ہو تو رب المال اسے وصول کرے اور پھر اسے مضارب کے حوالے کرے۔ اور اگر دین کسی اور پر ہو اور صاحبِ مال اس سے مضاربت کرنا چاہتا ہے تو وہ مضارب کو کہ سکتا ہے کہ وہ مال وصول کرکے مضاربت میں لگائے۔ یہاں رب المال نے مضارب کیلئے مال متعین کردیا جس کی وصولی وہ بحیثیت وکیل کرے گا۔[1]

- **رأس المال کا نقد ہونا**

مضاربت کیلئے ضروری ہے کہ رأس المال نقدی یعنی مروجہ کرنسی جیسا کہ روپیہ، ڈالر، پونڈ، یورو وغیرہ کی صورت میں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ عروض یعنی سامان کی صورت میں جائز نہیں۔

احناف اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"عروض واسباب ہمارے نزدیک رأس المال ہونے کے قابل نہیں۔"[2]

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۹۳

۲- اشرف الہدایہ، گنگوہی، محمد حنیف، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹ء، ۱۰/ ۱۴۲

عروض کے راَس المال کیلئے غیر موزوں ہونے میں جمہور دلیل دیتے ہیں کہ عروض کی صورت میں منافع سے اس کی تقسیم کے وقت یہ اندازہ لگانا کہ اصل مال کتنا تھا اور نفع کتنا ہوا۔ اس میں ابہام ہو گا، کیونکہ عروض کے بارے میں ہر ایک کا اپنا ہی ظن اور تخمینہ ہو گا جو کہ تنازعہ کا باعث ہے۔[1]

جیسا کہ عروض میں راَس المال کی جہالت نفع میں جہالت کا باعث ہونے سے یہ جائز نہیں۔ تاہم احناف ایک صورت یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر رب المال نے مضارب کو کوئی سامان دیا اور کہا کہ اسے فروخت کرو اور جو رقم حاصل ہو اس سے مضاربت کرو تو جائز ہو گا۔[2] اور یہ صورت اس اعتبار سے درست ہو گی کہ اگر چالیس من گندم دی ہو کہ اسے بیچ کر مضاربت کی جائے یہاں راَس المال کیلئے مراد عروض نہیں بلکہ وہ رقم ہو گی جو عروض کو بیچنے سے حاصل ہو گی۔

- **راَس المال معلوم ہونا**

راَس المال کی مقدار معلوم ہونی چاہیئے۔ کیونکہ راَس المال کی بنیاد پر ہی نفع کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اگر راَس المال مجہول ہو گا تو اس سے نفع کا مجہول ہونا لازم آئے گا۔[3] چونکہ عاقدین عقدِ مضاربت نفع کیلئے کرتے ہیں اور ان کے درمیان اس کی تقسیم کیلئے اسکا معلوم ہونا شرط ہے۔ مثال کے طور پر اگر عمر رب المال ہے تو اس نے ۶۰ فیصد منافع پر بکر کو کہا کہ وہ مضاربت کرے اور ۴۰ فیصد منافع اس کا ہو گا تو آخر میں منافع کی تقسیم کرنے کیلئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ اصل مال کتنا تھا جس سے مضاربت شروع کی گئی۔ اگر عمر نے آٹھ لاکھ دیئے اور دو لاکھ منافع ہوا تو اس طرح حساب لگانا آسان ہو گا کہ منافع میں سے ۶۰ فیصد کے حساب سے ایک لاکھ بیس ہزار عمر کے ہیں اور ۴۰ فیصد کے حساب سے اسی ہزار بکر کے۔

- **مضارب کو تصرف کا اختیار ہونا**

مضاربت کیلئے مضارب کو تصرف کا اختیار ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر نفع نہیں کمایا جا سکتا۔ جہاں نفع کمانا مقصود ہوتا ہے وہاں تصرف کا اختیار دینا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ گزشتہ باب میں شراکت کے اصول وضوابط میں یہ گزر چکا۔

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۹۳۲

۲- اشرف الہدایہ، ۱۰/ ۱۴۲

۳- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۹۳۳

- **رأس المال سپرد ہونا**

مضارب کو مال پوری طرح سپرد کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سے مال کو نہ روک کر رکھا جائے مثال کے پر اس پر کسی قسم کا رب المال یا اس کے اہلِ خانہ جیسا کہ باپ، بیٹے میں سے کسی کا قبضہ نہ ہو۔

"فلا بد من أن يخلص المال للعامل ليتمكن من التصرف فيه"[1]

ترجمہ: مال کا عامل کیلئے خالص ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس میں تصرف کر سکے۔

مضارب کو تجارتی تصرف کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات اسے تجارتی لین دین جلدی میں کرنے پڑ جاتے ہیں لہذا مال اس کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے کہ اسے کام میں رکاوٹ نہ ہو۔

- **رب المال کی مداخلت نہ ہونا**

رب المال کو مضارب کے ساتھ کام میں کسی قسم کی مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا وہ مضارب کے ساتھ اپنے کام کے کرنے کی شرط نہیں لگا سکتا۔ اور نہ ہی اسکا وکیل اپنے لئے ایسی شرط رکھ سکتا ہے کیونکہ وہ بھی رب المال کی طرف سے وکالت پر معمور ہے۔ ایسی شرائط مال پر رب المال کے قبضہ کو ثابت کرتی ہیں جو کہ اوپر بیان ہو چکا کہ یہ مضاربت کے اصولوں کے خلاف ہے مضاربت کیلئے مضارب کو تصرف کرنا پڑتا ہے تو اس طرح اسے کام میں رکاوٹ ہو گی۔ اس کے بر خلاف اگر عاقد خود مالک نہیں بلکہ کسی کا مال مضاربت پر دے تو اسکا کام کرنا مانع نہ ہو گا۔

فتاوی عالمگیری میں مذکور ہے کہ اگر عاقد ایسا ہو کہ مال خود مضاربت پر لے سکتا ہو تو اس نے اپنے کام کی شرط لگائی تو درست ہو گا۔ اگر خود مضاربت پر نہ لے سکتا ہو تو اس کیلئے کام کی شرط درست نہ ہو گی جیسا کہ رب المال کے غلام کا مالک کی طرف سے عقد کرنا اور ساتھ اپنے کام کی شرط لگانا ناجائز ہے۔[2]

نفع ونقصان سے متعلقہ احکام:

- **نفع میں حقدار ہونا**

مضاربت میں رب المال اور مضارب دونوں ہی حقدار ہوتے ہیں۔ یہ عقد بھی ایک شراکت ہی ہے جس میں مال ایک فریق کی طرف سے اور محنت دوسرے فریق کی طرف سے کی جاتی ہے۔ اگر رب المال عقد کے وقت ہی مضارب کیلئے نفع طے کر دے کہ اسے کتنے فیصد نفع ملے گا اور مضارب اس پر متفق ہو جائے تو جو نفع بھی ہو گا مضارب کو وہی ملے گا جو طے ہوا تھا۔ اور اگر ابتدا میں رب المال نفع نہ طے کرے اور عقد کر لے تو نفع حاصل ہونے

۱- الہدایۃ، ۳/۲۰۱

۲- فتاوی عالمگیری (مترجم)، ۶/۴۱۴

کی صورت میں وہ ان میں مشترک ہو گا۔ تاہم سارا نفع دونوں میں سے کوئی ایک نہیں رکھ سکتا۔ اگر کسی ایک نے سارا نفع لیا تو عقد باقی نہیں رہے گا۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ:

"الربح لو شرط کله لرب المال کان بضاعة، ولو شرط جمیعه للمضارب کان قرضا"[1]

ترجمہ: اگر سارا منافع رب المال کیلئے شرط ہوا تو بضاعت (محنت پر اجرت دینا لازم) ہے، اور اگر سارا منافع مضارب کیلئے شرط ہو تو یہ قرض ہے۔

الغرض اس قسم کی شرائط سے مضاربت کا عقد باقی نہیں رہتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے یعنی اس میں خرابی واقع ہوتی ہے جسے دور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ عقد اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نفع میں عاقدین شامل ہوں۔

- **منافع مبہم نہ ہونا**

منافع کا تعین کرنا ضروری ہے۔ بہتر ہے رب المال مضارب کیلئے نفع میں سے نصف یا تہائی یا دسواں حصہ عقد کے وقت ہی طے کر لے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ اگر رب المال نے نفع متعین کرتے وقت کہا کہ یہ مال آدھے پر یا آدھے کے ساتھ اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو استحسانا جائز ہے۔[2]

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر رب المال منافع متعین کرتے وقت ادھوری بات کرے اور اس میں ابہام نہ ہو تو بھی عقد کیلئے درست ہے۔ اگر اسکی بات میں ابہام ہو جیسا کہ مضارب سے کہے کہ نفع یا تو نصف ہے یا تہائی ہے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں بات مکمل ہونے کے باوجود مبہم ہے اور اس میں غرر ہے۔

- **منافع شائع ہونا**

منافع طے کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ نفع تناسب سے طے کیا جائے کہ رب المال کا نفع کتنے فیصد ہو گا اور مضارب کا کتنے فیصد۔ اس کیلئے متعین رقم طے کرنا درست نہیں یعنی رب المال یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہر ماہ پچاس ہزار میرا ہو گا۔ کیونکہ منافع اس کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی، اور ایسا بھی ممکن ہے کہ منافع پچاس ہزار ہی ہو اور مضارب کیلئے کچھ نہ رہے۔ نفع میں رب المال اور مضارب دونوں کا حقدار ہونا ضروری ہوتا ہے کسی ایک کی محرومی بھی عقد کو خراب کرتی ہے۔

- **منافع میں زائد مسمات دراہم کی شرط نہ ہونا**

منافع میں کسی کا اپنے لئے مخصوص طور پر زائد دراہم کی شرط لگانا صحیح نہیں۔ مثال کی طور پر رب المال مضارب

۱- الہدایۃ، ۳/۲۰۰

۲- فتاوٰی عالمگیری (ترجمہ)، ۶/ ۴۱۲

کو ایسا کہے کہ کام میں جو نفع ہو اس میں ۵۰ فیصد کے تم حقدار ہو مگر اس میں ہزار یا پچاس یا دس درھم زیادہ میرے ہوں گے تو یہ درست نہیں۔ اور اس سے عقد فاسد ہے۔

"فإن شرط زيادة عشرة فله أجر مثله، لفسادہ فلعله لا يربح إلا هذا القدر فتنقطع الشركة في الربح"[1]

ترجمہ: پس اگر دس درہم زائد کی شرط کی تو فسادِ مضاربت کی وجہ سے مضارب کیلئے اجرِ مثل (یعنی محنت کے بقدر اجرت دینا) ہو گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ نفع اسی قدر ہو تو نفع میں شرکت منقطع ہو جائے گی۔

ثابت ہوا کہ مخصوص دراہم کی شرط میں اس بات کا احتمال ہے کہ اگر رب المال نصف نفع لینے کے بعد اپنے زائد درہم وصول کرے تو مضارب کیلئے کچھ نہ رہے اور وہ محروم ہو جائے۔ لہٰذا اس طرح کی شرط پر عقد ختم ہو جائے گا اور مضارب کو اس کی محنت پر اجرت دی جائے گی۔

- **نقصان کی تلافی نفع سے ہونا**

مضاربت میں نقصان کی صورت میں پہلے نفع میں سے نقصان کو پورا کیا جائے گا پھر نفع تقسیم ہو گا یعنی اگر اسی ہزار نفع ہوا اور تیس ہزار کا نقصان بھی ہوا تو اس نقصان کو پورا کر کے باقی کے پچاس ہزار کو رب المال اور مضارب آپس میں طے شدہ تناسب سے تقسیم کریں گے۔ تاہم نقصان کی تلافی نفع سے ہی کی جائے گی کیونکہ نفع اصل مال کی بدولت ہی حاصل ہوا ہے اور اصل کے بغیر نفع کا وجود بھی ممکن نہیں۔

"لأن الربح تابع وصرف الهلاك إلى ما هو التبع أولى كما يصرف الهلاك إلى العفو في الزكاة"[2]

ترجمہ: کیونکہ نفع تابع ہے اور ہلاکت کو ایسی چیز کی طرف پھیرنا اولیٰ ہے جو تابع ہو۔ جیسا کہ نصابِ زکوٰۃ میں ہلاکت کو حصہ عفو کی جانب پھیرا جاتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اصل (راس المال) کے تلف شدہ حصہ کی تکمیل تابع (اس سے ہونے والے منافع) سے کی جاسکتی ہے۔ اگر نفع سے پہلے یا بعد میں نقصان رأس المال سے زیادہ ہو تو پھر اسکا ضمان رب المال پر ہی ہو گا کیونکہ مضارب کا عمل ہوتا ہے اور مال کا ذمہ اس پر نہیں ہوتا۔

۱- الہدایۃ، ۳/ ۲۰۰

۲- ایضاء ۳/ ۲۰۷

عاقدین سے متعلقہ احکام:

- **وکالت کا ہونا**

مضاربت کیلئے وکالت کا ہونا ضروری ہے۔ دلیل یہ ہے کہ:

"لأن المضارب يتصرف بأمر رب المال"[1]

ترجمہ: کیونکہ مضارب رب المال کے حکم سے تصرف کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مضارب رب المال کی طرف سے بحیثیت وکیل مقرر ہوتا ہے۔ لہذا رب المال میں موکل اور مضارب میں وکیل بننے کی صلاحیت موجود ہونی چاہیئے۔

- **رب المال کا مضارب کے اخراجات کا ذمہ دار ہونا**

کاروباری معاملات میں مضارب کو سفر کرنا ہو تو سفر کے اخراجات مثلاً کھانا پینا اور کرایہ وغیرہ رب المال کو برداشت کرنا ہوں گے یعنی اگر مضارب سامان اسلام آباد سے لاہور پہنچا رہا ہے تو راستے میں کھانے پینے اور کرائے کا خرچ رب المال کے ذمے ہے اور یہ مالِ مضاربت سے ہی پورے کئے جائیں گے۔ مضارب کیونکہ مضاربت میں پابند ہے تو اسکا نفقہ رب المال پر ہی ہو گا۔

صاحبِ ہدایہ کہتے ہیں کہ:

"أن النفقة تجب بإزاء الاحتباس كنفقة القاضي ونفقة المرأة"[2]

ترجمہ: نفقہ روکے جانے کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ جیسے قاضی اور بیوی[3] کا نفقہ۔

مضارب اگر خرچہ خود اٹھائے تو اس میں اسکا نقصان ہے کیونکہ مضارب تو نفع میں حقدار ہوتا ہے اور پہلے اس میں شبہ ہوتا ہے کہ نفع ہو گا بھی کہ نہیں۔

- **مضارب کا نقد و ادھار بیچنا**

مضارب نقد و ادھار دونوں طرح سے بیچ سکتا ہے۔ کچھ آئمہ نے اسے رب المال کے مقصود کی ضد قرار

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۹۳۱

۲ - الہدایۃ، ۳/۲۰۹

۳- (قاضی کا نفقہ بیت المال سے دیا جاتا ہے کیونکہ وہ عام لوگوں کے کام میں مشغول رہتا ہے اسی طرح بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر ہوتا ہے کہ وہ اس کی پابند ہوتی ہے۔)

دیتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔[1] مگر احناف کا کہنا ہے کہ:

"یجوز للمضارب أن یبیع بالنقد والنسیئة" لأن کل ذلك من صنیع التجار فینتظمه إطلاق العقد"[2]

ترجمہ: مضارب کیلئے نقد اور ادھار خریدنا اور بیچنا جائز ہے۔ کیانکہ یہ سب صنیعِ تجار (تجارت کے کاموں) میں سے ہے تو عقد کا اطلاق اسکو شامل ہو گا۔

وہ امور جو تجارت کو شامل ہیں تو وہ عقدِ مضاربت میں بھی جائز ہی ہوں گے۔ لہذا احناف کا قول ہی معتبر ہو گا۔

- **مضارب کا آگے مضاربت کرنا**

مضارب کا آگے مضاربت پر مال دینے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ رب المال کی اجازت سے دے۔ دوسری یہ کہ بغیر اجازت کے دے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

اجازت کے ساتھ: رب المال کی اجازت کے ساتھ مضارب کا مال آگے دینا درست ہے۔ البتہ اس صورت میں نفع کی تقسیم کیلئے رب المال کے قول کا اعتبار ہو گا۔ یہ درج ذیل ہو سکتے ہیں۔

- رب المال اگر کہے کہ جو نفع اللہ دے گا تو ہم میں نصفا نصف ہو گا۔ اور اسے آگے مضاربت کی اجازت بھی دے دی۔ مضارب نے وہ مال آگے تہائی نفع کی شرائط پر دیا تو اس صورت میں اگر نفع چھ سو روپے ہوا تو اس میں سے نصف یعنی تین سو روپے رب المال کے ہوں گے اور باقی میں تہائی یعنی ایک سو روپے مضارب اول اور دو تہائی یعنی دو سو روپے مضارب دوم کے ہوں گے۔
- اور اگر رب المال یہ کہے کہ جو نفع تم نے کمایا وہ تم میں اور مجھ میں نصف نصف ہو گا۔ مضارب نے آگے نصف پر مضاربت پر دے دیا۔ پھر اگر چھ سو روپے منافع ہوا تو اس میں سے نصف یعنی تین سو روپے مضارب دوم پہلے ہی لے لے گا۔ اور باقی تین سو روپے رب المال اور مضارب اول میں برابر تقسیم ہوں گے۔[3]

۱- اشرف الہدایہ، ۱۰/ ۱۷۷

۲- ایضا، ۳/ ۲۰۷

۳- الہدایۃ، ۳/ ۲۰۵

اجازت کے بغیر: اگر مضارب نے مال بلا اجازت آگے مضاربت پر دیا تو ایسا کرنا درست نہیں۔ اور اس پر ضمان دینا پڑے گا۔

فتاوی عالمگیری میں درج ہے کہ:

رب المال کو اختیار ہے چاہے اول سے اپنے رأس المال کی ضمان لے یا دوسرے سے ضمان لے۔ پس اگر اس نے اول سے ضمان لے لی تو اول وثانی میں مضاربت صحیح ہو گی۔ اور نفع دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہو گا۔ اور اگر اس نے ثانی سے ضمان لی تو وہ اول کی طرف رجوع کرے گا اور جس قدر اس نے ضمان میں دیا ہے وہ اس سے لے لے گا۔ اور اول وثانی میں مضاربت صحیح ہو گی۔ اور نفع دونوں میں موافق شرط کے مشترک ہو گا۔[1]

- **مضارب کو شرائط کا پابند ہونا**

رب المال اگر مضارب کیلئے کوئی خاص شرائط لگا دے کہ اس نے خاص شہر میں کام کرنا ہے یا خاص قسم کی تجارت کرنی ہے یعنی یہ کہے کہ اسلام آباد میں ہی کام کرنا ہے یا یوں کہے کہ صرف کریانہ سٹور ہی کھولنا ہے تو یہ عقد مقید ہو جائے گا اور مضارب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ شرائط کو مقید کرنے کیلئے ضروری ہے کہ صریح الفاظ بولے جائیں اور اس میں دوسرا کوئی احتمال نہ ہو۔

فتاوی عالمگیری میں ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ:

> "اگر مضاربت کے ساتھ ایسا لفظ ذکر کیا کہ جو مبتدا (جملے کا پہلا حصہ) نہیں ہو سکتا بلکہ کلام سابق پر ہی مبنی کیا جا سکے تو پھر اسی کلام پر ہی مبنی کیا جائے گا۔ مثال کے طور پر رب المال کا مضارب کو کہنا کہ "میں نے تجھے مال مضاربت پر دیا بشرطیکہ تو کوفہ میں کام کر" یا یہ کہے "تاکہ تو کوفہ میں کام کر" تو اس صورت میں مضاربت کوفہ کے ساتھ ہی مقید ہو گی۔ اور اگر ایسا ہو کہ جو لفظ مقید کرنے کیلئے ذکر کیا وہ مبتدا بن سکتا ہو تو اسے مبتدا قرار دیں گے۔ جیسا کہ رب المال کا کہنا کہ "میں نے تجھے مضاربت پر مال دیا اور تو کوفہ میں کام کر" تو یہاں یہ کوفہ پر منحصر ہونا ثابت نہ ہو گا بلکہ بطور مشورہ قرار دیا جائے گا۔"[2]

الغرض اگر صریح الفاظ ہوں اور شرط واضح ہو یعنی "بشرطیکہ یہ کہ" یا "تاکہ" کے الفاظ ہوں اور اس کے بعد کے جملے کو بیان کئے بغیر بات مکمل بھی نہ ہو جیسا کہ اوپر پیرا میں ان الفاظ کے ساتھ جملے ایک دوسرے کے ساتھ

۱- فتاوی عالمگیری (ترجمہ)، ۶/ ۴۳۱

۲ - ایضا، ۶/۴۲۹

مشروط ہیں تو اسی کے مطابق کام کرنا لازم ہو گا۔ اگر شرط کیلئے واضح الفاظ نہ ہوں اور بات کا انداز ایسا ہو کہ شرط نہ لگے بلکہ دونوں جملوں کو علیحدہ کیا جاسکے جیسا کہ یہ کہنا "میں نے تجھے مضاربت پر مال دیا اور تو کوفہ میں کام کر" اس میں دونوں جملے ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہیں ہیں اور پہلا اور دوسرا جملہ الگ الگ کر کے بھی بات مکمل ہو رہی ہے ،اس طرح مضارب کو اختیار ہو گا کہ چاہے اس کے مطابق کام کرے یا اپنی مرضی سے۔

- **خلافِ شرائط پر مضارب کا ضامن ہونا**

مضارب کے شرائط کے خلاف کام کرنے پر اگر نقصان ہو گیا تو اس کا ضمان اسی پر ہو گا یعنی رب المال نے موبائل فون کی دکان کھولنے کو کہا اور مضارب نے راس المال سے فروٹ کی دکان کھول دی۔ تاہم جتنا نقصان بھی ہوا اسے رب المال کو پورا کر کے دینا ہو گا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا کہ مضارب رب المال کی طرف سے رکھی گئی شرائط کا پابند ہوتا ہے۔

مضاربت کا اختتام:

مضاربت کا عقد مندرجہ ذیل صورتوں میں ختم ہو جاتا ہے۔

- مضاربت کا معاہدہ فسخ (ختم) کر دینے۔ اس فسخ کا علم عامل کو ہونا چاہیئے۔ اگر رب المال نے فسخ کیا اور مضارب کو علم نہ ہو سکا اور اس نے تصرف کر لیا تو جائز ہو گا۔
- مضارب کو تصرف سے روکنے سے۔ کیونکہ مضاربت میں مضارب کا تصرف شرط ہے۔
- مضارب کو معزول (ذمہ داری سے برطرف) کرنے سے۔
- عاقدین میں سے کسی کے مرنے سے۔ جمہور اسے وکالت پر قیاس کرتے ہیں کہ جیسے وکالت وکیل یا مؤکل کے مرنے سے باقی نہیں رہتی۔
- عاقدین میں سے کسی ایک کے مجنون ہونے سے۔ کیونکہ جنون اہلیت کو باطل کرتا ہے۔
- عاقدین میں سے کسی ایک کے مرتد (اسلام سے خارج) ہونے سے۔ کیونکہ مرتد شخص کا دار الحرب (کفار کی سرزمین میں) جانا بمنزلہ موت ہے۔ لیکن مرتد ہونے سے پہلے تک جو خرید و فروخت ہوئی وہ درست ہونے کی وجہ سے اسکا منافع عاقدین میں تقسیم ہو گا۔

- مضارب کے ہاتھوں مال ضائع ہونے۔ کیونکہ بلامال وہ خریدنے پر قادر نہیں ہو سکتا کہ اس سے تجارت شروع کر سکے۔[1]

ا- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۳۹۶۵/۵

فصل دوم

مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

مضاربت قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مشروع عمل ہے۔ جس کی مکمل تفصیل گزشتہ فصل میں بیان ہو چکی ہے۔ اس فصل میں مروجہ مضاربت اور اس کے جواز سے متعلقہ مؤیدین کی آراء کو زیرِ غور لایا جائے گا۔

مضاربت کا جواز اور آراء:

مال انسانی ضروریات میں شامل ہے۔ اس کے حصول کے ساتھ ساتھ اس میں نمو کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ ہر شخص صاحبِ مال نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر ایک کے پاس قابلیت ہوتی ہے۔ مضاربت میں صاحبِ مال کسی قابل اور ہنر مند شخص کی مہارتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مضاربت کے جواز اور اس کی ضرورت پر مختلف آراء موجود ہیں۔ فقہاء اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"الرَّدُّ بِالْعَيْبِ---- الْقَرْضِ وَالشَّرِكَةِ وَالصُّلْحِ---- وَالْمُضَارَبَةِ ، وَالْعَارِيَّةِ ، الْوَدِيعَةِ ، لِلْمَشَقَّةِ الْعَظِيمَةِ فِي أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ لَا يَنْتَفِعُ إلَّا بِمَا هُوَ مِلْكُهُ وَلَا يَسْتَوْفِي إلَّا مَنْ عَلَيْهِ حَقُّهُ ، وَلَا يَأْخُذُهُ إلَّا بِكَمَالِهِ وَلَا يَتَعَاطَى أُمُورَهُ إلَّا بِنَفْسِهِ، فَسَهُلَ الْأَمْرُ بِإِبَاحَةِ الِانْتِفَاعِ بِمِلْكِ الْغَيْرِ بِطَرِيقِ الْإِجَارَةِ ، وَالْإِعَارَةِ وَالْقَرْضِ، وَبِالِاسْتِعَانَةِ بِالْغَيْرِ وَكَالَةً وَإِيدَاعًا وَشَرِكَةً وَمُضَارَبَةً"[1]

ترجمہ: عیب کی وجہ سے مبیع کو واپس کرنا، قرض، شراکت، صلح، مضاربہ، عاریہ اور ودیعہ کو مشروع اس لیے قرار دیا گیا اگر یہ قرار دے دیا جاتا کہ ہر کوئی صرف اپنی ملکیتی چیز سے منتفع ہو سکتا ہے، جس کے ذمہ حق ہے صرف وہی ادا کر سکتا ہے۔ اپنے حق کو صرف کمال کے ساتھ لے سکتا ہے اور اپنے امور صرف خود ہی نپٹا سکتا ہے تو اس میں بڑی مشقت ہوتی۔ اس مشقت کی وجہ سے معاملات کو آسان بنا دیا گیا کہ ملک غیر سے منفعت کو اجارہ، عاریہ اور قرض کے ذریعے جائز کیا گیا اور دوسروں کی مدد سے معاملات کو وکالت، ودیعہ، شراکت اور مضاربہ کے ذریعے سرانجام دینے کو جائز قرار دیا گیا۔

عصرِ حاضر میں بھی ہر شخص مہارت اور ہنر نہیں رکھتا۔ کوئی بھی کاروبار کرنے یا اسے کامیابی سے چلانے کیلئے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی کاروباری معاونت میں شاہ ولی اللہ مضاربت کو بھی شامل کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ رقم طراز ہیں کہ:

"باہمی معاونت کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک مضاربت ہے۔ جو یہ ہے کہ مال ایک شخص

۱- الاشباہ والنظائر، ابن نجیم، زین العابدین بن ابراھیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۸ء، ص:۷۹ نیز دیکھئے: الاشباۃ والنظائر فی قواعد وفروع، السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۸ء، ۱/۱۶۰

کا ہو اور محنت دوسرے شخص کی ہو رضامندی کے ساتھ، فریقین کے اتفاق کے ساتھ نفع دونوں کے درمیان تقسیم ہو۔"[1]

اسلامی ماہرینِ بینکاری نے مروجہ مضاربت میں درج ذیل طریقے متعارف کروائے ہیں۔

مروجہ مضاربت میں حساب الیومی یا یومیہ پیداوار کا طریقہ کار (Daily Product)

اسلامی بینکوں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرتے ہوئے کھاتہ داروں کو یہ سہولت ہوتی ہے کہ وہ اپنی رقم کرنٹ اکاؤنٹ (Current Account) میں رکھوا دیں کہ جب چاہیں بینک میں رقم جمع کروائیں اور جب چاہیں رقم بینک سے نکلوالیں۔ اس صورت میں کیونکہ یہ پتا نہیں چل سکتا کہ کھاتہ کا کتنا مال بینک کے پاس رہا اور کتنے راس المال پر کتنا منافع حاصل ہوا۔ ایسے میں نفع کی تقسیم کیلئے یومیہ پیداوار (Daily Product) کے استعمال کا طریقہ کار نکالا گیا۔ یعنی مدت مضاربت کے اختتام پر نفع کے بارے میں اس طرح حساب لگانا کہ فی یوم فی روپیہ کتنا نفع حاصل ہوا۔ اس طرح کھاتہ داروں کی رقم کے بارے میں حساب کر کے کہ کس کی کتنی رقم کتنے دن بینک اکاؤنٹ میں رہی اس کے مطابق فی یوم کے حساب سے اتنے دنوں کا نفع انھیں دے دیا جاتا ہے۔

یومیہ پیداوار کی بنیاد پر منافع کی تقسیم کیلئے پہلے ڈیپازیٹر کے کھاتہ کا ماہانہ اوسط بیلنس (Monthly Average Balance) معلوم کیا جاتا ہے تاکہ منافع کی تقسیم میں شفافیت ہو۔ جیسا کہ محمد عزیر اپنے اکاؤنٹ میں رقم نکلواتا اور جمع کرواتا رہا ہو تو ایک ماہ میں اس کے اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم کی تفصیل بدلتی رہے گی۔ جس میں یہ مسئلہ ہو گا کہ اس ماہ میں اکاؤنٹ ہولڈر کی جمع شدہ رقم کا معلوم کرنا مشکل ہو گا۔ مثال کے طور پر محمد عزیر کی اپریل کے پورے مہینے میں اکاؤنٹ کی صورتحال اس طرح سے ہو کہ:

یکم اپریل سے ۱۵ اپریل (پہلے پندرہ دن)۔۔۔۔۔۔۔۱۵،۰۰۰ روپے

۱۶ اپریل سے ۲۳ اپریل (اگلے آٹھ دن)۔۔۔۔۔۔۔۔۳،۰۰۰ روپے

۲۴ اپریل سے ۳۱ اپریل (آخری آٹھ دن)۔۔۔۔۔۔۲،۰۰،۰۰۰ روپے

مندرجہ بالا رقوم میں سے کسی رقم کو بھی محمد عزیر کا اصل سرمایہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجوہات یہ ہیں:

- محمد عزیر کی ۱۵ ہزار کی رقم کو سرمایہ تصور کرنا اس لئے درست نہیں کہ یہ رقم صرف نصف ماہ بینک میں رہی اور اس پر پورے ماہ کا حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ جب کہ آئندہ دنوں میں اس سے کئی گنا زیادہ رقم بینک اکاؤنٹ میں رہی۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ، مترجم خلیل احمد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص ۸۹

- محمد عزیر کی سب سے زیادہ رقم جو کہ ۲ لاکھ ہے اس کو بھی اصل سرمایہ تصور نہیں کر سکتے کیونکہ یہ رقم پورے ماہ میں صرف آٹھ روز بینک میں رہی ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر اس کے مطابق منافع کی تقسیم ہوئی تو دوسرے کھاتہ داروں کے ساتھ زیادتی ہوگی، کیونکہ اگر ان آٹھ دن کی رقم پر اسے منافع دیا جائے تو اس صورت میں اس کا نفع بہت زیادہ اور دوسرے کھاتہ داروں کا بہت کم ہوگا۔
- محمد عزیر کی سب سے کم رقم ۳ ہزار کو بھی بنیاد بنا کر منافع دینا درست نہیں کیونکہ اس میں محمد عزیر کے ساتھ زیادتی ہے۔ کیونکہ یہ صرف آٹھ دن کی رقم ہے جبکہ بقایا دنوں میں رقم زیادہ تھی۔ اوران آٹھ دنوں کا ملنے والا منافع بہت کم ہوگا۔

اس کا بینکاری ماہرین نے یہ تجویز کیا ہے کہ کھاتہ دار کے پورے مہینے کے سرمائے کا اوسط بیلنس معلوم کر کے اس پر منافع معلوم کیا جائے کہ اس سرمائے کا یومیہ کتنا منافع ہوا؟ اور رقم کتنے دن بینک میں رہی؟ اور کھاتہ دار کا منافع کیا ہے۔ اسلامی بینکوں میں اسی طریق کار پر اصل سرمائے کا تعین کیا جاتا ہے۔ محمد عزیر کے اکاؤنٹ میں رکھے گئے سرمائے کا اوسط بیلنس حسبِ ذیل طریقے سے معلوم کیا جائے گا۔

ہر رقم کو پہلے ان دنوں کے ساتھ ضرب دی جائے گی جتنے دن وہ رقم اکاؤنٹ میں رہی اور پھر جو جواب آئیں گے ان کو آپس میں جمع کیا جائے گا۔ اس سے پورے مہینے میں کل جمع شدہ رقم معلوم ہوگی۔ جیسا کہ:

حاصل جواب = دن × رقم 15,000×15=225,000 3000×8=24,000 2,00,000×8=16,00,000
جمع شدہ رقم = حاصل جواب ۳ + حاصل جواب ۲ + حاصل جواب ۱ 225,000+24,000+16,00,000=**18,49000**

اوپر حسابی طریقے سے محمد عزیر کی پورے ماہ کی جمع شدہ رقم اٹھارہ لاکھ انچاس ہزار رہی۔ ماہانہ اوسط بیلنس کا طریقہ کار یہ ہوگا کہ اس رقم کو پورے مہینے کے اکتیس دنوں سے تقسیم کیا جائے۔ اس سے جو جواب آئے گا وہی ماہانہ اوسط بیلنس کی بنیاد پر محمد عزیر کا اصل سرمایہ ہوگا۔ جیسا کہ:

اوسط بیلنس = مہینے کے کل ایام / جمع شدہ رقم 18,49000/31=**59,645**

تاہم حاصل جواب سے معلوم ہوا کہ وہ رقم جو اوسطاً کھاتہ دار کے اکاؤنٹ میں رہی وہ انسٹھ ہزار چھ سو پینتالیس روپے ہے۔اس طرح محمد عزیز کے سرمائے کا تعین ہو جاتا ہے۔[1]

سرمائے کے تعین کے بعد اس پر فی یوم کے حساب سے منافع نکال کر اس کی تقسیم کی جاتی ہے۔رعایت اللہ فاروقی اس کے طریقِ کار پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ایک مہینے تک یہ دیکھا گیا کہ کتنی رقمیں آئیں؟ اور ان پر کتنا منافع ہوا اس منافع کو فی یوم فی روپیہ کے حساب سے تقسیم کیا جاتا ہے، یعنی فرض کریں کہ ۱۰۰۰ روپے کا نفع ہوا، تو جتنی رقم آئی تھی اس میں ہر روز ایک روپیہ کا کتنا نفع ہوا، تو وہ نفع باہم تقسیم کیا جاتا ہے، یہ ہے جسے "حساب الانتاج الیوم" بھی کہتے ہیں، اسے "حساب النمر" بھی کہتے ہیں، یعنی یہ طے ہو گیا کہ مثلا رب المال کا ۷۰ فیصد ہو گا اور مضارب کا ۳۰ فیصد ہو گا لیکن ارباب المال جو آرہے ہیں وہ ایک وقت میں نہیں آرہے ہیں، کوئی آرہا ہے کوئی جارہا ہے، کوئی نکال رہا ہے، کوئی داخل کر رہا ہے، لیکن مہینے کے ختم پر دیکھیں گے کہ کل کتنی رقم رہی؟ وہ بیچ میں کس نے نکالی، کس نے نہیں نکالی اور کتنا بعد میں آیا، کتنا پہلے آیا، لیکن مہینے کے آخر میں دیکھیں گے کہ رقم کتنی ہوئی اور پھر نفع تقسیم کریں گے فی روپیہ فی یوم کے حساب سے، کہ ایک روپے پر ایک دن میں کتنا نفع ہوا؟ اب جس شخص کی رقم ۱۵ دن رہی فرض کریں فی یوم روپیہ کا نفع ہوا تو جس کی رقم ۱۵ دن رہی تو ۱۵ روپے کا حقدار ہو گا، جس کی ۱۰ دن وہ ۱۰ روپے کا حقدار ہو گا۔"[2]

چلت کھاتوں میں کھاتہ داروں کا راس المال معلوم کرنا واقعی مشکل ہو جاتا ہے۔عصرِ حاضر کے تقاضوں کے پیشِ نظر دیکھا جائے تو مروجہ مضاربت میں یہ طریقہ کار بہتر معلوم ہوتا ہے۔یہ ایسا طریقہ ہے جس میں بینک کھاتہ داروں کے اکاؤنٹ کی رقم کو منجمد کر کے انھیں پریشان کرنے سے بھی گریز کر سکتا ہے اور رواں کھاتوں کی رقم کو مضاربت جیسے سودمند طریقے پر کاروبار میں بھی لگا سکتا۔اس سے بینک اور کھاتہ دار دونوں مستفید ہو سکتے ہیں۔تاہم اس پر ناقدین کے اعتراضات بھی ہیں جو کہ اگلی فصل میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

مروجہ مضاربت میں اوزان یا ویٹیج کا طریقہ کار (Weightage)

اسلامی بینکوں میں نفع کی تقسیم میں اوزان (Weightage) کا طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔اس طریقہ میں

۱- حسابی طریقہ کیلئے دیکھئے: غیر سودی بینکاری، رفقاء دارالافتاء جامعۃ الرشید، الحجاز، کراچی، ۱۴۳۰ھ، ص ۱۳۷

۲- اسلامی بینکاری اور صراط مستقیم، فاروقی، رعایت اللہ، ص ۲۱-۲۲ کتاب کیلئے دیکھئے ویب سائٹ:
http://www.deeneislam.com/ur/misc/BOOKS/IslamicBanking_SirateMustaqeem/

ڈیپازیٹرز (Depositors) کو ان کے حصص اور مدت کے بقدر ویٹیج یعنی وزن دیا جاتا ہے۔ اس میں تین بنیادی عناصر ہوتے ہیں۔ مدت، رقم اور منافع۔[1]

اوزان پر دارالافتاء کے علماء تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف مقداروں کو مختلف اوزان دیئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سال بھر کیلئے بینک کو دی گئی رقم کو ایک (۱) کا وزن جبکہ چھ ماہ کیلئے دی گئی رقم کو اعشاریہ پانچ (۵۰۰) اور تین ماہ کیلئے دی گئی رقم کا الگ وزن مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد انھی اوزان کو مدِ نظر رکھتے ہوئے منافع کی اوسط شرح معلوم کی جاتی ہے اور اسی حساب سے جمع کنندگان کی رقوم پر منافع دیا جاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جمع کنندگان نے سرمایہ کی مختلف مقدار جو مختلف اوقات کیلئے بینک کو دی ہے تو اس میں شرح منافع کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ۱۰ لاکھ مضاربت پول میں جمع کروانے والے کو جو نفع ملتا ہے، وہی ایک لاکھ روپے جمع کروانے والے کو بھی ملے۔ اس میں انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ۱۰ لاکھ جمع کروانے والے کو زیادہ جبکہ ایک لاکھ جمع کروانے والے کو کم نفع ملنا چاہیئے۔ اسی طرح وہ شخص جس نے سال بھر کیلئے بینک کے پاس رقم رکھوائی وہ بہ نسبت اس شخص کے جس نے تین ماہ کیلئے رقم دی، زیادہ منافع کا حقدار ہے۔ یہ اوزان اندھا دھند نہیں دیئے جاتے بلکہ ایک طریقہ کار اپنایا جاتا ہے۔[2]

بینک کے اکاؤنٹس مختلف ہوتے ہیں کوئی عارضی مدت کیلئے ہوتے ہیں یعنی جب چاہیں رقم رکھیں یا نکال لیں، تو کوئی خاص مدت تک مستقل نوعیت کے ہوتے ہیں کہ اس دوران اس میں رقم نہ نکالی جاسکتی ہے اور نہ ہی رکھی جاسکتی ہے۔ اس اعتبار سے بھی ان اکاؤنٹس کو وزن مختلف دیا جاتا ہے۔ آگے دبئی اسلامک بینک کی مثال سے اسے سمجھا جاسکتا ہے۔

اسلامی بینک میں ۱۰ لاکھ سیونگ اکاؤنٹ میں رکھنے پر وزن ۱ لاکھ سیونگ اکاؤنٹ میں رکھنے سے زیادہ ہو گا جیسا کہ ان دونوں میں رقم کا فرق بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح مدت کے فرق کی وجہ سے دو سال فکسڈ اکاؤنٹ میں رکھی جانے والی رقم کو ایک سال کیلئے رکھی جانے والی رقم کی نسبت زیادہ وزن دیا جائے گا۔ تاہم ایسا ڈیپازٹ جس میں ایک سال ختم ہونے پر منافع لیا جائے تو ان کا وزن ان کھاتوں سے زیادہ ہو گا جن پر ہر ماہ منافع دیا جاتا ہو۔ دبئی اسلامک بینک کے جدول کو دیکھا جائے تو یہ اوزان کچھ یوں ہیں:

1 - "Product Weightages" retrived from https://www.dibpak.com/index.php/accounts/product-weightages/ , visited on: 25, July, 2020 at 09:50pm.

۲- غیر سودی بینکاری، رفقاء دارالافتاء جامعۃ الرشید، ص۱۳۸

رقم کے اعتبار سے اوزان:

دبئی اسلامک بینک میں رقم کے فرق کی وجہ سے سیونگ اکاؤنٹ کے جولائی ۲۰۲۰ کے اوزان درج ذیل ہیں۔[1]

اکاؤنٹ میں جمع کردہ رقم	اوزان
۱ ملین سے کم	1.2000
۱ ملین سے زیادہ اور دس ملین سے کم	1.2600
۱۰ ملین سے زیادہ اور ۵۰ ملین سے کم	1.4800
۵۰ ملین یا اس سے زائد	1.6600

مندرجہ بالا اوزان اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اکاؤنٹ کی نوعیت ایک ہی ہے مگر اس میں رقم کے فرق کو دیکھتے ہوئے اوزان مختلف رکھے گئے ہیں۔ اس میں رقم کی حد مقرر کی گئی ہے کہ رقم ۱ ملین ہو یا ۲ یا ۸ ملین، دس ملین سے کم کم پر وزن 1.2600 ہو گا، اسی طرح ۱۰ ملین سے لے کر ۵۰ ملین سے کم کم جو بھی رقم ہو گی اس پر وزن زیادہ ہو گا جو کہ 1.4800 ہے۔

مدت کے اعتبار سے اوزان:

دبئی اسلامک بینک میں مدت کے فرق کی وجہ سے فکسڈ ڈیپازٹ اکاؤنٹ کے جولائی ۲۰۲۰ کے اوزان حسبِ ذیل ہیں۔[2]

اکاؤنٹ میں جمع کردہ رقم	مدت کے اعتبار سے اوزان		
	۱ سال	۲ سال	۳ سال
۱۰ ملین یا اس سے زائد	2.3194	2.4144	2.5095

یہاں پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک ہی رقم ہے اور اکاؤنٹ کی نوعیت بھی ایک ہی جیسی ہے مگر مدت کے فرق کو دیکھتے ہوئے ان کے اوزان مختلف ہیں۔ ایک سال کے لئے رکھی جانے والی رقم کا وزن دو سال کیلئے رکھی جانے والی رقم سے کم ہے جبکہ دو سال کیلئے جمع کروائی جانے والی رقم کا وزن تین سال کیلئے جمع کردہ رقم سے کم ہے۔

1- "Islami Bank Weightage Announcement for July 2020" retrived from https://www.dibpak.com/wp-content/uploads/2020/06/Dubai-Islamic-Bank-Weightage-Announcement-Jul-2020.pdf , visited on: 26, July, 2020 at 02:00am.

2- Ibid

منافع کے حصول کے اعتبار سے اوزان:

دبئی اسلامک بینک منافع کے حصول کے اعتبار سے فکسڈ ڈیپازٹ اکاؤنٹ کے جولائی ۲۰۲۰ کے اوزان مندرجہ ذیل ہیں۔[1]

اکاؤنٹ میں جمع کردہ رقم	منافع کے حصول کے اعتبار سے اوزان		
	۱ماہ بعد	۳ماہ بعد	۶ماہ بعد
الاکھ یا زیادہ، ۱۰ لاکھ سے کم	1.3400	1.3800	1.4200
املین یا زیادہ، ۱۰ملین سے کم	1.4400	1.4800	1.5200
۱۰ملین یا زیادہ، ۱۰۰ملین سے کم	1.5400	1.5800	1.6200
۱۰۰ملین یا اس سے زائد	1.6400	1.6800	1.7200

مندرجہ بالا اوزان کو دیکھنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ بینک سے منافع لینے کے اعتبار سے بھی یہ اوزان مختلف ہوتے ہیں۔ اگر بینک سے منافع ہر ماہ وصول کیا جائے تو اس کا وزن کم ہو گا بہ نسبت ان جمع کنندگان کے جو بینک سے ۳ماہ بعد منافع وصول کرتے ہیں، اسی طرح تین ماہ بعد منافع لینے والوں کیلئے اوزان چھ ماہ بعد منافع وصول کرنے والوں سے کم ہو گا اگرچہ ان کھاتہ داروں کی رقم برابر ہے۔ جو شخص جتنی سہولت حاصل کرے گا تو اس کے سرمائے کو وزن کم دیا جائے گا، ان لوگوں کی نسبت کہ جو کم سہولت حاصل کریں گے یا منافع کے حصول کیلئے انتظار کریں گے۔

بینک کی طرف سے اوزان کے بارے میں اطلاع دی جاتی ہے کہ اوزان کس حساب سے ہوں گے اور کب تک کیلئے لاگو کئے جائیں گے۔ یہ تمام تر تفصیلات بینک کی ویب سائٹ پر موجود ہوتی ہیں۔ دبئی اسلامک بینک کے مندرجہ بالا اور مزید اوزان اگلے صفحے پر دیئے گئے جدول میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ ویٹیج کے طریقہ کا میں درج ذیل باتیں زیرِ غور ہوتی ہیں۔

- جس نے جتنا نقصان کا خطرہ برداشت کیا اسکا ویٹیج اتنا ہی زیادہ ہونا۔ یعنی اگر زیادہ رقم ہو گی تو بینک کے نزدیک اسکی ویلیو بھی زیادہ ہو گی۔
- طویل مدت کیلئے ڈیپازٹ کی صورت میں نقصان کا خطرہ زیادہ ہونا اور بینک کو طویل مدت تک سرمائے کی گارنٹی دینے سے اسکا ویٹیج اسی حساب سے زیادہ ہونا۔

1- "Islami Bank Weightage Announcement for July 2020" retrived from https://www.dibpak.com/wp-content/uploads/2020/06/Dubai-Islamic-Bank-Weightage-Announcement-Jul-2020.pdf , visited on: 26, July, 2020 at 02:00am.

- بینک کی سہولیات سے زیادہ فائدہ اٹھانے جیسا کہ وقتاً فوقتاً رقم رکھوانا یا نکالنا، رقم منتقل کرنا وغیرہ کی وجہ سے ویٹیج کم ہونا اور کم سہولیات کے استعمال پر ویٹیج زیادہ ہونا۔

تاہم جو کھاتہ دار بینک کیلئے جتنا زیادہ قابل گارنٹی یا سود مند ہو گا، بینک اسی حساب سے اسے ویٹیج دے گا۔ مندرجہ بالا صورتوں میں جس کا ویٹیج جس قدر زیادہ ہوا اس کے منافع کی شرح بھی اسی حساب سے زیادہ ہو گی۔ اور جسکا ویٹیج کم ہوا اسکو دیا جانے والا نفع بھی اسی تناسب سے کم ہی ہو گا۔ اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے، تاہم مضاربت میں شریک تمام ارباب الاموال آپس میں ایک دوسرے کیلئے شرکاء کی حیثیت رکھتے ہیں اور اگر وہ اس بات پر باہم راضی ہو جائیں کہ نفع کا تناسب ان تمام صورتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے طے کیا جائے گا تو یہ اس عقد کے منافی نہ ہو گا۔

مروجہ مضاربت میں شخصِ قانونی کا تصور

مروجہ مضاربت میں شخصِ قانونی کا تصور پایا جاتا ہے یعنی مشترکہ طور پر جب افراد مضاربت کا عقد کرتے ہیں تو اس میں مالیاتی ادارہ چاہے بینک ہو یا کمپنی اس کو شخصِ معنوی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے، تمام تر اختیارات ادارے کے ہوتے ہیں کہ جہاں چاہے سرمایہ کاری کی اجازت دے اور جہاں چاہے مضاربت کی تحدید کر دے۔ تاہم ارباب الاموال آپس میں شرکاء کی حیثیت رکھتے ہیں اور بینک یا متعلقہ کمپنی بطور شخصِ قانونی مضارب کی رکھتی ہے۔ جو اپنے فیصلے، انتظامات اور تنظیم کے نفاذ کیلئے اپنے اختیارات کا استعمال مہر کے ذریعے کرتی ہے۔ ادارے کو چلانے والے بطور ملازمین کام کرتے ہیں اور اپنے ہنر اور محنت سے رأس المال کو اپنی صوابدید کے مطابق نفع بخش کاروبار میں لگاتے ہیں۔

کاروبار سے ملنے والا نفع ادارہ کی طرف سے تقسیم ہوتا ہے۔ قدیم مضاربت میں مضارب ایک حقیقی شخص ہوتا تھا، اب اس

معنوی شخص کی حیثیت مروجہ مضاربت میں قابلِ قبول ہو گی یا نہیں تو اس بارے میں علماء نے کچھ آراء پیش کی ہیں جس پر شخصِ قانونی کے تصور کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کیلئے مؤیدین درج ذیل نظائر پیش کرتے ہیں۔

- وقف
- بیت المال
- ترکہ مستغرقہ بالدین
- خلطۃ الشیوع (شراکت)

وقف:

شخصِ قانونی کے جواز کیلئے بعض حضرات وقف کی مثال پیش کرتے ہیں کہ اس میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو کہ معنوی شخص کے مشابہ ہیں۔ یہ نظائر درج ذیل ہیں:

- **وقف بمنزلہ عبدِ موصی ہونا:**

وقف کا معاملہ ایک عبدِ موصی کی طرح ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ:

"قال:"فإن وقف دارا على سكنى ولده فالعمارة على من له سكنى" لأن الخراج بالضمان على ما مر فصار كنفقة العبد الموصى بخدمته"[1]

ترجمہ: اگر اس نے ایک گھر اپنے بچوں کی رہائش کیلئے وقف کیا تو اس کی تعمیر اس مکان میں رہنے والوں پر ہوگی۔ اس لئے کہ ضمان کے بدلے جو کچھ واجب ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا کہ اسکی مثال عبدِ موصی (ایسا غلام جس کے بارے میں وصیت کی گئی ہو) کی خدمت کے بدلے اس پر خرچ کرنے کی طرح ہے۔

درج بالا عبارت یہ واضح کرتی ہے کہ وقف کی تعمیر کا خرچ اس میں رہنے والے پر ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسا کہ عبدِ موصی کا خرچ وہ شخص اٹھاتا ہے جس کیلئے غلام کا مالک وصیت کرتا ہے تو یہاں پر شخصِ حقیقی کا حکم وقف پر لگانا وقف کو شخصِ معنوی کا درجہ دیتا ہے۔ اس نظریہ کی تائید مفتی ثاقب الدین[2] درج ذیل الفاظ سے کرتے ہیں:

> "ہمارے فقہاءؒ نے بعض مقامات میں شخصِ قانونی پر شخصِ حقیقی کے احکام کا ترتب کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر کے فقہاء کرام نے شخصِ قانونی کے تصور کو تسلیم فرما کر بعض جگہوں میں شخصِ قانونی پر شخصِ حقیقی کے بعض احکام مرتب کئے ہیں، چنانچہ بعض حضرات کا شخصِ قانونی سے انکار کرنا اور اس کے تصور کو غیر شرعی قرار دینا بداہت کے خلاف ہے۔"[3]

۱- الہدایۃ، ۳/ ۱۸

۲- مفتی ثاقب الدین کا تقرر جامعہ اسلامیہ طیبہ میں ہوا۔ ۱۸ سال مسلسل کوشش کے ساتھ پاکستان کے مختلف علاقوں اور افغانستان میں اہلِ علم سے کئی علوم وفنون پر دسترس حاصل کی۔ تفسیر وحدیث میں مہارت حاصل ہے اور اس کی تدریس بھی کرچکے ہیں۔ دیکھئے: اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ثاقب الدین، مفتی، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص ۳۴

۳- اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۸۸

- **وقف کا دائن اور مدیون، معطی اور معطی ہونا:**

وقف بعض دفعہ قرض لے بھی سکتا ہے اور دے بھی سکتا ہے۔ اس طرح وقف کبھی دائن (قرض دینے والا) اور وقف معطی (عطا کرنے والا) اور معطی (ہبہ وغیرہ جیسی عنایت لینے والا) ہوتا ہے۔ اور اسی طرح وقف کبھی دائن اور کبھی مدیون (جس کے ذمے قرض ہو) ہوتا ہے۔ اس کی دلیل ہے کہ:

"فإن امتنع من ذلك، أو كان فقيرا آجرها الحاكم وعمرها بأجرتها، وإذا عمرها ردها إلى من له السكنى"[1]

ترجمہ: اگر وہ (جس کیلئے وقف کیا گیا) اس (گھر کی تعمیر) سے باز رہا، یا وہ فقیر تھا اور حاکم نے اس کو اجرت پر دیا اور اس نے اس اجرت سے اسے تعمیر کیا، اور جب اس نے تعمیر کر لیا تو اس کی اجرت کو اسی کی طرف لوٹایا جائے گا جس کی رہائش ہے۔

درج بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ اگر کسی شخص کو زمین وقف کی گئی تو اس زمین پر تعمیر اس شخص کے ذمے ہوتی ہے۔ اگر کسی اور نے تعمیر کروا کر دے دیا تو بھی اس کی اجرت اس شخص پر دین ہو گی۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے وقف کا مالک کوئی نہ ہو تو وقف خود مالک ہوتا ہے تو اس میں بھی کوئی تعمیراتی کام وغیرہ اگر کروایا جائے تو اس کا متولی اس کی اجرت ادا کرتا ہے جو وقف پر دین ہوتی ہے۔

تاہم وقف کے متولی یا ملازم کی تنخواہ وقف پر دین ہو تو وقف مدیون (جس کے ذمے قرض ہو) ہے۔ وقف کی زمین کو کرایہ پر دے دیا جائے تو اس کا کرایہ مستاجر (کرایہ پر لینے والا) پر وقف کا دین ہے تو وقف دائن (جس کا قرض کسی کے ذمے ہو) ہے۔ یہی وقف کیلئے شخص قانونی کا جواز ہے۔ کیونکہ مفتی ثاقب الدین کی رائے ہے کہ:

> "کسی شئ کا دائن، مدیون، معطی، معطی ہونا شخصِ حقیقی کے اوصاف ہیں حالانکہ ان تمام اوصاف کو فقہاء نے شخصِ قانونی (وقف) کیلئے تسلیم کیا ہے۔"[2]

- **وقف کا مالک ہونا:**

وقف ملکیت کی اہلیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ:

۱- الہدایۃ، ۳/ ۱۸

۲- اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۹۳

"رَجُلٌ أَعْطَى دِرْهَمًا فِي عِمَارَةِ الْمَسْجِدِ أو نَفَقَةِ الْمَسْجِدِ أو مَصَالِحِ الْمَسْجِدِ صَحَّ لِأَنَّهُ وَإِنْ كان لَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُهُ تَمْلِيكًا بِالْهِبَةِ لِلْمَسْجِدِ فَإِثْبَاتُ الْمِلْكِ لِلْمَسْجِدِ على هذا الْوَجْهِ صَحِيحٌ فَيَتِمُّ بِالْقَبْضِ"[1]

ترجمہ: ایک شخص نے مسجد کی تعمیر یا مسجد کے خرچ یا مسجد کے دیگر امور کیلئے ایک درھم دیا تو اس کا دینا ٹھیک ہو گا۔ اس لئے کہ اگرچہ ہبہ کے طور پر مسجد کو اس درہم کا مالک بنانا درست نہیں ہو گا لیکن مسجد کو اس (وقف) کے طور پر مالک بنانا صحیح ہو گا۔ لہذا قبضہ کرنے سے وہ مالک ہو جائے گا۔

مذکورہ عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی بھی مال یا چیز مسجد یا وقف کو عطیہ یا چندہ کئے جائیں تو وہ بطور شخصِ قانونی ہی اس کا مالک بنتا ہے۔

- **وقف کا مدعی، مدعی علیہ اور شفیع ہونا:**

وقف دعویٰ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کی دلیل ہے کہ:

"أنه لو ادعى استحق مع أنها لا تسمع منه على المفتى به إلا بتولية"[2]

ترجمہ: وہ دعویٰ کرنا چاہے تو اس کو اس کا حق ہے۔ جبکہ مفتیٰ بہ کے قول کے مطابق متولی کے بغیر اس کی بات نہیں سنی جائے گی۔

عبارت میں یہ واضح ہوتا ہے کہ وقف کو دعویٰ کا اختیار ہے مگر وقف کا متولی وقف کی طرف سے مقدمہ چلائے گا، اس طرح اصل مدعی وقف ہوا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے وقف کو شخصِ قانونی تسلیم کیا گیا ہے۔ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

> "فقہاء نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ وقف جائیداد کا مالک ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وقف کوئی انسان نہیں ہے پھر بھی مالک ہونے کے معاملے میں اس پر انسان والا حکم ہی لگایا گیا ہے۔ جب ایک مرتبہ اس کی ملکیت قائم ہو گئی تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہو گا کہ اسے بیچ سکے گا، خرید سکے گا، وہ دائن (قرض خواہ) اور مدیون (مقروض) بھی ہو سکتا ہے، مدعی اور مدعی علیہ بھی بن سکتا ہے، اس طرح سے شخصِ قانونی کی تمام خصوصیات اس کی طرف منسوب ہوں گی۔"[3]

۱- الفتاویٰ الہندیۃ، شیخ نظام اور ہندستانی علماء کا گروہ، دار الفکر، ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱ء، ۲/ ۴۶۰

۲- الدر المختار، ۱/ ۳۷۷

۳- اسلام اور جدید معاشی مسائل، عثمانی، محمد تقی، مفتی، ادارہ اسلامیات پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز، لاہور، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ- جون ۲۰۰۸ء، ۵/ ۱۷۸

بیت المال:

شخصِ قانونی کا ثبوت بیت المال کی حیثیت سے بھی ملتا ہے۔ جیسا کہ فقہاء فرماتے ہیں کہ:

"إلى بيت المال أنواع أربعة---وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع من هذه الأنواع بيتا يخصه ولا يخلط بعضه ببعض لأن لكل نوع حكما يختص به فإن لم يكن في بعضها شيء فللإمام أن يستقرض عليه من النوع الآخر ويصرفه إلى أهل ذلك ثم إذا حصل من ذلك النوع شيء رده في المستقرض منه إلا أن يكون المصروف من الصدقات"[1]

ترجمہ: بیت المال چار اقسام ہیں (یعنی چار قسم کے شعبے ہیں: جزیہ و خراج، زکوٰۃ و عشر، مالِ غنیمت و معدنیات یا زمینی خزانے، ترکات ولقطات (میت کا ترکہ کہ اسکا وارث نہ ہو اور گری ہوئی چیزیں جن کا مالک نہ ملے)۔ اور امام پر لازم ہے کہ ان تمام اقسام کیلئے الگ الگ جگہ یعنی شعبہ بنائے تاکہ ایک قسم کا مال دوسرے کا ساتھ خلط ملط نہ ہو، اس لیئے کہ ہر نوع اور قسم کا الگ الگ حکم ہوتا ہے جو اس ہی کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ اگر کسی ایک شعبہ میں کچھ بھی نہ ہو تو امام دوسرے شعبے سے قرض لے سکتا ہے اور اسے دوسرے شعبے کے مستحقین میں خرچ کر سکتا ہے۔ پھر جب اس شعبے میں کچھ مال وغیرہ آجائے تو قرض واپس کیا جائے، سوائے اس صورت کے جب کہ خرچ شدہ چیز یا مال صدقے کا ہو۔

درج بالا عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیت المال کے ہر شعبے کا الگ حکم ہے اور اسی کے مطابق اس میں سے خرچ کیا جائے گا۔ اس طرح ہر شعبہ ایک مستقل شخصِ قانونی ہوا۔ ان شعبوں کے مال کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا نہیں جا سکتا بلکہ ضرورت پڑنے پر اگر ایک شعبے سے مال نکال کر کسی دوسرے شعبے کے مصرف پر خرچ کیا گیا تو یہ قرض ہو گا اور جب بھی اس شعبے میں مال آیا تو یہ قرض اس شعبے سے لیا جائے گا، البتہ اگر مال صدقے کا ہو اور اس سے فقراء پر خرچ کیا گیا تو پھر وہ اصل مستحقین پر خرچ کئے جانے کی وجہ سے واپس نہ لیا جائے گا۔ تاہم حاصلِ یہ ہے کہ ایک شعبہ دوسرے شعبہ کا مقروض بن سکتا ہے جس سے ایک شعبہ دائن (قرض دینے والا) اور دوسرا شعبہ مدیون (قرض لینے والا) ہو گا۔ پیچھے وقف میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ دائن و مدیون ہونا انسانی صفات ہیں مگر یہاں بیت المال کیلئے ثابت ہو رہی ہیں تو بیت المال کی حیثیت بھی شخصِ قانونی کی ہو گی۔ مفتی ثاقب الدین، مفتی تقی عثمانی اور عصرِ حاضر کے دیگر علماء کی بھی یہی رائے ہے۔[2]

۱- تبیین الحقائق، البارعی، عثمان بن علی، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق- القاہرۃ، طبعہ اولی ۱۳۱۳ھ، ۳/ ۲۸۳

۲- اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۹۶ نیز دیکھئے: اسلام اور جدید معاشی مسائل، ۵/ ۱۷۶

ترکہ مستغرقہ بالدین:

میت کا اگر مقروض ہو کر مر جائے اور ترکہ چھوڑ دے تو اس کا ترکہ ورثاء میں تقسیم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کے قرض ادا نہ کر دیئے جائیں۔ جیسا کہ ہدایہ میں میت کے ترکے کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں کہ:

"ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد و يقدم دين الصحة على دين المرض إن جهل سببه"[1]

ترجمہ: پھر اس (میت) کے قرضہ جات کو مقدم کیا جائے گا (باقی تقسیم سے پہلے ادا کیا جائے گا) جبکہ اس کے مطالبہ کرنے والے کچھ لوگ موجود ہوں۔ اور زمانہ صحت کے قرضوں کو زمانہ مرض کے قرضوں پر مقدم کیا جائے گا اگر سبب معلوم نہ ہو۔

مذکورہ عبارت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ میت کے قرض خواہوں کو ورثاء پر ترجیح دی جاتی ہے اور ان کا حق ادا کئے بغیر ورثاء کسی چیز کے حقدار نہیں۔ قرض کی ادائیگی کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو پھر وہ وارثوں کی ملکیت ہے۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے عصرِ حاضر میں علماء نے ترکہ مستغرقہ بالدین[2] کو شخصِ قانونی قرار دیا ہے۔ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی رقم طراز ہیں کہ:

> "یہ جائیداد میت کی ملکیت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اب وہ زندہ نہیں ہے، نہ ہی یہ وارثوں کی مِلک ہے، اس لئے کہ ترکے پر قرض خواہوں کو وارثوں پر ترجیحی حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ قرض خواہوں کی بھی ملکیت نہیں ہے، اس لئے کہ ابھی تک قرضوں کی ادائیگی نہیں ہوئی۔ ورثاء اس ترکے پر مطالبے کا حق تو رکھتے ہیں لیکن جب تک عملاً ان کے درمیان یہ تقسیم نہیں ہو جاتا ان کی ملکیت نہیں ہے۔ چونکہ یہ کسی کی ملکیت نہیں ہے اس لئے اس کا اپنا مستقل وجود ہے۔ اسے مستقل قانونی شخصیت بھی کہا جا سکتا ہے۔"[3]

خلطۃ الشیوع (شراکت):

خلطۃ کا اصل مادہ خلط (خ-ل-ط) ہے، یعنی "**خلط الشيء بالشيء**" (کسی چیز کا دوسری چیز سے ملنا)[4]

۱- الدر المختار، ۱/۷۶۱

۲ - ایسا ترکہ جس میں میت کی ذمہ داریاں اس کی چھوڑی ہوئی جائیداد، مال وغیرہ سے زیادہ ہوں جیسا کہ قرض وغیرہ۔

۳- اسلام اور جدید معاشی مسائل، ۵/ ۱۸۰

۴- المحکم والمحیط الاعظم، المرسی، علی بن اسماعیل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰ء، ۵/ ۱۱۴

اور الشیوع کا مادہ شیع (ش-ی-ع) ہے، اس سے مراد "أي غیر مقسوم" یعنی ایسی چیز جسے تقسیم نہ کیا جا سکے۔[1]
تاہم خلطۃ الشیوع مشترکہ اثاثہ جات کو کہتے ہیں یعنی ایسا مال کہ جس میں سب کی شراکت ہو۔ تاہم اس کی زکوٰۃ کا قانون ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

((وَلاَ يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلاَ يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ))[2]

ترجمہ: "زکوٰۃ کے ڈر سے الگ الگ اثاثوں کو باہم ملاؤ نہیں، اور جو مشترک ہیں انہیں الگ الگ نہ کرو (تاکہ زکوٰۃ کی مقدار کم ہو)۔"

درج بالا حدیث مبارکہ میں مشترکہ اثاثہ جات کو زکوٰۃ کے وقت الگ الگ کرنے سے منع کیا گیا۔ اگر کوئی شخص انفرادی طور پر زکوٰۃ دینا چاہتا ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کی زکوٰۃ کا نصاب زیادہ ہو مگر عین ممکن ہے کہ اس طرح اس کے مال پر زکوٰۃ کم آئے یا یہ بھی ہو سکتا ہے اس کا زکوٰۃ کا نصاب ہی پورا نہ ہو اور اسے ادائیگی ہی نہ کرنی پڑے تاہم حدیث مبارکہ میں زکوٰۃ کے ڈر سے ایسا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

شراکت میں مشترکہ مال کی مجموعی مالیت کے پیشِ نظر جو زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے علماء کرام نے اس سے اسٹاک کمپنی کیلئے شخصِ قانونی کا وجود تسلیم کیا ہے۔ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی کی رائے ہے کہ:

"خلطۃ الشیوع کا یہ اصول (زکوٰۃ سے متعلقہ) فقہ مالکی اور فقہ حنبلی میں بھی تفصیلات کے کچھ فرق کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے اس اصول کی تہہ میں شخصِ قانونی کا بنیادی تصور موجود ہے۔ اس اصول کے مطابق زکوٰۃ فرد پر واجب نہیں ہوتی بلکہ مشترکہ اسٹاک پر لاگو ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مشترکہ اسٹاک کے ساتھ مستقل شخص والا معاملہ کیا گیا ہے اور زکوٰۃ کی ذمہ داری اسی وجود کی طرف منتقل کر دی گئی ہے۔ یہ اگرچہ بالکلیہ شخصِ قانونی کا تصور نہیں ہے لیکن اس کے کافی قریب ضرور ہے۔"[3]

علماء کرام نے شخصِ قانونی کے جواز کے جو نظائر پیش کئے ہیں اس کے بارے میں ناقدین نے اعتراض بھی کئے ہیں۔ جیسا کہ دار الافتاء کے علماء کرام نے اعتراض پیش کیا کہ:

۱- مختار الصحاح، الرازی، محمد بن ابی بکر، مکتبہ لبنان ناشرون، بیروت، طبعہ جدید ۱۴۱۵ھ-۱۹۹۵ء، ۱/ ۳۵۴

۲- صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا یجمع بین متفرق ولا یفرق بین مجتمع، حدیث نمبر: ۱۴۵۰، ۲/ ۱۱۷

۳- اسلامی بینکاری کی بنیادیں (ترجمہ)، عثمانی، محمد تقی، مفتی، مکتبۃ العارفی، فیصل آباد، رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ، ص ۲۳۷

”وقف اور بیت المال، انسانیت کے احترام اور تقدس کے نظریہ پر قائم ہیں، اور شخصِ قانونی کا تصور انسانیت کی توہین اور بے وقعتی کے نظریہ پر قائم ہے، کیونکہ بیت المال اور وقف غیر موجود اور غیر معین لوگوں کو بھی بحیثیت انسان، رعایت کا مستحق سمجھتے ہیں، مگر شخصِ قانونی کا تصور کمپنی سے وابستہ حقیقی انسانوں کی موجودگی میں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر انسان، بے جان فرضی شخص کے تصرفات کو اہمیت دیتا ہے۔ گویا کہ شخصِ قانونی کا تصور عاقل، بالغ، متصرف و مختار انسانوں کو ایک غیر مرئی و غیر حقیقی بھوت کا مزدور، نوکر، چاکر اور غلام بنانے کا تصور ہے۔“[۱]

اعتراض کا جواب مفتی ثاقب الدین اس کی مثال مدارس سے دیتے ہیں کہ ہر مدرسہ ایک شخصِ قانونی ہی ہوتا ہے۔ اور ہم روز مرہ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے جامعہ یا مدرسہ کی اپنی قانونی حیثیت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ فلاں پلاٹ جامع کی ملکیت ہے، جامعہ مقروض ہے یا مدرس پر جامعہ کا قرض ہے۔ شخصِ قانونی کے نظریے میں انسانیت کی توہین وغیرہ سمجھنے کا انکار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

”جاندار اشخاص حقیقیہ بھی بے جان شخصِ قانونی کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: ہم تمام کے تمام اپنے جامع کے مؤقف کے تابع ہیں، اس سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ بعض صورتوں میں بے جان (شخصِ قانونی) کی طاقت اشخاصِ حقیقیہ پر بہت زیادہ ہوا کرتی ہے، بلکہ ایک ہی دارالعلوم دیوبند (شخصِ قانونی) کتنی مخلوق کو کھینچتا ہوا جا رہا ہے، اور ایک ہی وفاق المدارس (شخصِ قانونی) ہم پر حاکم ہے۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم جامع (شخصِ قانونی) کے مؤقف کے تابع ہیں، تو کیا ہمارا یہ تصور انسانیت کی توہین اور بے وقعتی کے نظریہ پر قائم ہے؟“[۲]

تاہم ان تمام دلائل میں مؤیدین کا موقف مضبوط دکھائی دیتا ہے۔ مدارس، اسٹاک کمپنی اور بینک اور دیگر اداروں کو وقف اور بیت المال پر قیاس کرتے ہوئے ایک مستقل وجود سمجھنے اور قانونی حیثیت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جب اس کی ضرورت ہو۔ عصرِ حاضر میں مشارکہ کمپنیوں اور بینک کیلئے اس حیثیت کو تسلیم کرنے سے وہ اپنے امور اور انتظامات بلا رکاوٹ بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

۱- مروجہ اسلامی بینکاری، ص ۱۲۴-۱۲۵

۲- اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۹۱

مروجہ مضاربت میں محدود ذمہ داری

مروجہ مضاربت میں جہاں ادارہ یعنی بینک یا کمپنی بطور شخصِ قانونی تمام تر اختیارات سنبھالتے ہیں تو وہاں محدود ذمہ داری کا تصور بھی پایا جاتا ہے یعنی اگر کمپنی کا دیوالیہ ہو جائے اس کے اتنے اثاثہ جات نہ ہوں کہ اس سے واجبات ادا کئے جاسکیں اور نہ ہی اصل رأس المال موجود ہو تو ارباب الاموال (صارفین) سے ان کے مہیا کردہ رأس المال سے زائد

کچھ بھی تقاضا نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قرض کا ضمان دیں۔ سرمایہ کاروں کو اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ زائد نقصان ان تک نہیں آتا اور اس طرح ان کے ذاتی اثاثہ جات (مال وجائیداد) محفوظ رہتے ہیں۔ عصرِ حاضر میں یہ طریقہ مضاربت کو فروغ دینے کیلئے فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے کہ سرمایہ کار زیادہ سے زیادہ مضاربت کرنے کیلئے آمادہ ہوں۔ مؤیدین اس طریقہ کار کی تائید کرتے ہیں اور اس کے جواز میں کچھ آراء بھی پیش کرتے ہیں۔ ان حضرات کے اپنے مؤقف کی تائید میں درج ذیل نکات اہم ہیں:

- ترکہ مستغرقہ بالدین
- مضاربت کا قاعدہ
- مقروض کا مفلس ہو جانا
- تجارت میں عبدِ ماذون کی مثال

ان نکات کی وضاحت حسبِ ذیل ہے۔

• ترکہ مستغرقہ بالدین:

ترکہ مستغرقہ بالدین سے مراد میت کا ایسا ترکہ ہوتا ہے جس میں میت کی ذمہ داریاں یعنی قرض و واجبات اس کے ترکے سے زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ ترکہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ اپنا مستقل شخصِ قانونی وجود رکھتا ہے جیسا کہ پچھلی بحث میں بیان ہو چکا۔ اسلامی بینکاری کے حاملین نے اس سے مضاربت میں محدود ذمہ داری کے جواز کا نظریہ بھی بیان کیا ہے۔ جیسا کہ مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

> "اس شخصِ قانونی (ترکہ مستغرقہ بالدین) کی ذمہ داریاں اس کے موجودہ اثاثوں تک ہی محدود ہیں۔ اگر یہ اثاثے قرضوں کو پورا کرنے کیلئے کافی نہیں ہیں تو قرض خواہ باقی قرضوں کیلئے ورثاء سمیت کسی سے رجوع نہیں کر سکتے اور ان کیلئے چارہ جوئی کی کوئی صورت نہیں ہے۔"[1]

۱- اسلامی بینکاری کی بنیادیں (ترجمہ)، ص ۲۳۸

مؤیدین مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں مضاربت میں محدود ذمہ داری کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی دلیل دیتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک میت مقروض ہو کر مر جائے تو قرض خواہ اس کے ترکے تک محدود حق رکھتے ہیں۔ اگر قرض اس ترکے سے پورا نہ ہو تو کسی اور سے رجوع نہیں کیا سکتا۔ لہذا مضاربت میں بھی یہ قابلِ قبول ہے۔

- **مضاربت کا قاعدہ:**

محدود ذمہ داری کے تصور کے جواز کی دوسری دلیل مؤیدین مضاربت کے ایک قاعدے سے دیتے ہیں۔ وہ قاعدہ حسبِ ذیل ہے:

"(وَأَمَّا) الْقِسْمُ الَّذِي لَيْسَ لِلْمُضَارِبِ أَنْ يَعْمَلَهُ إلَّا بِالتَّنْصِيصِ عَلَيْهِ فِي الْمُضَارَبَةِ الْمُطْلَقَةِ، فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَدِينَ عَلَى مَالِ الْمُضَارَبَةِ وَلَوْ اسْتَدَانَ لَمْ يَجُزْ عَلَى رَبِّ الْمَالِ، وَيَكُونُ دَيْنًا عَلَى الْمُضَارِبِ فِي مَالِهِ؛ لِأَنَّ الِاسْتِدَانَةَ إثْبَاتُ زِيَادَةٍ فِي رَأْسِ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ رِضَا رَبِّ الْمَالِ، بَلْ فِيهِ إثْبَاتُ زِيَادَةِ ضَمَانٍ عَلَى رَبِّ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ؛ لِأَنَّ ثَمَنَ الْمُشْتَرَى بِرَأْسِ الْمَالِ فِي بَابِ الْمُضَارَبَةِ مَضْمُونٌ عَلَى رَبِّ الْمَالِ، بِدَلِيلِ أَنَّ الْمُضَارِبَ لَوْ اشْتَرَى بِرَأْسِ الْمَالِ ثُمَّ هَلَكَ الْمُشْتَرَى قَبْلَ التَّسْلِيمِ، فَإِنَّ الْمُضَارِبَ يَرْجِعُ إلَى رَبِّ الْمَالِ بِمِثْلِهِ فَلَوْ جَوَّزْنَا الِاسْتِدَانَةَ عَلَى الْمُضَارَبَةِ لَأَلْزَمْنَاهُ زِيَادَةَ ضَمَانٍ لَمْ يَرْضَ بِهِ، وَهَذَا لَا يَجُوزُ"[۱]

ترجمہ: وہ قسم کہ جس میں مضارب کو مضاربتِ مطلقہ میں اس وقت تک کام کرنے کی اجازت نہیں جب تک وہ کام کی نوعیت کو صراحتاً واضح نہ کرے۔ اس مضارب کو جائز نہیں کہ مالِ مضاربت کے علاوہ قرضہ لے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ قرض رب المال پر نہیں ہو گا۔ اور وہ قرض مضارب کے مال کے ذمے ہو گا۔ اس لئے کہ رب المال کی اجازت کے بغیر قرض لینا مال (رأس المال) میں زیادتی ہے بلکہ اس میں رب المال کے ضمان کو اس کی اجازت کے بغیر بڑھانا ہے۔ اس لئے کہ مضاربت میں خریدے ہوئے مال کی ثمن کی ذمہ داری رب المال پر عائد ہوتی ہے، اسکی دلیل یہ ہے کہ اگر مضارب رأس المال سے کوئی چیز خریدے اور خریدی ہوئی چیز حوالہ کرنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو مضارب رب المال سے اس کے بقدر لے گا۔ تو اگر ہم نے مضاربت میں مضارب کیلئے قرض لینے کو جائز قرار دیا تو ہم رب المال کے ضمان میں ایسا اضافہ کریں گے جس پر وہ راضی نہیں تھا اور یہ جائز نہیں ہے۔

مفتی ثاقب الدین کی رائے ہے کہ مندرجہ بالا فقہی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر مروجہ مضاربت میں بھی رب المال (ڈیپازیٹر) قرض کی اجازت نہ دے تو اس کی ذمہ داری اس کے سرمائے تک محدود ہوتی ہے۔ مضارب (کمپنی یا بینک) کو سرمائے کے علاوہ کسی بھی قسم کے قرض کی اجازت نہ دی گئی پھر بھی کاروبار کے نتیجے میں

۱- بدائع الصنائع، ۶/ ۹۰

مضارب (کمپنی یا بینک) پر دیون واجب ہو گئے تو رب المال (ڈیپازیٹر) کا نقصان اس کے سرمائے تک ہو گا اور ااس سے زیادہ کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائے گا، بلکہ باقی کا ذمہ مضارب (کمپنی یا بینک) پر ہی ہو گا۔[1]

- **مقروض کا مفلس ہو جانا:**

مقروض مفلس ہو جائے تو اس سے ذمہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے کہ:

((أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ»، فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَبْلُغْ ذَلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِغُرَمَائِهِ: «خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ»))[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص کو ان پھلوں میں نقصان ہوا جو اس نے خریدے تھے۔ اس پر قرض بہت بڑھ گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس پر صدقہ کرو۔" تو لوگوں نے اس کو صدقہ دیا۔ اس صدقے سے اس کا قرض ادا نہ ہوا تو حضور ﷺ نے قرض داروں سے کہا: "جو ملا ہے وہ لے لو اور اس کے سوا تمہارے لئے کچھ نہیں"۔

حدیث مبارکہ میں مفلس شخص کا قرض اس کے اثاثہ جات تک ہی باقی رہتا ہے۔ اثاثے ختم ہو جائیں تو اس سے باقی قرض کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کو دلیل بناتے ہوئے مروجہ مضاربت میں محدود ذمہ داری کے تصور کے جواز میں مفتی تقی عثمانی اور دیگر علماء لکھتے ہیں کہ:

> "شخصِ حقیقی اگر مفلس ہو کر مر جائے تو اس کی ذمہ داری اثاثوں تک محدود ہوتی ہے۔ اور دائنین (قرض خواہوں) کا ذمہ خراب ہو جاتا ہے۔ جب کمپنی کو بھی شخص مان لیا گیا ہے تو یہ بھی اگر دیوالیہ ہو کر تحلیل ہو جائے تو اس کی ذمہ داری بھی اثاثوں تک محدود ہونی چاہیئے، اس لئے کہ کمپنی کا تحلیل ہو جانا ہی اس شخصِ قانونی کی موت ہے۔"[3]

- **تجارت میں عبدِ ماذون کی مثال:**

عبدِ ماذون یعنی ایسا غلام جس آقا کچھ مال دے کر تجارت کی اجازت دے اور کاروباری معاملات کرتے ہوئے وہ مقروض ہو جائے تو صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں کہ:

۱- اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۱۰۴

۲- صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب استحباب الوضع من الدین، حدیث نمبر: ۱۵۵۶، ۳/ ۱۱۹۱

۳- اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۸۲-۸۳ نیز دیکھئے: اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۱۰۵

"وديونه متعلقة برقبته يباع للغرماء إلا أن يفديه المولى"[1]

ترجمہ: اور اس (عبدِ ماذون) کے قرضہ جات اس کے ذمہ ہوں گے۔ اس کے قرضہ جات ادا کرنے کیلئے اسے بیچا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ اس کا آقا اس کی طرف سے فدیہ دے دے۔

یعنی غلام کے پاس موجود نقدی، سامان و اشیاء قرض ادا کرنے کیلئے ناکافی ہوں تو پھر غلام کو بیچا جائے گا۔ آقا خود سے مدد کرے تو جائز ہے مگر اس سے مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔ مفتی تقی عثانی اس سے محدود ذمہ داری کا تصور پیش کرتے ہیں کہ:

"یہاں آقا حقیقتاً سارے کاروبار کا مالک ہے، غلام تو محض کاروباری معاہدے کرنے کیلئے ایک درمیانی واسطہ اور ذریعہ ہے، غلام کاروبار میں سے کسی چیز کا مالک نہیں ہے، پھر بھی آقا کی ذمہ داری اس کے لگائے ہوئے سرمائے اور غلام کی قیمت تک محدود ہے، غلام کی موت کے بعد قرض خواہ آقا کے ذاتی اثاثوں پر کوئی دعوٰی نہیں کرسکتے۔

یہ اسلامی فقہ میں پائی جانے والی قریب ترین مثال ہے جو کہ کمپنی کے شئیر ہولڈرز کی محدود ذمہ داری کے بہت مشابہ ہے۔"[2]

کمپنی یا بینک کیلئے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے لئے شخصِ قانونی کا جو جواز پیش کرتے ہیں اس کا مقصد ہی محدود ذمہ داری قبول کرکے خود کو کسی بڑے تاوان اور ذمہ سے محفوظ بنانا ہے۔ اس بارے میں مذکور ہے کہ:

"Another important advantage is undoubtedly the ability to carry on business with limited liability that is to say, no member shoulder the debts of the company to an extent greater than the amount outstanding, if any, on the value of his shares."[3]

ترجمہ: (شخصِ قانونی کا) ایک اور اہم فائدہ کاروبار کو محدود ذمہ داری کے ساتھ چلانا ہے۔ اس طرح کہ کمپنی کا کوئی رکن کمپنی کے قرض کا اتنا ہی ذمہ دار ہوتا ہے جس قدر دستیاب سرمائے میں اس کے حصص کا تناسب ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس میں یہ اعتراض موجود ہے کہ ادارے مضارب کی حیثیت سے جب کام کرتے ہیں تو نقصان کی صورت میں اربابِ الاموال سے ان کے دیئے گئے رأس المال سے زیادہ تاوان ان سے وصول نہیں کیا جاتا۔ اور نہ ہی کمپنی یا بینک اس ضمان کو پورا کرتے ہیں۔

۱- الہدایۃ، ۲۸۹/۴

۲- اسلامی بینکاری کی بنیادیں (ترجمہ)، ص ۲۴۰-۲۴۱

۳- شرکت و مضاربت اور جدید معاشی مسائل، محمد اعجاز، القلم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جون ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۰

مضاربت کے اصولوں کے تناظر میں اس مسئلے کو دیکھا جائے تو یہ کچھ یوں ہے:

مضاربت کا اصول ہے کہ مضارب کی محنت ہوتی ہے اور رب المال کا مال ہوتا ہے۔ نفع ہو تو وہ آپس میں مقرر کردہ تناسب سے تقسیم کرتے ہیں اور اگر نقصان ہو تو رب المال کا مال جاتا ہے اور مضارب کی محنت۔ نقصان مضارب سے نہیں لیا جاتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ارباب الاموال کمپنی یا بینک کے ساتھ مضاربت میں شریک ہوتے ہیں تو اپنے اپنے رأس المال کے بقدر نقصان برداشت کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ اور کمپنی یا بینک اگر ضمان برداشت نہیں کرتے تو یہ مضاربت کے خلاف نہیں کیونکہ یہاں ان کی حیثیت بطور شخصِ قانونی مضارب کی ہے اور مال کا ضمان مضارب پر نہیں آتا۔

مضاربت کا دوسرا اصول رب المال کی طرف سے مضارب کو دی جانے والی اجازت سے متعلق ہے۔ کیا رب المال نے مضارب کو قرض لینے کی اجازت دی؟ یا نہیں دی؟ اس میں دو باتیں سامنے آتی ہیں:

اگر مضارب کو رب المال اجازت دیں کہ اسے قرض لینے کا اختیار ہے تو وہ قرض لے سکتا ہے۔ اگر نقصان سے تمام رقم ڈوب گئی تو اس کا ضمان رب المال پورا کرے گا۔ تاہم کمپنی یا بینک کو بھی اگر ڈیپازیٹرز مضاربت کیلئے سرمایہ دیں اور ان کی طرف سے اجازت بھی دی جائے کہ قرض کی ضرورت ہو تو لے لیں تو اس صورت میں اگر نقصان رأس المال سے زیادہ ہوا تو کمپنی یا بینک کو اپنے ڈیپازیٹرز سے ارباب الاموال کی حیثیت سے ضمان کیلئے رجوع کا اختیار ہوگا۔

اگر مضارب کو قرض کی اجازت نہ ہو تو اس نے پھر بھی قرض لیا اور نقصان ہو گیا تو اس قرض کا ذمہ مضارب پر ہوگا۔ رب المال سے کچھ نہیں لیا جائے گا۔ اسی حساب سے اگر کمپنی یا بینک کو شئیرز ہولڈرز کی طرف سے مضاربت میں قرض لینے کی اجازت نہ ہو تو اگر پھر بھی قرض لیا گیا تو اس کا ذمہ کمپنی یا بینک پر ہی ہوگا۔ اگر کمپنی یا بینک ضمان پورا کرنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں یعنی ان کے پاس سرمایہ باقی نہ رہے کہ اس سے واجبات ادا کر سکیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان سے یہ ذمہ داری اٹھالی جائے گی؟ اس کا حل فقہی قاعدہ میں مل سکتا ہے کہ:

"وديونه متعلقة برقبته يباع للغرماء إلا أن يفديه المولى"[1]

ترجمہ: اور اس (عبدِ ماذون یعنی ایسا غلام جسے تجارت کی اجازت دی جائے) کے قرضہ جات اس کے ذمہ ہوں گے۔ اس کے قرضہ جات ادا کرنے کیلئے اسے بیچا جائے گا سوائے اس صورت کے کہ اس کا آقا اس کی طرف سے فدیہ دے دے۔

۱- الہدایۃ، ۲۸۹/۴

تاہم مندرجہ بالا فقہی اصول کے تحت ضمان کو پورا کرنے کیلئے کمپنی یا بینک کے اثاثہ جات کو بیچا جائے تا کہ قرض خواہوں کے ضمان کو ادا کیا جاسکے۔ اگر پھر بھی یہ ضمان پورا نہ ہو سکے کمپنی یا بینک کو مفلس شمار کر کے حدیثِ مبارکہ پر عمل کیا جائے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ایک مفلس شخص کے قرض خواہوں کو حکم دیا کہ:

((خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ))[1]

ترجمہ: جو ملا ہے وہ لے لو اور اس کے سوا تمہارے لئے کچھ نہیں۔

یعنی کہ مفلس ہو جانے کی صورت میں مقروض کا ذمہ (قرض ادا کرنے کا) ساقط ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ وہ دوبارہ خوشحال ہو جائے تو تب لیا جاسکتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ بینک کی طرف سے قرض خواہوں کو نقصان کا غالب احتمال ہو سکتا ہے تو مفتی تقی عثمانی کی رائے ہے کہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا حق اثاثوں تک محدود ہو گا۔ ہر لمیٹیڈ کمپنی (بینک) کی بیلنس شیٹ شائع ہوتی رہتی ہے۔ قرض خواہ بیلنس شیٹ کو دیکھ کر کمپنی کے مالی استحکام کا اندازہ لگائے گا تب قرض دے گا تو یہ معاملہ علی بصیرۃ کیا جائے گا۔ اس میں کوئی فراڈ یا دھوکہ بھی نہیں ہے۔[2]

کمپنی یا بینک کا محدود ذمہ داری کے تحت کام کرنے کیلئے درج ذیل اصول اپنانے کی ضرورت ہے:

۱. کمپنی یا بینک مضاربت کے طریقہ کار میں ارباب الاموال سے معاہدہ کے دوران قرض سے متعلقہ اجازت نامہ لے لے۔

۲. کمپنی یا بینک اگر خود قرض لیں تو اس کیلئے ضروری سمجھیں کہ قرض ان کے موجودہ سرمائے اور اثاثہ جات سے تجاوز نہ کرے تا کہ محدود ذمہ داری کی آڑ میں فرار کا راستہ اختیار کر کے عوام الناس کی بچتوں اور سرمائے کو ضیاع سے بچایا جاسکے۔

قابلِ ترجیح رائے:

- قدیم مضاربت میں مال و عمل وغیرہ کے بقدر منافع میں مستحق ٹھہرایا جاتا تھا۔ مروجہ مضاربت قدیم مضاربت کی ہی ایک نئی شکل ہے کہ جس میں اوزان کے طریقہ کار کے تحت بینک منافع کا تعین رقم، مدت اور مختلف مدت میں منافع لینے کے اعتبار سے کرتا ہے۔ تاہم یہ بات مضاربت کے اصول کے خلاف نہیں ہے کہ جو رقم، تعداد، مدت اور دیگر لحاظ سے جس قدر سود مند ہو اسے اسی قدر منافع کا مستحق ٹھہرایا جائے

۱- صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، باب استحباب الوضع من الدین، حدیث نمبر:۱۵۵۶، ۳/۱۱۹۱

۲- اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۸۳

اور اوزان کا طریقہ اسی صورت کو سامنے رکھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔ اگر تمام ارباب الاموال اس پر راضی ہوں تو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

- قدیم مضاربت میں مضاربت کی مدت ختم ہونے پر اپنی رقم وصول کی جاتی تھی۔ تاہم عصرِ حاضر میں بینکاری نظام میں ڈیپازیٹر کو اکاؤنٹ سے رقم نکلوانے اور رکھنے کی اجازت ہوتی ہے اس صورت میں بینک یومیہ پیداوار کے طریقہ پر فی یوم منافع کا حساب کر کے ڈیپازیٹر کو اتنے دنوں کا منافع دے دیتا ہے کہ جتنے دن اس کی رقم مضاربت کھاتے میں استعمال میں رہی۔ تاہم بینکوں کے تمام تر مضاربت کھاتے عقد کے ختم ہونے منجمد نہیں کر سکتے کیونکہ ڈیپازیٹر اس طرح مضاربت پر رقم لگانے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا کیونکہ انھیں بوقتِ ضرورت کچھ نہ کچھ رقم چاہیئے ہوتی ہے۔ عصرِ حاضر کی ضرورت کے پیشِ نظر مروجہ مضاربت میں یومیہ پیداوار کا طریقہ کار قابلِ ترجیح اور قابلِ عمل نظر آتا ہے کہ اسے اپنایا جائے۔
- مروجہ مضاربت میں مؤیدین کی رائے ہے کہ بینک کو شخصِ قانونی کی حیثیت دی جائے جیسا کہ وقف اور بیت المال وغیرہ شخصِ قانونی کے تصور پر ایک مستقل وجود سمجھے جاتے ہیں۔ تاہم اسی پر قیاس کرتے ہوئے اگر بینک کو یہ حیثیت دی جائے تو وہ اپنے تمام امور اور انتظامات بلا رکاوٹ بخوبی سرانجام دے سکتا ہے۔ لہذا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔
- قدیم مضاربت میں لا محدود کا تصور پایا جاتا ہے کہ اگر مطلقا مضاربت کی اجازت کی صورت میں تمام تر نقصان و ضمان کی ذمہ داری رب المال پر ہوتی تھی، اور عقد کو مقید کرنے کی صورت میں مضارب کو شرائط کا پابند کیا جاتا تو رب المال کی اجازت کے بغیر قرض لینے کا ضمان مضارب ادا کرتا تھا۔ مروجہ مضاربت میں محدود ذمہ داری کا تصور موجود ہے یعنی اگر بینک قرض لیتا ہے تو نقصان کیلئے رب المال ذمہ دار نہیں ہے گویا ان کے رأس المال کی بینک کے پاس ضمانت ہے، اور اگر قرض بینک کے اثاثہ جات سے تجاوز کر جائے تو بینک بھی اس کا ذمہ دار نہیں۔ اس میں بہتری کی ضرورت ہے تاکہ مروجہ مضاربت کو قدیم مضاربت کے قائم مقام کیا جائے۔ اس میں بینک یا تو ارباب الاموال یعنی ڈیپازیٹرز کو ذمہ داری کیلئے تیار کرے یا اتنا ہی قرض اٹھائے جتنے اس کے اپنے اثاثہ جات ہیں تاکہ ہر طرح کے ضمان کو پورا کیا جاسکے تاکہ محدود ذمہ داری کی آڑ میں لوگوں کے سرمائے کو ضیاع سے بچایا جاسکے۔

فصل سوم

مروجہ مضاربت کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

مضاربت کو اسلامی بینکاری میں استعمال کرنے کیلئے جہاں علماء کرام نے اسکی کچھ صورتیں نکالی ہیں اس پر ناقدین نے کچھ اعتراضات بھی پیش کیئے ہیں۔ ناقدین کی نظر میں جو مروجہ مضاربت کی عملی صورتیں ہیں وہ شرعی مضاربت کے متصادم ہیں اور اس میں کئی قباحتیں ہیں جس کے باعث بینکاری میں اسکا استعمال جائز نہیں ہے۔ ذیل میں اسلامی بینکاری کے طریقہ تمویل مضاربت کے بارے میں وارد ہونے والے اعتراضات اور اسکے مقابل میں مؤیدین کی آراء کا تجزیہ کیا جائے گا۔

مروجہ مضاربت پر ہونے والے اعتراضات درج ذیل ہیں۔

حساب الیومی یا یومیہ پیداوار کا طریقہ کار

اسلامی بینکوں نے مضاربت میں سرمایہ کاری کرنے پر ہر فریق کے سرمائے پر فی یوم فی روپیہ منافع کو یومیہ پیداوار کی بنیاد پر تقسیم کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہوا ہے ناقدین کی نظر میں اس طریقہ کار کو اپنانے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔

یومیہ پیداوار کے طریقہ کار پر درج ذیل بنیادی اعتراضات ہوتے ہیں۔

- اس طریقہ میں راس المال کا مجہول ہونا۔
- اس میں نفع ونقصان کی تقسیم میں عدل وانصاف نہ ہونا۔

راس المال مجہول ہونا:

یومیہ پیداوار پر نفع کی تقسیم میں راس المال معلوم نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ کھاتہ دار رقم نکالتے اور جمع کرواتے رہتے ہیں نفع آخر میں تقسیم کیا جاتا ہے تو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ شروع میں اصل راس المال کتنا تھا۔ ناقدین اسی نقطہ پر اعتراض کرتے ہیں ان کے نزدیک راس المال کی جہالت مضاربت کے اصول کے خلاف ہے جس کے باعث یہ معاہدہ بھی باطل ہونا چاہئے۔

جیسا کہ مفتی ممتاز اس بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

> ''اگر مضارب نے ارباب الاموال سے نفع کا تناسب ایک نہیں رکھا بلکہ کسی سے زیادہ اور کسی سے کم رکھا ہے، مثلاً کسی کو ۵۰ فیصد نفع دیتا ہے، کسی کو ۶۰ فیصد اور کسی کو ۴۰ فیصد۔ تو اس صورت میں ہر شریک کو یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ مضارب نے میرے نفع کی جو

نسبت طے کی ہے، وہ کیا ہے؟ ورنہ نفع مجہول رہے گا۔ الحاصل اسلامی شرکت اور مضاربت میں ہر شریک اور رب المال کے نفع کے تناسب کا معلوم ہونا ضروری ہے، ورنہ پھر یہ اسلامی شرکت اور مضاربت نہ ہو گی۔ اور نفع کے اس تناسب کا معلوم ہونا مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق کل راس المال کے معلوم ہوئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر شریک کیلئے ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ مہینہ، چھ ماہ، سال، دو سال وغیرہ مدت تک جو کاروبار ہوا ہے، یہ کتنے سرمایہ سے ہوا ہے؟ چونکہ اسلامی نامی بینکوں میں کل سرمایہ کبھی بھی کسی کلائنٹ کو معلوم نہیں ہوتا، اور نہ ہی معلوم ہونا ممکن ہے! کیوں؟۔۔۔ اس لئے کہ بینک نے جو طریق کار وضع کیا ہے اس کے پیشِ نظر یہ ناممکن ہے۔"[1]

اس قول کے مطابق متعین سرمایہ نفع کی شرح طے کرنے کیلئے بنیاد ہے۔ مفتی احمد ممتاز کی طرف سے تین طرح کے اعتراضات سامنے آتے ہیں:

- ارباب الاموال (صارفین) کے رأس المال کی جہالت
- مضارب (بینک) کے پاس موجود کل رأس المال کی جہالت
- نفع کا تناسب مقرر کرنے کی جہالت (کہ نفع کا تناسب کتنے رأس المال پر کس حساب سے طے ہوا)

تاہم کل سرمایہ اگر آخر میں بھی معلوم کیا جائے تو نفع کی تقسیم میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔ بینکاری میں سرمایہ کے تعین کی صورت مفتی تقی عثمانی نے اس طرح سے بیان کی ہے کہ:

"سارا سرمایہ یک دم استعمال نہیں ہوتا بلکہ وقفے وقفے سے اشیاء کی خریداری میں استعمال ہوتا ہے۔ پہلی خریداری پر راس المال معلوم ہو گا تو دوسری خریداری پر مزید راس المال معلوم ہو جائے گا۔ جوں جوں کاروبار میں روپیہ لگتا رہے گا راس المال بھی معلوم ہوتا رہے گا۔ تقسیم کے وقت سارا راس المال معلوم ہو جائے گا۔ اس سارے راس المال کا معلوم ہونا نفع کی تقسیم کیلئے ضروری ہے تاکہ طے شدہ شرح پر اسکے مطابق اسے تقسیم کیا جاسکے۔"[2]

مؤیدین کی آراء کو دیکھا جائے تو یہ احناف کے بیان کردہ اصول پر مبنی ہے کہ جس میں عقد کے وقت ہی سرمایہ کا تعین ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ:

۱- "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، ص ۶۴ -۶۵

۲- غیر سودی بینکاری، عثمانی، محمد تقی، ص ۳۲۴

"أَمَّا الْعِلْمُ بِمِقْدَارِ رَأْسِ الْمَالِ وَقْتَ الْعَقْدِ فَلَيْسَ بِشَرْطٍ لِجَوَازِ الشَّرِكَةِ بِالْأَمْوَالِ عِنْدَنَا"[1]

ترجمہ: ہمارے نزدیک شرکت اموال میں عقد کے وقت راس المال کی مقدار معلوم ہونا شرط نہیں ہے۔

مفتی عبد الواحد[2] کہتے ہیں کہ عقد کے وقت دراہم و دینار اگرچہ بے وزن ہوں مگر موجود ہوں۔ ان کے نزدیک راس المال موجود ہونا چاہیئے کیونکہ سرمایہ کا اگر تفصیلی اور مکمل علم نہ بھی ہو تو اس بارے میں سرسری اندازہ ہونا ضروری ہے کہ جس سے مضاربت کی جائے گی۔ جیسا کہ لکھتے ہیں کہ:

"مقدار کی جہالت اگرچہ عدم موجودگی سے بھی ہوتی ہے لیکن وہ ایک منطقی بات ہے۔ عملی بات یہ ہے کہ راس المال موجود ہو کہ اسکی ڈھیری لگی ہو لیکن تفصیلی مقدار کیلئے وزن کی ضرورت ہو۔"[3]

یہاں وہ شافعیہ کا نکتہ بیان کرتے ہیں۔ تاہم اسکے بارے میں وہ شرح مجلہ سے اپنی دلیل پیش کرتے ہیں کہ:

ترجمہ: راس المال کے معلوم ہونے سے مراد ہے کہ اسکی واقعی مقدار کو ذکر کیا گیا ہو۔ یا اسکی طرف اشارہ کیا گیا ہو۔ مثلاً دو آدمیوں نے مضاربت کا معاملہ کیا اور دراہم ایک تھیلی میں ہوں جس کی طرف رب المال نے اشارہ کیا ہو اور دونوں میں سے کسی کو بھی ان دراہم کی واقعی مقدار معلوم نہ ہو تو یہ معاملہ جائز ہے۔[4]

ناقدین جو راس المال کی موجودگی کو جو لازم قرار دیتے ہیں احناف کی ہاں کوئی ایسی شرط نہیں۔ تاہم ناقدین کے بیان کردہ دلائل میں مضاربت میں سرمایہ کی جہالت سے ممانعت کا جو اصول ہے وہ تنازعہ سے بچنے کیلئے ہے اگر طرفین کے درمیان ایسی صورت کے پیدا ہونے کا ڈر نہ ہو تو عقد کے وقت فوری طور پر اسکا تعین لازم نہیں ہوگا۔ جیسا کہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ:

۱- بدائع الصنائع، ۶/۶۳

۲- مفتی عبد الواحد ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۷۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم-بی-بی-ایس پاس کیا۔ درسِ نظامی کی ڈگری جامعہ مدنیہ لاہور سے حاصل کرنے کے بعد وہیں سے تخصص فی الافتاء کیا اور اسی ادارے میں ۱۹۸۳ء سے تاحال تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ دو سال فوج میں میڈیکل کور میں خدمات پیش کیں اور ۱۹۷۹ء سے تاحال محکمہ اوقاف کے ہسپتال میں بطور میڈیکل آفیسر تعینات ہیں۔ دیکھیے: جدید معاشی مسائل، مفتی عبد الواحد، دار الافتاء و تحقیق، لاہور، شعبان ۱۴۲۹ھ، ص ۱

۳- ہدیہ جواب (غیر سودی بینکاری)، عبد الواحد، مفتی، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی، ص ۲۰

۴- ایضا

"وَلَنَا أَنَّ الْجَهَالَةَ لَا تَمْنَعُ جَوَازَ الْعَقْدِ لِعَيْنِهَا بَلْ لِإِفْضَائِهَا إِلَى الْمُنَازَعَةِ وَجَهَالَةُ رَأْسِ الْمَالِ وَقْتَ الْعَقْدِ لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ لِأَنَّهُ يَعْلَمُ مِقْدَارَهُ ظَاهِرًا وَغَالِبًا لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ تُوزَنَانِ وَقْتَ الشِّرَاءِفَيَعْلَمُ مِقْدَارَهَا فَلَا يُؤَدِّي إِلَى جَهَالَةِ مِقْدَارِ الرِّبْحِ وَقْتَ الْقِسْمَةِ"[1]

ترجمہ: ہماری دلیل یہ ہے کہ جہالت بذات خود عقد کے جواز کے مانع نہیں ہوتی۔ بلکہ مفضی الی المنازعہ ہونے کی وجہ سے مانع ہوتی ہے۔ اور عقد کے وقت راس المال کی مقدار کی جہالت مفضی الی المنازعہ نہیں۔ کیونکہ عام طور سے سامان کی خرید کے وقت چونکہ دراہم و دینار کو تولا جاتا ہے۔ اس لئے اس وقت اسکی مقدار معلوم ہو جاتی ہے۔ لہذا نفع کی تقسیم کے وقت نفع کی مقدار بھی مجہول نہیں رہتی۔

مفتی عبدالواحد نے شرح مجلہ کے حوالے سے دلیل پیش کرتے ہوئے سرمایہ کے معلوم ہونے سے متعلق جو شرط لگائی وہ بھی اس صورت میں ہے کہ جب تنازعہ ہونے کا ڈر ہو۔ جیسا کہ پیچھے مؤیدین کی آراء سے متعلقہ بیان ہو چکا ہے کہ ابتداراس المال کا تعین تب لازم ہو گا اگر کسی قسم کے تنازعہ کا خدشہ ہو۔ شرح مجلہ کی اصل عبارت بھی اسی نکتہ کو واضح کرتی ہے جسکا ذکر مفتی عبدالواحد نے نہ کیا۔ شرح مجلہ کی اصل عبارت یہ ہے کہ:

"يُشْتَرَطُ فِي الْمُضَارَبَةِ أَنْ يَكُونَ رَأْسُ الْمَالِ مَعْلُومًا عِنْدَ الْعَاقِدَيْنِ بِالْإِشَارَةِ إِلَيْهِ أَثْنَاءَ عَقْدِ الْمُضَارَبَةِ أَوْ بِالتَّسْمِيَةِ قَطْعًا لِلنِّزَاعِ كَشَرِكَةِ الْعَقْدِ"[2]

ترجمہ: مضاربت میں عاقدین کے پاس راس المال کے معلوم ہونے کی شرط ہے عقدِ مضاربت میں اس کی طرف اشارہ کرنے یا اسکا نام لینے سے۔ شرکت عقد کی طرح نزاع سے بچنے کیلئے۔

تاہم یہاں اگر معاملہ میں تنازعہ پیدا ہونے کا ڈر ہو تو پھر محض راس المال کی تھیلی یا ڈھیری کی طرف طرف اشارہ کرنا بھی کافی نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے بھی تنازعہ ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے ایسا کوئی درست اندازہ نہیں لگایا جا سکتا جس سے طرفین کا باہمی اختلاف ختم کیا جا سکے۔ جیسا کہ تھیلی وغیرہ کے اندر رقم ۲۰۰ درھم بھی ہو سکتی ہے اور ۲۰۰۰ درھم بھی۔ تنازعہ وغیرہ کی صورت میں راس المال کی موجودگی کے ساتھ ساتھ اس کی واقعی مقدار معلوم کرنا بھی ضروری ہو جائے گا۔

مروجہ بینکاری کی مضاربت میں راس المال کے مجہول ہونے کا مسئلہ وقتی ہے۔ مدت کے اختتام پر نفع کی تقسیم کے وقت اسکا تعین ہو جاتا ہے۔ اگر نفع دیتے وقت بھی سرمایہ معلوم نہ ہو سکتا تو تب عقد درست نہ ہوتا۔ تاہم

۱- بدائع الصنائع، ۶/ ۶۳

۲- درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام، آفندی، خواجہ امین علی حیدر، دار الجیل، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۱ء، ۳/ ۴۳۴

اسلامی بینکوں میں عقد کے دورانیے کے اختتام پر جو راس المال معلوم کیا جاتا ہے مفتی ممتاز اس پر بھی اپنا اعتراض پیش کرتے ہیں۔ اس بارے میں وہ رقم طراز ہیں کہ:

"عقدِ شرکت و مضاربت کے بعد تقسیمِ منافع تک مسلسل کاروبار میں سرمایہ لگانے سے سب کچھ اس وقت واضح ہو سکتا ہے جب راس المال کی مقدار وقتِ عقد سے تقسیمِ منافع تک یکساں ہو، اگر ہر دن کا راس المال جدا ہو تو تقسیم کے وقت کیسے واضح ہو سکتا ہے کہ شرکت و مضاربت کے پورے زمانے میں یعنی تاریخ عقد سے تاریخِ تقسیم نفع تک پورا راس المال اتنا رہا؟"[1]

ناقدین کی نظر میں جو راس المال کی جہالت کا اعتراض ہے وہ قابل قبول نہیں ہے اور یہی رائے قابلِ ترجیح ہے کیونکہ بینکاری نظام میں رقوم کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہیں، یہاں سرمایہ تمام مدت یکساں نہیں رہتا۔ اگر یوں کہا جائے کہ راس المال کا حساب لگانا مشکل اور ناممکن ہے تو ایسی بات نہیں۔ آج کل کے دور میں سٹاک مارکیٹ کے اندر شئیرز کے ریٹ ہر منٹ منٹ میں بدلتے رہتے ہیں اور جدید سافٹ ویئرز سے اس کا حساب رکھا جاتا ہے تو اسی طرح کے سافٹ ویئرز نے بینکوں کیلئے بھی یہ مشکل آسان کر دی۔ بینک ان کے ذریعے سے ہر شریک کے ہر دن کا راس المال کا حساب رکھتا ہے۔ اسی کے مطابق ہر دن کے علیحدہ علیحدہ راس المال کا آخر میں اوسط توازن سے تمویل کا شیئر کیپٹل معلوم کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اگر معروف ہو اور شرکاء بھی راضی ہوں تو اس کے مطابق منافع کی تقسیم میں کوئی حرج نہ ہو گا۔

لہٰذا اسلامی بینکاری میں یومیہ پیداوار پر نفع کی تقسیم کا طریقہ کار کرنا ضرورت و حاجت کی بناء پر جائز ہو گا۔ اس سلسلے میں عمران اشرف لکھتے ہیں کہ:

"If distribution on daily products basis is not accepted, it will mean that no partner can draw any amount…will keep the wheel of financial activities jammed for long periods."[2]

ترجمہ: اگر یومیہ پیداوار کی بنیاد پر نفع کی تقسیم کو قبول نہ کیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ نہ تو کوئی شریک کوئی رقم نکلوا سکتا ہے اور نہ ہی مشترکہ فنڈ میں کوئی نئی رقم جمع کی جا سکتی ہے۔ اس طرح کسی کیلئے بھی ممکن نہ ہو گا کہ وہ مشترکہ فنڈ میں رقم جمع کرا سکے سوائے نئی میعاد کے شروع ہونے کی مقررہ تاریخوں میں۔ بینکوں اور مالیاتی اداروں میں بچت جمع کرانے کے اعتبار سے یہ طریقہ سرے سے ناقابل عمل ہے جہاں جمع کرانے والے ایک دن میں کئی کئی بار پیسے جمع کراتے ہیں اور نکلواتے ہیں۔ یومیہ پیداوار کے تصور کو رد کر دینے سے بچت کنندگان

۱- "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، ص ۶۸

2 -Meezan Bank's Guide to Islamic Finance, Usmani, Muhammad Imran, Ashraf, Darul-Ishaat, Karachi, 2002, p.181.

مجبور ہوں گے کہ کسی نفع بخش کھاتے میں فاضل سرمایہ جمع کرانے سے پہلے وہ مہینوں انتظار کریں۔ یہ بات صنعت وتجارت کی ترقی کیلئے بچتوں کے استعمال سے مانع ہوگی اور اس طرح سے مالیاتی جدوجہد کے پہیئے طویل مدتوں کیلئے بالکل جام ہوکر رہ جائیں گے۔

بینک کی طرف سے مکمل طور پر ریکارڈ کا موجود ہونا کسی بھی قسم کی جہالت اور ابہام کو ختم کرتا ہے۔ اس سے نہ تو صارف کا رأس المال معلوم کرنے کی مشکل ہو سکتی ہے اور نہ ہی بینک کا کل رأس المال معلوم کرنا ناممکن رہتا ہے۔

عدل وانصاف نہ ہونا:

ناقدین کا کہنا ہے کہ مضاربت میں شرکاء مختلف اوقات میں شریک ہوتے ہیں۔ کچھ معاہدہ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں تو کچھ بعد میں آتے ہیں۔ اس بناء پر جو یومیہ پیداوار کا طریقہ کار ہے وہ عدل وانصاف کے خلاف ہے۔ اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ اگر معاہدہ میں سالانہ بنیاد پر منافع دیا جائے اور کوئی چھ ماہ بعد شریک ہو رہا ہے اور باقی شرکاء کے ساتھ نفع کا حقدار بن رہا ہے تو یہ درست نہ ہوگا۔ جیسا کہ مفتی عبدالواحد لکھتے ہیں کہ:

"نفع کے استحقاق کی تین وجہیں ہیں۔ مال، عمل اور ضمان۔"[1]

مطلب کہ بعد میں آنے والے شخص کا نہ مال رہا، نہ عمل اور نہ ہی اس کا عقد میں ضمان رہا۔ لہذا اس کا نفع میں استحقاق درست نہیں۔ اس ضمن میں مفتی احمد ممتاز لکھتے ہیں کہ:

"نفع اس کو ملتا ہے جو ضمان اور نقصان کا ذمہ دار ہے جبکہ نئے آنے والے والے شرکاء گزشتہ نقصان اور ضمان کے ذمہ دار نہیں لہذا نفع کے بھی حقدار نہ ہوں گے۔"[2]

مفتی احمد ممتاز دوسری جگہ اعتراض کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

"یومیہ پیداوار کی صورت میں بعض صورتوں میں گزشتہ تجارت کا حرام نفع بعد میں آنے والے شرکاء کو دیا جاتا ہے، اور یہ نفع ان کیلئے حرام ہے کیونکہ جب یہ بعد کے شرکاء شرعاً اس قانون کے مطابق گزشتہ تجارت کے نقصان کے ضامن نہیں تو اس کا نفع بھی ان کیلئے حلال نہ ہوگا۔"[3]

۱- ہدیہ جواب (غیر سودی بینکاری)، ص ۴۰

۲- مروجہ تجارتی کمپنیاں اور اسلامی شرکت ومضاربت، احمد ممتاز، مفتی، جامعہ خلفائے راشدین، کراچی، س ن، ص ۷

۳- "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، ص ۶۲

عقد میں جو مال، عمل یا ضمان کی جو وجہیں ناقدین نے بیان کی ہیں مؤیدین کو اس سے اختلاف نہیں ہے بلکہ ایسے دلائل کو قبول کرتے ہیں جس کے تحت کوئی ایک شریک اپنے مال، عمل یا وجاہت کی بناء پر زیادہ نفع کا حقدار ٹھہرتا ہے۔[1] اگر یہ کہا جائے کہ ان تمام صورتوں کو تب تسلیم کیا جائے گا کہ جب عقد میں پہلے سے موجودگی ہو، بعد میں شامل ہو کر اس طرح عقد سے فائدہ اٹھانا درست نہیں تو مضاربت کے بارے میں میں ایسی مثال بھی ملتی ہے جس پر عقد نہ ہونے کے باوجود بعد میں عقد مضاربت مانا گیا۔

حدیث مبارکہ ہے کہ:

((خَرَجَ عَبْدُ اللَّهِ وَعُبَيْدُ اللهِ ابْنَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي جَيْشٍ إِلَى الْعِرَاقِ فَلَمَّا قَفَلَا مَرَّا عَلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ وَهُوَ أَمِيرُ الْبَصْرَةِ فَرَحَّبَ بِهِمَا وَسَهَّلَ ثُمَّ قَالَ لَوْ أَقْدِرُ لَكُمَا عَلَى أَمْرٍ أَنْفَعُكُمَا بِهِ لَفَعَلْتُ ثُمَّ قَالَ بَلَى هَاهُنَا مَالٌ مِنْ مَالِ اللهِ أُرِيدُ أَنْ أَبْعَثَ بِهِ إِلَى أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَأُسْلِفُكُمَاهُ فَتَبْتَاعَانِ بِهِ مَتَاعًا مِنْ مَتَاعِ الْعِرَاقِ ثُمَّ تبِيعَانِهِ بِالْمَدِينَةِ---))[2]

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹے عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ عراق کی طرف ایک لشکر میں نکلے۔ جب دونوں وہاں پہنچے تو ان کا گزر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس ہوا۔ وہ بصرہ کے امیر تھے۔ انہوں نے انھیں مرحبا کہا۔ اور آؤ بھگت کی اور کہا: اگر میں تمہیں کسی چیز کے نفع دینے پر قدرت رکھتا تو ضرور ایسا کرتا۔ پھر کہا ہاں! یہاں پر اللہ کے مال میں سے کچھ مال ہے۔ میں وہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ تو میں وہ مال تم دونوں کو بطور قرض دے دیتا ہوں۔ تم اس کے ذریعے یہاں عراق کے مال و متاع سے بیع و شراء کر لو۔ اسے اپنے ساتھ مدینہ لے چلو گے تو اس کا راس المال امیر المؤمنین کے حوالے کر دینا۔ اور نفع تم دونوں کا ہو گا۔ انہوں نے کہا ہمیں یہ پسند ہے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان سے مال وصول کر لیں۔ جب ان دونوں نے بیع و شراء کی اور نفع حاصل کر لیا، جب وہ مدینہ پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا! کیا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سارے لشکر والوں کو مال دیا تھا جیسے تمہیں دیا؟ انھوں نے کہا! نہیں۔ اس پر انھوں نے فرمایا! مال اور اسکا نفع دونوں حوالے کرو۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ تو خاموش رہے لیکن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے! امیر المؤمنین آپ کا یہ فیصلہ مناسب نہیں۔ اگر مال کم ہو چکا ہوتا یا ہلاک ہو چکا ہوتا تو ہم ضامن تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے! دونوں مال ادا کرو۔ عبد اللہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرنے لگے تو مجلس کے شرکاء میں سے ایک شخص نے کہا! یا امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ اگر آپ اس معاملے کو ”مضاربت“ بنا دیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے! میں نے اسے مضاربت قرار دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راس المال اور نصف نفع لے لیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دونوں بیٹوں عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے نصف ربح المال لے لیا۔“

۱- تفصیل دیکھیے: غیر سودی بینکاری، عثمانی، محمد تقی، ص۳۱۸-۳۲۲

۲- الموطأ، کتاب القراض، باب ماجاء فی القراض، حدیث نمبر: ۲۵۳۴، ۴/ ۹۹۲

مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں اس بات کا جواز ملتا ہے کہ وہ شرکاء جو پہلے شامل نہ ہوں، انھیں بعد میں عقد میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس پر بھی مفتی احمد ممتاز کا اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"یہاں پیسے، عمل یا وجاہت سے فائدہ عقد اور ضمان کے بعد اٹھایا جارہا ہے۔ جبکہ "یومیہ پیداوار" کے طریقے میں بدون عقد اور ضمان کے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ کیونکہ گزشتہ عرصے میں نہ عقد ہے اور نہ ضمان لہذا اس پر قیاس درست نہ ہوگا۔"[1]

مفتی تقی عثمانی حدیث مبارکہ سے استدلال کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسی صورت کے جس میں بظاہر ایک شخص دوسرے کے پیسے یا عمل یا وجاہت سے فائدہ اٹھا رہا ہو اسے فقہاء کرام نے عرف و تعامل اور حاجت کی بنیاد پر جائز دیا ہے۔ تاہم یومیہ پیداوار کے طریقے میں ایسا کرنے سے شرکت کے کسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی کیونکہ اس میں کسی کو بھی نفع سے محروم نہیں کیا جاتا کہ جس سے شرکت کا معاہدہ باقی نہ رہے، دوسرا جس نسبت سے کسی کا کاروبار میں حصہ شامل نہ ہو تو اسی نسبت سے اس کے نفع کا تناسب بھی کم ہوتا ہے، نیز وہ اصول جو صحابہ و تابعین کے آثار میں مذکور ہے کہ **الوضیعة علی المال و الربح علی ما اصطلحوا علیه**(نفع اس بنیاد پر تقسیم ہوگا جس پر شرکاء متفق ہو جائیں، اور نقصان سرمایے کے بقدر ہوگا۔)[2]، وہ بھی اس صورت میں محفوظ ہے۔[3] تاہم مؤیدین کی رائے کو انہی بنیادوں پر ترجیح دی جائے گی۔

بہر کیف یہ مسئلہ کہ اسلامی بینکاری میں بعد میں شامل ہونے والے کا کس تناسب سے کم حصہ گا تو اس کا طریقہ کچھ اس طرح ہے کہ مثال کے طور پر فرض کیا جائے کہ اگر زید اور عمر کا چلتا ہوا کاروبار ہو اور سال کے آخر میں وہ نفع و نقصان کا حساب کتاب کرتے ہوں، انھیں کاروبار میں وسعت لانے کیلئے سرمائے کی ضرورت ہو تو چھ ماہ

۱- "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، ص ۵۷

۲- اصل، الشیبانی، محمد بن الحسن، دار ابن حزم، بیروت-لبنان، الطبعة الاولی ۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲ء، ۴/ ۶۲

۳- غیر سودی بینکاری، عثمانی، محمد تقی، ص ۳۲۴

بعد بکر کو ساتھ ملا کر نفع کے ایک تہائی میں شریک کر لیں تو سال کے آخر میں بکر کی شراکت نصف ہونے کی وجہ سے وہ ایک تہائی نفع کے نصف یعنی چھٹے حصے کا حقدار ہو گا۔[1]

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ شرکاء باہمی رضامندی اور اتفاق سے عقد میں شمولیت کو قبول کرتے ہیں۔ اور بعد میں آنے والے کو اسی تناسب سے نفع کا مستحق ٹھہرایا جاتا ہے۔ اس میں یہ ابہام کہ عقد میں بعد میں آنے والے شخص کا سرمایہ مضاربت میں استعمال ہوا یا نہیں، اس کو نفع اس کے مال سے ہی دیا جارہا ہے یا نہیں تو اس کا جواب ہے کہ سب لوگوں کا سرمایہ شرکت کے حوض میں جانے کے بعد مخلوط ہو جاتا ہے۔ اس لیئے نفع میں شرکاء کے درمیان کمی بیشی جائز ہے۔ شراکت میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس کے روپے پر کتنا نفع ہوا، بلکہ مجموعی نفع خواہ کسی کے روپے سے حاصل ہوا ہو، اسی کو شرکاء کے درمیان طے شدہ تناسب سے تقسیم کیا جاتا ہے۔[2]

جیسا کہ طرح بدائع الصنائع میں ہے کہ:

"فَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ تَسْمِيَتُهُ شَرِكَةً لِاخْتِلَاطِ الرِّبْحِ، لَا لِاخْتِلَاطِ رَأْسِ الْمَالِ، وَاخْتِلَاطُ الرِّبْحِ يُوجَدُ وَإِنْ اشْتَرَى كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِمَالِ نَفْسِهِ عَلَى حِدَةٍ؛ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ وَهِيَ الرِّبْحُ تَحْدُثُ عَلَى الشَّرِكَةِ...حَتَّى لَوْ هَلَكَ بَعْدَ الشِّرَاءِ بِأَحَدِهِمَا: كَانَ الْهَالِكُ مِنْ الْمَالَيْنِ جَمِيعًا؛ لِأَنَّهُ هَلَكَ بَعْدَ تَمَامِ الْعَقْدِ."[3]

ترجمہ: شرکت کا عقد کرنے سے ابھی مال اکٹھا نہ کیا جائے اور کوئی اپنے مال سے کچھ خرید کریجے تو نفع سب میں برابر کا ہو گا، اور اگر خریداری کے بعد وہ ہلاک ہو جائے تو بھی نقصان سب اٹھائیں گے۔

تاہم عقد میں شمولیت کے بعد نقصان کا رسک (Risk) ہر شریک اپنے حصہ کے بقدر برداشت کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے یہ عدل وانصاف کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ اسٹیٹ بینک کی شق میں یہ بات درج ہے کہ:

"جملہ شرکاء بیک وقت اپنے اپنے سرمائے کے تناسب سے خسارہ برداشت کریں گے۔"[4]

۱- غیر سودی بینکاری، عثمانی، محمد تقی، ص ۳۱۷

۲- ایضاً، ص ۳۱۸- ۳۲۱

۳- بدائع الصنائع، ۶/ ۶۰

۴- بلاسود بینکاری اور اسلامی معیشت، القادری، محمد طاہر، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، جون ۱۹۹۴ء، ص ۳۵

ویٹیج یاوزن کا طریقہ کار

مضاربت کھاتوں کو اوزان دیئے جاتے ہیں تا کہ ان کے کھاتہ داروں کو منافع دینے میں بینک کو سہولت ہو سکے۔ چونکہ یہ اوزان مدت اور رقم کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں تو اس پر ناقدین کے کچھ اعتراضات بھی ہیں۔ اس طریقہ کار پر ان کے کئے جانے والے اعتراضات درج ذیل ہیں۔

- ربا اور اکل بالباطل کا احتمال ہونا۔
- معاہدہ غیر مساوی ہونا۔

ربا اور اکل بالباطل کا احتمال ہونا:

ویٹیج کے طریقہ کار پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں نفع کی تقسیم تخمینی، تشکیکی اور تردیدی ہے جو کہ حتمی نہ ہونے کی وجہ سے شبہۃ الربا (یعنی سود کی طرح کسی کی رقم سے ناجائز منافع لینا) یا اکل بالباطل کا احتمال رکھتا ہے۔ اس حوالے سے مفتی احمد ممتاز اسکی مثال پیش کرتے ہیں کہ:

> "زید نے چھ لاکھ روپے ایک سال کیلئے بینک میں جمع کئے جسکا ویٹیج 1.10 روپے مقرر ہوا اور چھ ماہ تک اسی ویٹیج اور شرح نفع کے اعتبار سے منافع لیتا رہا، اچانک اسکو رقم سال پورا ہونے سے چار پانچ ماہ پہلے نکلوانی پڑی، ایسی صورت میں بینک کا قانون یہ ہے کہ چھ مہینے کی ویٹیج مثلاً 1.05 روپے کے حساب سے اس کے نفع کا حساب کیا جاتا ہے اور چھ مہینے جو 1.10 روپے کے حساب سے زیادہ نفع لے چکا ہے اسکو واپس کاٹ لیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں جو شرح نفع مقرر کی گئی تھی وہ حتمی نہیں بلکہ تشکیکی اور تردیدی ہے، جبکہ اسکا حتمی طور پر معلوم ہونا ضروری ہے۔"[۱]

اسکا جواب ہے کہ مندرجہ بالا صورت اس وقت ہو سکتی تھی کہ جب بینک یا بینک کے ڈائریکٹر ان میں سے کوئی اکاؤنٹ ہولڈرز کا مال کھا رہے ہوں، اگر یہ اصول تمام اکاؤنٹ ہولڈرز کے لئے یکساں طور پر نافذ ہو تو اس میں شبہ سود یا اکل بالباطل کا احتمال کیسے ہو سکتا۔[۲]

مؤیدین کی رائے درست ہے۔ تاہم اس ضمن میں کچھ پہلو سامنے آتے ہیں۔ اگر یہ قانون نہ ہو تو پھر تادیبی کاروائی بے سود ہو گی۔ ہر کوئی تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد ہی اپنا سرمایہ نکلوا کر منافع کھائے گا اور بینک کو طویل مدت سرمایہ کاری نہ ملے گی۔ جبکہ بینکوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے مقصود طویل مدت سرمایہ کاری کو ممکن بنانا

---

۱ - "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، ص ۸۹

۲- اسلامی بینکاری اور علماء، ص ۱۴۱

ہوتا ہے۔ بہر حال اس میں ہر شخص کو ایک ہی لاٹھی سے نہ ہانکا جائے اگر کوئی مجبور شخص ہو تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کرنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کو آپریشن کیلئے رقم نکلوانی ہو تو بینک ڈاکٹری نسخے اور میڈیکل رپورٹس طلب کر سکتا ہے تاکہ اس بات کی تصدیق ہو سکے کہ وہ واقعی مجبور اور ضرورت مند ہے۔ تاہم اس سلسلے میں ہیرا پھیری سے بچنے کیلئے بینک اپنا پینل منتخب کر سکتا ہے کہ فلاں فلاں ہسپتال یا ڈاکٹرز کی تصدیق شدہ رپورٹس قابلِ قبول ہوں گی۔ اس طرح مکمل طور پر تسلی کے بعد بینک کو اسکی رقم سے کٹوتی نہیں کرنی چاہیئے۔

معاہدہ غیر مساوی ہونا:

ڈیپازیٹرز کی رقم کی کمی بیشی کے باعث ویٹیج دینے کو ناقدین غیر مساوی قرار دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں حافظ ذوالفقار لکھتے ہیں کہ:

> "میزان بینک کے کسی ماہ کا ویٹیج اسائنڈ یوں رہا: اگر رقم ۱۰۰۰۰ سے لیکر ایک لاکھ سے کم ہو تو ویٹیج اسائنڈ 0.31 ہو گا اور اگر رقم ایک لاکھ سے لے کر 0.99 ملین تک ہو تو ویٹیج اسائنڈ 0.36 تک ہو گا۔ گویا اسلامی بینکوں میں کم رقم رکھوانا جرم ہے جس کی سزا یہ ہے کہ اسکی رقم کا وزن کم رکھا جائے۔ ویٹیج اسائنڈ کو رقم کی کمی بیشی سے مربوط کرنا عدل کے خلاف ہے"[۱]

اسکے علاوہ ان کے نزدیک بینک اپنا ویٹیج دوسرے کھاتہ داروں کی نسبت زیادہ رکھتا ہے جو کہ عدم مساوات پر مبنی ہے۔ اسکی وجہ یوں بیان کرتے ہیں:

> "اصول کے مطابق کھاتہ داروں کے ویٹیج اسائنڈ بینک کی رقم سے زیادہ ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ مجموعی اعتبار سے کھاتہ داروں کی رقم زیادہ ہے لیکن بینک نے الٹا اپنی رقم کا ویٹیج اسائنڈ زیادہ رکھا ہوتا ہے۔"[۲]

یہاں جو اعتراضات کئے گئے ان نکات سے متعلقہ وضاحت پیچھے بیان ہو چکی کہ ویٹیج دینے کا بنیادی اصول ہی یہی ہے کہ جو جتنا زیادہ رسک اٹھائے گا اتنا ہی نفع حاصل کرے گا اب رسک چاہے مدت کے اعتبار سے ہو یا رقم کے اعتبار سے۔ اسی طور پر اسٹیٹ بینک نے شرح منافع کے تعین سے متعلقہ جو تجاویز پیش کیں اس میں بھی واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ بینک مالکان چونکہ اپنا سرمایہ کھاتہ داران کی طرح بنک سے باآسانی نہیں نکلوا سکتے۔ ان کیلئے

۱- اسلامی بینکاری کی حقیقت، ص۱۹

۲- ایضاً، ص۲۰

منافع کا تناسب زیادہ مقرر ہو سکتا ہے۔[1] دوسرا یہ کہ اگر کھاتہ داروں کی رقوم انفرادی طور پر دیکھی جائیں تو ہر کھاتہ دار کی نسبت بینک کا کھاتہ زیادہ ہی ہو گا۔ لہذا دونوں اعتبار سے بینک کا عمل دخل زیادہ ہے۔ لہذا اس میں ان کا نفع میں زیادہ تناسب جائز ہو گا۔ اس کا جواز بدائع الصنائع میں کی عبارت سے یوں ملتا ہے کہ:

”وَلَا الْمُسَاوَاةِ فِي الرِّبْحِ، فَيَجُوزُ مُتَفَاضِلًا وَمُتَسَاوِيًا لِمَا قُلْنَا، وَالْأَصْلُ أَنَّ الرِّبْحَ إنَّمَا يُسْتَحَقُّ عِنْدَنَا إمَّا بِالْمَالِ وَإِمَّا بِالْعَمَلِ وَإِمَّا بِالضَّمَانِ، أَمَّا ثُبُوتُ الِاسْتِحْقَاقِ بِالْمَالِ فَظَاهِرٌ؛ لِأَنَّ الرِّبْحَ نَمَاءُ رَأْسِ الْمَالِ فَيَكُونُ لِمَالِكِهِ، وَلِهَذَا اسْتَحَقَّ رَبُّ الْمَالِ الرِّبْحَ فِي الْمُضَارَبَةِ وَأَمَّا بِالْعَمَلِ، فَإِنَّ الْمُضَارِبَ يَسْتَحِقُّ الرِّبْحَ بِعَمَلِهِ فَكَذَا الشَّرِيكُ.“[2]

ترجمہ: اور منافع میں برابری نہیں ہے۔ پس جیسا کہ ہم نے بیان کیا زیادتی یا برابری جائز ہے۔ اصل چیز نفع ہے جس میں ہمارے نزدیک مال، عمل اور ضمان کے ذریعے مستحق ٹھہرا جاتا ہے۔ بہر حال مال کے ذریعے مستحق ہونا ظاہر ہے، کیونکہ نفع راس المال کا ہی نمو (بڑھوتڑی) ہے جو کہ مالک کا ہی ہو گا۔ اور اسی طرح (مال کی بناء پر ہی) رب المال مضاربت میں (نفع کا) مستحق ہوتا ہے۔ اور عمل سے بھی (نفع میں استحقاق ہوتا ہے)، بیشک مضارب اپنے عمل کی وجہ سے ہی نفع میں مستحق ٹھہرتا ہے۔ پس اسی طرح شریک بھی۔

حنابلہ و شافعیہ کی بھی رائے ہے کہ مضاربت میں مال دیتے وقت معلوم مقدار میں نفع کا مختلف تناسب مقرر کیا جائے جیسا کہ ثلث یعنی تیسرا حصہ، نصف یعنی آدھا، ربع یعنی آدھا وغیرہ تو جائز ہے۔[3] ان حضرات کے نزدیک جس پر عاقدین باہم راضی ہوں اس کو تسلیم کیا جائے گا۔

مندرجہ بالا دلائل کی رو سے بینک کا مال اور عمل زیادہ ہے تو اس کی وجہ سے منافع میں زیادہ تناسب کا حقدار ٹھہر سکتا ہے۔ بینک ضمان بھی زیادہ برداشت کرتا ہے جس پر زیادہ نفع لینا فقہی دلائل میں درست ہے۔ لہذا مؤیدین کی رائے کو تسلیم کیا جائے گا۔

مذکورہ اعتراضات اور ان کی مقابل آراء کی روشنی میں بنیادی طور پر ویٹیج کے طریقہ کار کا جواز ان دو باتوں پر منحصر ہے۔

- ویٹیج کے اصولوں کا مساوی طور پر لاگو ہونا۔
- شرکاء کا ان اصولوں پر باہم رضامندی ظاہر کرنا۔

۱- بلا سود بینکاری اور اسلامی معیشت، ص ۳۵

۲- بدائع الصنائع، ۶/ ۶۲

۳- المغنی، ۵/ ۲۵

ان کے پیشِ نظر ویٹیج کے طریقہ میں کوئی عدم مساوات یا باطل کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔

نفع کا غیر یقینی تناسب ہونا

مضاربت میں ڈیپازیٹر نفع کی تقسیم کا تناسب بینک یا ویب سائٹ سے جان سکتا ہے۔ ناقدین کا اعتراض اس بات پر ہے کہ معاہدہ کرتے وقت جو فارم پر کیا جاتا ہے تو اس پر درج ہوتا ہے کہ یہ تناسب بینک کسی بھی وقت تبدیل کرنے کا مجاز ہو گا۔ تاہم ان کے نزدیک یہ غیر یقینی ہونے کے باعث درست نہیں ہے۔ اس پر حافظ ذوالفقار علی نے یوں کہا کہ:

> "بینک تبدیل شدہ تناسب سے ڈیپازیٹرز کو مطلع کرنے کا ذمہ دار ہے مگر یہ تبدیل شدہ تناسب کتنی مدت کیلئے ہو گا اسکا ذکر نہیں ہوتا اس سے یہ معاملہ ناجائز ہو جاتا ہے۔"[1]

بینک کھاتہ داروں کے سرمائے کو ویٹیج دیتا ہے تاکہ منافع میں ان کا فیصدی حصہ کا تعین کیا جا سکے کہ کل منافع میں سے کتنا دینا ہے۔ اس کے مطابق جب مدت کے اختتام پر منافع تقسیم کرتا ہے تو اس پر تناسب کا اعلان کرتا ہے کہ ڈیپازیٹر کے سرمائے کے حساب سے نفع کا تناسب کتنا رہا۔ گویا بینک ٹرم کے اختتام پر یہ تناسب بتاتا ہے جو کہ بینک شروع میں نہیں بتا سکتا اور نہ ہی اس بات کی گارنٹی دے سکتا ہے آئندہ بھی یہی تناسب رہے گا۔ اس کی وضاحت اعجاز احمد صمدانی[2] یوں بیان کرتے ہیں کہ:

> "بینک نے اگر اپنے ڈیپازیٹر سے سو روپے کا ڈیپازٹ لیا اور اس پر بیس روپے نفع کمایا، بینک نے حاصل شدہ نفع کا پچاس فیصد خود رکھا اور پچاس فیصد ڈیپازیٹر کو دیا، اس طرح ڈیپازیٹر کو اپنی دی ہوئی رقم پر دس روپے مل گئے، یہ دس روپے اصل میں تو حاصل ہونے والے نفع کا پچاس فیصد ہیں البتہ اگر ڈیپازیٹر کے سرمائے کے اعتبار سے اس کی نسبت معلوم کی جائے تو یہ اصل سرمایہ کا دس فیصد ہو گا۔ لہٰذا اگر اسلامی بینک اپنے نفع کا اعلان کرتے ہوئے یہ بتلا دے کہ ہم نے اپنے ڈیپازیٹر کو ان کے سرمائے پر دس فیصد نفع دیا تو اس کی گنجائش ہے لیکن شروع میں اصل سرمایہ پر کوئی حتمی ریٹ نہیں بتایا جا سکتا۔ ایک تو اس لئے کہ اس سے خود شرکت یا مضاربت کا عقد

۱- اسلامی بینکاری کی حقیقت، ص۱۹

۲- اعجاز احمد صمدانی نے جامعہ دار العلوم کراچی سے تخصص فی الافتاء کی سند حاصل کی اور یہی سے علمی خدمات کا آغاز کیا۔ فقہی مسائل کے ساتھ ساتھ تجارت، اسلامی معیشت اور اسلامی بینکاری سے متعلقہ بے تحاشا علمی خدمات پیش کر چکے ہیں۔ دیکھیئے: غرر کی صورتیں، صمدانی، اعجاز احمد، مولانا، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید جنوری ۲۰۰۹ء- محرم ۱۴۳۰ھ، ص۱۶

ناجائز ہو جاتا ہے دوسرے اس لئے کہ عام طور پر اسلامی بینک کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہ وہ اس سرمائے پر کتنا نفع کمائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر اسلامی بینک نفع تقسیم کرنے کے بعد یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے اس سال اپنے ڈیپازیٹر کو دس فیصد نفع دیا تو اس کا یہ طریقہ شرعی اصولوں کے متصادم نہیں۔"[1]

یہاں پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ بینک بعد میں جس تناسب کا اعلان کرتا ہے وہ حقیقی تناسب ہوتا ہے یعنی ڈیپازیٹر کے کل کتنے سرمائے پر کتنا فیصد نفع ہوا۔ اس سے متعلقہ وہ یقینی طور پر طے نہیں کر سکتا کہ یہ تناسب کب تک رہے گا۔ البتہ بینک ویٹیج کی بنیاد پر بتا سکتا ہے کہ آئندہ منافع کس تناسب سے دیئے جائیں گے جو کہ کل منافع کا تناسب ہوتا ہے مثلاً منافع کا نصف، ثلث، ربع وغیرہ۔ مگر یہ ہر ڈیپازیٹر کے سرمائے پر نفع کا حقیقی تناسب نہیں ہوتا مثال کے طور پر اگر ڈیپازیٹر نے بینک کے پاس دس ہزار رکھوائے تو اسے کہا جائے کہ اس کو نصف منافع دیا جائے گا اور بینک کو دو ہزار منافع ہوا اور اس میں سے نصف یعنی ایک ہزار ڈیپازیٹر کو ملا تو یہ ڈیپازیٹر کے سرمائے یعنی دس ہزار کے حساب سے دسواں حصہ ہوگا۔ اسی طرح اگلے ماہ اگر بینک کو ایک ہزار منافع ہو اور اس میں سے نصف یعنی پانچ سو روپے منافع ڈیپازیٹر کو دے تو یہ بینک کی طرف سے تو وہی نصف ہوگا مگر ڈیپازیٹر کے سرمائے کے حساب سے پانچواں حصہ ہوگا کیونکہ حقیقی تناسب تو سرمائے کے حساب سے آئے روز بدلتا رہتا ہے اور اس کی پیشگی اطلاع دینا بینک کیلئے ممکن ہی نہیں۔ بینک یہی حقیقی تناسب بعد میں بتاتا ہے لہذا مؤیدین کی رائے درست ہے۔

مضاربہ چارجز وصول کرنا

بینکاری مضاربہ پر یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ بینک اس معاہدے کے تحت مضاربہ فیس بھی وصول کرتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ گویا تمام اخراجات ڈیپازیٹر پر ڈالے جاتے ہیں۔ اس اعتراض کو دارالافتاء کے علماء یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"بینک انتظامی اخراجات اور فیسیں ادا کرنے کیلئے اخراجات اور مضاربہ فیس نفع میں سے منہا کرتا ہے اور پھر بقیہ نفع طے شدہ شرح کے مطابق گاہگ اور بینک کے درمیان تقسیم ہوتا ہے۔"[2]

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ مضاربت کا اصول ہے کہ مضارب الگ سے مضاربہ فیس وصول نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر مضارب شہر یا مقامی جگہ سے باہر جاتا ہے تو وہ رب المال سے اخراجات وصول کر سکتا ہے۔ جیسا کہ

---

١ - اسلامی اور سودی بینکاری میں فرق، صمدانی، اعجاز احمد، مولانا، مکتبہ کامل پورے، کراچی، ص ۴۰

٢- مروجہ اسلامی بینکاری، ص ٢٠٦

مضاربت کے قوانین میں یہ بات گزر چکی ہے۔ اسی پر ان کا استدلال ہے کہ بینکاری میں مضاربت کے معاہدے میں بینک کی حیثیت مضارب کی ہے تو اسے دفتری اخراجات خود برداشت کرنے چاہئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بینک کے اخراجات دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک بلاواسطہ اور دوسرے بالواسطہ۔ بینک کے براہ راست اخراجات مثلاً مال کی خریداری اور اسکی ترسیل سے متعلقہ اخراجات تو مال مضاربت سے پورے کئے جائیں گے لیکن بالواسطہ اخراجات مثلاً ملازمین کی تنخواہیں، عمارتوں کے کرائے، بجلی اور گیس کے بل وغیرہ یہ بینک خود برداشت کرے گا۔[1] بینک کے مضاربت فارم میں یہ بات مذکور ہوتی ہے کہ مضاربت کی آمدنی حاصل کرنے میں جو براہ راست لاگت یا اخراجات آئیں، ان کو منہا کر کے مجموعی آمدنی میں طے شدہ تناسب کے حساب سے بینک نفع میں شریک ہو گا۔ ناقدین کا اعتراض اصل صورت حال سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔ بینک کھاتہ دار کا اکاؤنٹ کھولتے وقت بہت ساری خدمات سرانجام دیتا ہے، جسکی وہ فیس وصول کرتا ہے جیسا کہ چیک بک جاری کرنا، ڈرافٹ بنانا، رقم منتقل کرنا، پے آرڈر کرنا اور ایل سی کھولنا وغیرہ، اسکے علاوہ بعض اوقات کوئی ٹیکس وغیرہ بھی عائد ہو جاتا ہے۔ یہ تمام ادائیگیاں اکاؤنٹ ہولڈر کرتا ہے جسکا مضاربت سے تعلق نہیں ہوتا۔[2]

بینک وکالت پر مبنی خدمات کا عوض صارفین سے وصول کر سکتا ہے۔ لہذا مؤیدین کی رائے قابلِ تسلیم ہے۔ البتہ مضاربت کے اخراجات صرف ڈیپازیٹر پر اکیلے نہیں ڈالے جا سکتے۔ یہ اخراجات بینک اور ڈیپازیٹر مل کر برداشت کریں گے۔ براہِ راست اخراجات مالِ مضاربت سے ہوں گے اور بالواسطہ اخراجات بینک برداشت کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اخراجات کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوں تاہم اس کیلئے مل کر تکافل اکاؤنٹ تشکیل دینا بہتر ہو سکتا ہے، ہر ماہ اس اکاؤنٹ میں کچھ مخصوص رقم ڈالی جائے تا کہ مضاربت کے اخراجات اور نقصانات کو پورا کرنے سے ڈیپازیٹرز پر اضافی اخراجات کا بوجھ کم ہو۔

غیر تجارتی امور انجام دینا

شریعہ سٹینڈرز میں درج ہے کہ اپنی پیشہ ورانہ مہارت و قابلیتوں اور جدید تیکنیکوں کو مؤثر انداز میں استعمال کرتے ہوئے، سرمایہ سے جائز سرمایہ کاری یا تجارت کی جا سکتی ہے۔[3]

۱۔ بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، عثمانی، محمد تقی، مفتی، مکتبہ دارالعلوم، کراچی، سن ندارت، ۲/ ۱۶۶

۲۔ غیر سودی بینکاری، عثمانی، محمد تقی، ص ۳۰۱-۳۰۲

3- Shari’ah Standards 9/1/1, AAOIFI, Bahrain, Safar 1439A.H, Nov 2017 A.D, p.376.

ناقدین کو مروجہ مضاربت پر یہ اعتراض بھی ہے کہ مضاربت کے سرمائے کو بینک صرف تجارت میں استعمال نہیں کرتا بلکہ اسے تجارت کے علاوہ کاروباری سرگرمیوں جیسا کہ صنعت و حرفت، زراعت وغیرہ کیلئے بھی صرف کرتا ہے جو کہ مضاربت کے خلاف ہے۔ حافظ ذوالفقار اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"کتب فقہ میں مضاربہ کا ایک اصول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ مضاربہ کی بنیاد پر لئے گئے سرمائے سے صرف تجارت ہی کی جاسکتی ہے، تجارت کے علاوہ اسے کسی اور مقصد کیلئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔"[۱]

گویا ان حضرات کے نزدیک مضاربت کے مال کو تجارتی سرگرمیوں کے علاوہ کسی اور نفع بخش کاروبار میں لگانا جائز نہیں۔ یہ حضرات فقہ کے ایسے تمام دلائل سے استدلال کرتے ہیں کہ جس میں مضاربت کیلئے تجارتی امور کا حکم قرار دیا گیا۔ جیسا کہ مذکور ہے کہ:

"فَيَنْتَظِمُ الْعَقْدُ صُنُوفَ التِّجَارَةِ وَمَا هُوَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ، وَالتَّوْكِيلُ مِنْ صَنِيعِهِمْ"[۲]

ترجمہ: پس عقد (مضاربہ) تجارتی سرگرمیوں کو ہی شامل ہے۔ جبکہ یہ کام (ایک خاص مسئلہ کی طرف اشارہ) تاجروں کا کام نہیں ہے۔ اور وکالت ان کے کام میں ہی ہے۔

مضاربت سرمایہ کو استعمال کرنے کیلئے علماء کی یہ رائے ہے کہ مضاربت مطلقہ میں بینک کو اختیار ہو گا کہ وہ اسے بہتر طور پر جیسے چاہے استعمال کرے، البتہ اس میں خسارے کا غالب گمان نہ ہو۔ البتہ خسارے کے غالب امکان کی صورت میں سرمایہ ضائع کر دیا گیا تو اسکا ضمان بینک پر ہی ہو گا۔[۳]

بینک کا مقصد چونکہ موجودہ سرمایہ کو بڑھانا ہوتا ہے، مؤیدین کی رائے درست تسلیم کی جائے گی کیونکہ اسلامی بینک کا موقف بھی یہی ہے کہ جائز منافع کما کر اپنے کھاتہ داروں کو بھی نفع پہنچائے۔ اس مقصد کیلئے بینک کو مطلقاً اختیار دینا بہتر ہو گا کہ وہ بچتوں کو اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے۔ علماء کرام بھی اسی بناء پر مضاربت میں غیر تجارتی امور سرانجام دینے کی اجازت دیتے ہیں کہ جب بہترین سرمایہ کاری کرنا ہدف سمجھا جائے۔

۱۔ مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی شرعی حیثیت، ذوالفقار علی، حافظ، ماہانہ محدث، مجلس التحقیق الاسلامی، مارچ ۲۰۱۳ء۔ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ، جلد ۴۵/ شمارہ ۳۶۰، ص ۸۷

۲۔ البنایۃ شرح الہدایۃ، العینی، بدر الدین، محمود بن احمد بن موسیٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔ لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۰ھ۔ ۲۰۰۰ء، ۱۰/ ۵۲

3- A Compendium of Legal Opinions on the Operations of Islamic Banks, Institute of Islamic Banking and Insurance, London, Uk,Reprinted in Paperback 2001, p.178.

شریعت اللہ کا فضل تلاش کرنے اور جائز روزی کمانے کی اجازت دیتی ہے۔ اسی پر اطلاق کرتے ہوئے غیر تجارتی امور مضاربت کیلئے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ اسکی تائید ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی[1] یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"شرکت و مضاربت میں فقہاء کے نزدیک شرکاء یا کاروباری فریقوں کو مزدور رکھنے، مکان، دوکان، باربرداری کے جانور، کشتیاں اور دیگر سواریاں کرایہ پر لینے وغیرہ کاروباری تصرفات کے اختیارات حاصل ہیں، یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اگر ان کے زمانے میں مشینیں لگا کر کارخانے قائم کرنے اور خام مال خرید کر ان کارخانوں میں مزدوروں اور دوسرے ماہرین کی خدمات کے ذریعے مصنوعات تیار کر کے فروخت کرنے کا رواج ہوتا تو وہ بلا جھجک شرکت و مضاربت کے اصولوں کا اطلاق اس کاروبار پر بھی کرتے۔"[2]

تاہم مروجہ مضاربت میں بینک شریعہ بورڈ کی رہنمائی میں کام کرتا ہے۔ شریعہ بورڈ کے ممبران معاملات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کی منظوری دیتے ہیں۔ تمام امور شریعت کی بالادستی میں انجام پاتے ہیں۔ دبئی اسلامی بینک کا طریقہ کار[3] اسکی واضح مثال ہے۔

۱- نجات اللہ صدیقی ۱۹۳۱ء میں ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے علی گڑھ یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کی اور ایسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے معاشیات اور اسلامک سٹڈیز کے شعبے میں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ جدہ کی کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی میں تدریسی خدمات سرانجام دیں اور وہاں اسلامی ڈیولپمینٹ بنک کے اسلامی تحقیق و تربیتی ادارہ کے بھی وزیٹنگ اسکالر رہے۔ دیکھیئے:
http://marifaacademy.com/ur/discover/scholar, visited on: 4, July, 2020 at 1:15pm.

۲- شرکت و مضاربت کے شرعی اصول، صدیقی، نجات اللہ، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، اشاعت اول: جولائی ۱۹۹۲ء-اشاعت دوم: جولائی ۱۹۹۷ء، ص ۱۵۰

۳- تفصیلات بینک کی ویب سائیڈ پر موجود ہیں کہ وہ مرکزی بینک کی ہدایات کے مطابق شریعت کی بالادستی میں کام کرتے ہیں۔ دیکھیئے:
https://www.dibpak.com/

خلاصہ بحث

باب ہذا مضاربت کے بیان کے متعلق ہے جو کہ شرعی اعتبار سے جائز ہے۔ عقدِ مضاربت ایسا عقد ہوتا ہے کہ جس میں ایک فریق کی جانب سے مال اور دوسرے فریق کی محنت شامل ہوتی ہے اور منافع فریقین آپس میں طے شدہ تناسب کے تحت تقسیم کرتے ہیں جس میں متعین رقم کی صورت میں مثلاً ماہانہ ۴۰ یا ۵۰ ہزار روپے منافع طے کرنا جائز نہیں ہے۔ عقد کے وقت رب المال کا مضارب کو رأس المال حوالہ کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ وہ اس میں تصرف کرتے ہوئے کاروبار شروع کرے۔ نقصان رب المال پر ہوتا ہے، اصل منافع میں سے نقصان کو پورا کر کے باقی منافع تقسیم کیا جاتا ہے۔ عقد کسی فریق کے ختم کرنے سے ختم ہو جاتا ہے مگر اس کی اطلاع دوسرے فریق کو دینا ضروری ہوتا ہے، بغیر اطلاع کے اگر رب المال نے عقد ختم کیا اور مضارب نے مال کاروبار میں لگالیا تو وہ مضارب سے مال کا تقاضا نہیں کر سکتا بلکہ وہ عقد کے مطابق منافع ہی لے گا۔ اگر رب المال مال کے تصرف سے روکے یا مال ضائع ہو جائے تو بھی عقد باقی نہیں رہے گا کیونکہ عقد میں اصل چیز مال ہی ہے جس پر تجارت و کاروبار ہوتا ہے۔ اسی طرح عاقدین میں سے کسی ایک کے مرنے، مجنون ہو جانے یا مرتد (اسلام سے خارج) ہونے سے بھی عقد ختم ہو جائے گا۔

اسلامی بینکوں میں مضاربت کی کچھ مروجہ صورتیں بھی رائج ہیں جیسا کہ شخصِ قانونی کا تصور، محدود ذمہ داری، یومیہ پیداوار پر منافع کی تقسیم اور منافع کی شرح طے کرنے کیلئے اوزان کا طریقہ۔ اس پر ناقدین کے اعتراضات ہیں، تاہم باب میں بیان کردہ مواد کا حاصل یہ ہے کہ:

۱- اسلامی بینک شخصِ قانونی کی حیثیت سے بطور مضارب سرمایہ داروں کا مال مضاربت میں لگاتے ہیں۔ بینک کو وقف اور بیت المال جیسے اداروں پر قیاس کرتے ہوئے اس کی اس قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

۲- بینک مضاربت میں محدود ذمہ داری کے تحت کام کرتے ہیں یعنی زیادہ نقصان کی صورت میں رب المال سے اس کا تقاضا نہیں کیا جاتا جب کہ قدیم مضاربت میں ایسا نہیں ہوتا۔ مروجہ مضاربت میں بینک کیلئے لازم ہے کہ وہ سرمایہ داروں کو نقصان کی ذمہ داری برداشت کرنے کیلئے کہے یا خود برداشت کرے۔

۳- بینکوں کے اکاؤنٹ سے ڈیپازیٹر رقم نکال اور ڈال سکتا ہے۔ اگر مضاربت کیلئے اسے اکاؤنٹ منجمد کرنے کی شرط لگائی جائے تو سرمایہ دار مضاربت میں رقم لگانے کو تیار نہ ہوں گے یا بہت کم ہوں گے۔ اسلامی بینکوں میں مضاربت کا تناسب ایسے بھی کم ہے۔ تاہم بینک چلت کھاتے سے ڈیپازیٹر کو مضاربت کی سہولت فراہم کرتے ہیں کہ اکاؤنٹ میں جتنی رقم ہو گی اسی حساب سے منافع دیا جائے

گا۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر بینک یومیہ پیداوار کے طریقے پر منافع دیتا ہے کہ ہر روز کتنی رقم موجود رہی اور اس پر کتنا منافع رہا۔ بینک کے پاس چونکہ ہر دن کا حساب و کتاب رکھنا مشکل نہیں تو اس میں رأس المال کی جہالت و غرر کا ابہام نہیں ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

۴- مضاربت میں منافع کی شرح آپس میں باہمی رضامندی سے طے کی جاتی ہے۔ اسلامی بینکوں میں بینک منافع کی شرح نقصان کے خطرے کو برداشت کرنے کے حساب سے رکھتا ہے جو کہ مدت، رقم اور مختلف مدت کے اندر منافع لینے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ یہ بات عقد کے خلاف نہیں ہوتی لہذا یہ صورت جائز ہے۔

۵- شرعیت جائز اور حلال ذرائع سے رزق کے حصول کی اجازت دیتی ہے۔ مضاربت کا مقصد بھی سرمایہ بڑھانا اور منافع کمانا ہوتا ہے۔ اگر عصرِ حاضر میں بینک اپنی صوابدید کے مطابق سرمایہ جائز طریقے سے غیر تجارتی سرگرمیوں میں لگائے تو اس میں رخصت ہے۔

باب چہارم

اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ

فصل اول: اجارہ: معنی و مفہوم اور اصول وضوابط

فصل دوم: مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

فصل سوم: مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

فصل الاول

اجارہ: معنی و مفہوم اور اصول و ضوابط

اجارہ کے لغوی معنی:

لفظ اجارہ أجر سے نکلا ہے اور اس کے معنی ہیں کام کا بدلہ دینا۔ اسی طرح اجارہ "وهو ما أعطيت من أجر في عمل" (کسی کام کے بدلے میں اجرت دینا)[1]

لفظِ اجارہ فقہ اسلامی کی اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو کرایہ پر دینا یا مخصوص شرائط پر کسی دُوسرے کی چیز کے استعمال سے تمام فوائد سے متمتع ہونے کا مُناسِب و موزوں حق۔ آسان الفاظ میں اجارہ سے مراد کسی دوسرے کی چیز کو مخصوص شرائط کی بناپر استعمال کرنے کے لیے شرعی اجازت نامہ۔

اجارہ کی اصطلاحی تعریف:

"تمليك منفعة رقبة بعوض"[2]

ترجمہ: کسی چیز کے نفع کے عوض مالک بنانا۔

"یعنی ایسا عقد جس میں کسی چیز کا حقِ استعمال یا حقِ منافع دوسرے شخص کو طے کردہ اجرت پر فروخت کر دیا جائے۔"[3]

آئمہ کرام اجارہ کی تعریف درج ذیل کرتے ہیں:

مالکیہ کے نزدیک اجارہ:

ابو حبیب سعدی مالکی مکتبہ فکر کی اجارہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"تمليك منافع شئ مباحة مدة معلومة بعوض"[4]

ترجمہ: معلوم مدت میں عوض کے بدلے کسی کو کسی چیز کا مالک بنانا۔

۱- لسان العرب، ۴/ ۱۰

۲- القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، سعدی، ابو حبیب، دار الفکر، دمشق، الطبعہ الثانیۃ ۱۴۰۸ھ /۱۹۸۸ء، ۱/ ۱۳

۳- کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، ۱/ ۲۹۴

۴- القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، ۱/ ۱۳

احناف کے نزدیک اجارہ:

ابو حبیب سعدی کے مطابق احناف کے ہاں اجارہ کی تعریف درج ذیل ہے:

"العقد على المنافع بعوض هو مال"[1]

ترجمہ: کسی عوض پر مالی منافع کا عقد کرنا۔

شافعیہ کے نزدیک اجارہ:

شافعیہ کے نزدیک اجارہ کی تعریف ابو حبیب سعدی کے مطابق یوں ہے کہ:

"تمليك منفعة بعوض بشروط"[2]

ترجمہ: (کسی شخص کو) بعض شرائط کے ساتھ عوض کے بدلے کسی چیز کی منفعت کا مالک بنانا۔

حنابلہ کے نزدیک اجارہ:

ابو حبیب سعدی حنبلی مکتبہ فکر کے مطابق اجارہ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

"هي أن يستأجر الاجير لعمل معلوم"[3]

ترجمہ: یہ کہ کسی معلوم کام کیلئے کسی اجیر (ملازم) کو اجرت پر رکھنا۔

حاصلِ کلام:

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں کسی شے پر عقدِ اجارہ کیلئے درج ذیل باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

- قابلِ منافع چیز کا ہونا۔
- دوسرے کو منفعت یعنی فائدہ اٹھانے کیلئے حوالہ کرنا۔
- منفعت کا عوض یعنی کرایہ وصول کرنا۔

اسلامی عقد اجارہ کی مشروعیت قرآن مجید، سنتِ رسول ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ کے دور سے لیکر آج تک امتِ رسول میں عقدِ اجارہ رائج رہا ہے۔ ذیل میں قرآن و سنت کی روشنی میں اجارہ کی مشروعت بیان کی جارہی ہے۔

۱- القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، ۱/۱۳

۲-ایضا

۳-ایضا، ۱/۱۴

قرآن مجید میں اجارہ کا ثبوت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں موسیٰ و خضر علیہما السلام کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾[1]

ترجمہ: موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت لے سکتے تھے۔

جب حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام دورانِ سفر ایک بستی میں سے گذرے اور ان سے کھانے کا مطالبہ کیا تو بستی والوں نے میزبانی سے انکار کر دیا پھر حضرت خضر علیہ السلام نے بلا معاوضہ و اجرت وہاں ایک دیوار کی مرمت کر دی جو عنقریب گرنے والی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام کے اس عمل پر حضر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ بغیر اجرت ان لوگوں کی دیوار کی مرمت کر دی۔ اگر آپ ان سے معاوضہ لے لیں تو ہم اس سے اپنے کھانے پینے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا یہ کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کام پر اجرات لینا جائز تھا۔ نیز یہ کہ پچھلی امتوں میں بھی اس طرح کے عقد نہ صرف ہوتے تھے بلکہ جائز و مشروع بھی سمجھے جاتے تھے۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ﴾[2]

ترجمہ: حضرت شعیب (علیہ السلام) نے (موسی (علیہ السلام) سے) کہا "میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشر طیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو۔

مذکورہ بالا آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے نکاح کے لیے آٹھ سال تک بطورِ حق مہر کے ان کی ملازمت کرنی تھی۔ گویا آٹھ سال تک خدمت گزاری حق مہر قرار پائی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی عقد سابقہ امتوں میں جائز تھا۔

درج بالا عبارت بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کسی کام کے بدلے اجرت و معاوضہ لینا سابقہ امم میں بھی رائج و مشروع تھا اور قرآن مجید میں اس کو بغیر کسی مذمت کے بیان کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ ایک جائز اور مشروع عمل ہے۔

۱- سورۃ الکھف:۱۸/ ۷۷

۲- سورۃ القصص:۲۸/ ۲۷

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِنۡ أَرۡضَعۡنَ لَكُمۡ فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾[1]

ترجمہ: پھر اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو۔

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عورت اپنے دودھ کی خود مالک ہے اور وہ طلاق دینے والے خاوند سے بھی اسی طرح اجرت لے سکتی ہے جس طرح دوسروں سے۔ اگر ماں بھی وہی اجرت مانگے جو دوسری عورتیں مانگتی ہیں تو ماں دودھ پلانے کی زیادہ حقدار ہے۔"[2]

مفتی تقی عثمانی درج بالا آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مطلقہ عورت خود اپنے بچے کو دودھ پلانے کے لئے اپنے سابق شوہر اور بچے کے باپ سے اجرت کا مطالبہ کر سکتی ہے اور آیت میں ترغیب دی گئی ہے کہ اجرت آپس کی رضامندی سے طے کر لینی چاہئے، نہ تو شوہر اس میں بخل سے کام لے؛ کیونکہ اگر آپس کی رضامندی سے بات طے نہ ہو سکی تو کسی اور عورت کو رکھنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ وہ رواج کے مطابق اجرت مانگے گی،، لہذا کیوں نہ بچے کی ماں ہی کو وہ اجرت دے دی جائے، نیز ماں کو بھی یہ نہ چاہئیے کہ وہ رواج سے زیادہ اجرت کا مطالبہ کرے۔"[3]

درج بالا قرآنی آیت کی تشریح میں مفسرین کرام کی آراء کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں کسی کام یا خدمت کے عوض کوئی بدلہ، معاوضہ یا اجرت لینا جائز اور مشروع قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ماں بھی اپنے بچے کو دودھ پلانے کی اجرت طلب کرے تو بھی اس کو اجرت دی جائے گی۔ اس لیے اسلام کسی ایسے عقد یا بیع کو بالکل جائز اور مستحسن سمجھتا ہے جس میں کسی چیز، کام یا خدمت کا کچھ معاوضہ یا اجرت طلب کی جائے۔ شریعت میں اسی عمل کا نام اجارہ ہے۔

۱- سورۃ الطلاق:۶۵/ ۶

۲- تیسیر القرآن، ۴/ ۴۷۷

۳- آسان ترجمہ قرآن، عثمانی، محمد تقی، مفتی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید: ربیع الاول ۱۴۳۲ھ - فروری ۲۰۱۱ء، ۳/ ۱۷۵۹-۱۷۶۰

احادیثِ رسول سے اجارہ کا ثبوت:

مندرجہ ذیل احادیث کی روشنی میں اجارہ کا اثبات ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((ثَلاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَه))[1]

ترجمہ: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ جن کا قیامت میں میں خود مدعی بنوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے نام پہ عہد کیا، اور پھر وعدہ خلافی کی۔ دوسرا وہ جس نے کسی آزاد آدمی کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور کیا، پھر کام تو اس سے پورا لیا، لیکن اس کی مزدوری نہ دی۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ))[2]

ترجمہ: مزدور کو اس کا پسینہ سوکھنے سے پہلے اس کی مزدوری دے دو۔

درج بالا احادیثِ رسول اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ کسی کام کے بدلے کوئی معاوضہ لینا نہ صرف جائز بلکہ حضور ﷺ نے اس معاوضے کو فوراً ادا کرنے کی تلقین بھی کی ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلام میں ایسا عقد جس میں کسی چیز یا خدمت کی اجرات لی جائے جائز اور مشروع ہے۔ اور ایسا عقد ہی عقدِ اجارہ کہلاتا ہے۔

اجارہ کی اقسام:

اجارہ کی دو اقسام ہیں۔

۱-اجارہ الاعیان ۲-اجارہ الاشخاص

- **اجارہ الاعیان:** کسی چیز کے نفع کو کرایہ کیلئے دینا اجارہ الاعیان کہلاتا ہے۔ اور اس میں غیر منقولہ (گھر، دکانیں، جائیداد)، سازوسامان (کپڑے، زیورات، مشینری، الیکٹرونکس) اور ذرائع آمدورفت (باربرداری کے جانور، لوڈنگ کی گاڑیاں، کاریں) شامل ہوتی ہیں۔

۱- بخاری، کتاب الاجارۃ، باب اثم من منع اجر الاجیر، حدیث نمبر: ۲۲۷۰، ۳/ ۹۰

۲-ابن ماجہ، کتاب الرہون، باب اجر الاجراء، حدیث نمبر: ۲۴۴۳، ۲/ ۸۱۷

- **اجارہ الاشخاص:** کسی شخص کی طرف سے معلوم عمل کے بدلے جیسا کہ گھر میں پینٹ کروانے کیلئے رنگ ساز یا دکان میں سامان رکھوانے کیلئے مزدور کیلئے اجرت طے کرنا اجارہ الاشخاص ہے۔ عقد کی اس قسم میں اجیر کی دو اقسام ہیں۔

۱-اجیر مشترک ۲-اجیر خاص

- **اجیر مشترک:** کسی شخص کا کوئی کام کرنا اور اس پر معاوضہ لینا مگر وہ عام لوگوں کیلئے کام کرے کسی ایک کیلئے نہ کرے۔ جیسا کہ درزی کا کپڑے سینا یا رنگ ساز کا کپڑے رنگنا وغیرہ۔
- **اجیر خاص:** اجیر کا معلوم مدت کیلئے خاص کسی ایک شخص کیلئے کام کرنا۔ مثال کے طور پر گھر میں ملازم، باورچی یا ڈرائیور۔[1]

اجارہ کے اصول وضوابط:

اجارہ کے اصول وضوابط ذیل میں ہیں جو کہ درج ذیل امور شامل ہیں۔

- عقد
- اجرت
- عاقدین

عقد سے متعلقہ احکام:

- **رضامندی ہونا**

عاقدین کی رضامندی کے بغیر عقد نہ ہو گا۔ اس کیلئے ان کی طرف سے ایجاب و قبول ہونا ضروری ہے۔ ایجاب و قبول میں سکوت یا زیادہ فصل درست نہ ہو گا۔ اور نہ ہی کسی شرط کے ساتھ ہو کہ "فلاں آئے گا تو تمہیں یہ چیز اجرت پہ دوں گا"۔[2] اس سے پتا چلا کہ اجارہ فوری طور پر اسی مجلس میں ہو تو درست ہو گا ورنہ نہیں ہو گا۔ جیسا کہ اگر اجیر کہے کہ وہ گھر ایک ماہ بعد کرایہ پر دے گا تو عقد نہیں ہو گا۔ اسی طرح اگر وہ ایک ماہ اس میں اپنے رہنے کی شرط لگا دے تو شبہ ربا کے باعث ایسے عقد کو مفسد[3] قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں وہ زائد منفعت کو اپنے لیئے بلا عوض

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۸۳۷

۲- ایضا، ۵/ ۳۸۳۳

۳-یعنی عقد میں ایسی خرابی موجود ہے جس کو دور کیا جائے تو عقد درست ہو گا۔

مشروط کر رہا ہے۔[1] یعنی کہ سود میں بلا عوض کسی کا مال لیا جاتا ہے جو حرام ہے تو یہاں بھی عقد کے بعد مکان کی منفعت کو بلا عوض اپنے لیئے استعمال کرنے کی شرط لگا رہا ہے تو اس میں بھی سود کا شبہ ہے جو کہ جائز نہیں۔ لہذا ایسی شرائط عقد میں نہ رکھی جائیں۔

- **اہلیت ہونا**

اجارہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اسکی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے اہلیت میں کن شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ اہلیت کیلئے عاقل ہونا شرط ہے۔ اگر ماذون نہ ہو مجور ہو یعنی جس کو تجارت یا دیگر معاملات کی جازت نہ ہو تو پھر ولی کی اجازت پر موقوف ہو گا۔ اگر ولی اجازت دے دے تو ایسا عقد کر سکتا ہے اور اگر نہ دے تو عقد کرنے کا اہل نہ ہو گا۔

مالکیہ کے ہاں بیع کی طرح اجارہ میں بھی ممیز (سمجھ بوجھ) ہونا شرط ہے۔ لیکن ان کے ہاں صبی ممیز (ایسا بچہ جو سمجھداری رکھتا ہو) کا عقد اجارہ ولی کی رضامندی پر موقوف رہتا ہے۔

شافعہ اور حنابلہ کے ہاں عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے۔ ان کے نزدیک یہ عقد کے مشابہ ایک عقدِ تملیک ہے اور اس کیلئے مکلف ہونا شرط ہے یعنی معاملات کیلئے ذمہ داری اٹھانے کا اہل ہو گا تو ایسا عقد کر سکے گا ورنہ نہیں۔

احناف اور مالکیہ کے مطابق عاقد کو مجنون (پاگل) اور غیر ممیز (نا سمجھ) نہیں ہونا چاہیئے [2] اور یہی بات درست ہے۔ کیونکہ عمومی طور پر بچے بھی اجرت پر محنت مزدوری کرتے اور بازاروں میں خرید و فرخت کرتے ہیں۔ لہذا اگر بچہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور تمیز کر سکے تو اسکا اجارہ پر عقد درست ہو گا بلوغت شرط نہیں۔

- **ملکیت ہونا**

اجارہ کیلئے ضروری ہے جس چیز پر اجارہ کیا جا رہا ہے اس کے قبضہ اور ملکیت میں ہو۔ کسی غیر کی چیز پر بلا اختیار یہ درست نہ ہو گا۔ کیونکہ اگر چیز اس کی ملکیت میں ہو گی تب ہی اس سے منافع لینے کیلئے کسی کو سونپ سکے گا اور اسے حوالہ کیئے بغیر ہی نہیں ہو سکتا۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ اس عقد کیلئے مالک اور ولی ہونا شرط ہے۔ اگر شئ ماجورہ (اجرت پر دی جانے والی چیز) پر کسی ایسے شخص نے اجارہ کر لیا کہ اس سے اسکا کوئی تعلق نہیں تو یہ عقد لاگو نہ ہو گا۔ بلکہ یہ اصل مالک کی اجازت پر

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۸۲۸

۲- ایضا، ۵/ ۳۸۰۶

موقوف ہو گا۔ اگر مالک اجازت دے اور چیز کی منفعت بھی باقی ہو تو درست ہو گا ورنہ عقد باقی نہ رہے گا۔[1] اسی طرح غصب شدہ چیز کو اجارہ کیلئے دینا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ وہ کسی دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے۔

- **قابلِ منفعت ہونا**

اجارہ چیز کے منافع فروخت کرنے کا عقد ہے۔ اس لیئے شئی ماجورہ کیلئے ضروری ہے کہ اس سے منافع لینا ممکن ہو۔ تاہم کوئی ایسی چیز کہ جس سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو اس پر اجارہ کا عقد واقع نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر گھر کرائے پر رہنے کیلئے لیا ہو اور وہ منہدم ہو جائے یا کوئی سواری سامان لوڈ کرنے کیلئے لی ہو اور وہ لوڈ نہ اٹھا سکے تو عقد نہیں ہو گا۔

اسکی تین شرائط ہیں۔

١. اس چیز کی منفعت بے قیمت نہ ہو جیسا کہ آگ سے تاپنا وغیرہ۔

٢. منفعت کا حصول ممکن ہو۔ جیسا کہ رہائش کیلئے منہدم گھر یا زراعت کیلئے بنجر زمین بطور اجارہ دینا درست نہ ہو گا۔

٣. اس چیز کو ضائع کیے بغیر اس سے نفع لیا جا سکے۔ اگر ایسی چیز ہو کہ اس کی منفعت کو لینے سے وہ ضائع ہو تو اس پر اجارہ درست نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اگر موم بتی کو جلانے کیلئے لیا جائے تو استعمال کرنے سے وہ ختم ہو جائے گی۔[2] تاہم اگر گاڑی یا مشینری چلانے کیلئے کرایہ پر دی تو درست ہے۔

شرعی طور پر حرام منفعت یا عین حرام سے حاصل ہونے والی منفعت پر اجارہ کرنا باطل ہے۔[3] جیسا کہ نوحہ یا گانا نجانے کیلئے عورتوں یا دوڑ لگوانے کیلئے کتوں کو بطور اجارہ لینا۔

- **نفع معلوم ہونا**

مستاجرہ (کرایہ پر دی جانے والی چیز) کا نفع معلوم ہونا چاہیئے کہ اس سے کس قدر منافع کا حصول ہوا۔ اسی منافع کے حساب سے ہی اجرت طے ہو گی۔ کیونکہ اس کا ابہام اجرت میں ابہام کو لازم کرے گا۔

منافع معلوم کرنے کے تین طریقے ہیں۔

١- کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، ٣/ ٥٠

٢- ایضاً، ٣/ ٥٣

٣- بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، مترجم عبد اللہ فہد فلاحی، دار التذکیر، لاہور، ٢٠٠٩ء، ص ٨٩٤

۱. مدت سے معلوم ہو جانا جیسا کہ مکان میں رہائش اور زمین کی کاشت میں دنوں کا حساب لگانا کہ ایک ماہ، چھ ماہ یا سال۔

۲. نفسِ عقد سے معلوم ہو جانا جیسا کہ سواری پر لادے جانے والے وزن کی مقدار و جنس مثلاً سامان کا وزن کلو میں)، گاڑی کی طے شدہ مسافت (کلو میٹر میں)، کپڑے کی سلائی اور رنگوائی (اس کی تعداد اور نوعیت کے حساب سے)۔

۳. مستاجر (کرایہ دار) کا عین شئ کی طرف تعین یا اشارہ کر دینا جیسا کہ کہنا کہ یہ چیز فلاں جگہ لے جانی ہے۔ یہ بھی درست ہے کیونکہ اس میں بھی جب وہ چیز کو دیکھ لیتا ہے تو اسکا منافع معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے کیا نفع ہو گا اور کتنی اجرت آئے گی۔[1]

- **مدت و عمل متعین ہونا**

اجارہ میں مدت کا تعین کر دینا چاہیئے کہ گھر یا گاڑی کتنے عرصے کیلئے لینی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کام کروانا ہو تو اسکی نوعیت بیان کر دینی چاہیئے جیسا کہ عمارت کو رنگ کرنا وغیرہ۔ جیسا کہ بیان ہو چکا کہ ان کے تعین سے ہی اجرت طے پاتی ہے۔

- **سپردگی ہونا**

اجارت کیلئے عین شئ (جس چیز پر اجارہ کا عقد کیا جارہا ہے) کا حوالہ اور سپرد کرنا لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک حوالہ نہیں کیا جائے گا تو اسکے منافع سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔

احناف نے سپردگی کی درستگی کیلئے کچھ شرائط ذکر کی ہیں۔

۱. عین شئ کا مشترک نہ ہونا۔ کیونکہ مشرک چیز کا نفع سپرد کرنا مشکل ہے اگر وہ دو یا زیادہ افراد کی ملکیت میں ہو۔ جیسا کہ زمین میں تمام رشتہ دار حصہ دار ہوں۔

۲. مستاجر (کرایہ دار) کے نقصان کا امکان نہ ہونا۔ جیسا کہ اگر اسے گھاس والی زمین دی جائے گی تو اسے خود گھاس مستاجر کو اکھاڑنی پڑے گی جس میں اسکا نقصان ہے لہذا صاف کر کے دی جائے۔ اسی طرح اس کا متعین کام کی قدرت نہ رکھنے پر بھی اسکا نقصان ہے کہ وہ اپنے نفس کو منفعت نہیں پہنچا سکتا ہے۔

۱- اشرف الہدایہ، دوازدہم، ۱۰/ ۲۱

۳۔ منفعت کا حصول ممکن ہونا۔ شکار یا حفاظت کیلئے جانور لینا درست نہ ہو گا کیونکہ مستاجر اس کام کیلئے زبردستی نہیں کر سکتا۔[1]

اجرت سے متعلقہ احکام:

اجرت سے متعلقہ دو بنیادی باتیں ہیں۔ جو ذیل میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

- **اجرت معلوم ہونا**

اجارہ میں اجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ کرائے کی چیز کے منفعت کے عوض کتنی نقدی، سامان وغیرہ بطور اجرت ادا کی جائے گی مثلاً مکان کا کرایہ ۲۵ ہزار روپے ماہانہ یا گاڑی کا کرایہ اسلام آباد سے پشاور ۴ ہزار روپے۔ اس میں کسی قسم کا ابہام یا جہالت درست نہ ہو گی یعنی یہ کہنا کہ اسلام آباد سے پشاور کرایہ ۳ سے ۵ ہزار روپے ہو سکتا، یا یوں کہے کہ پشاور پہنچ کر جو خرچہ آیا اس حساب سے کرایہ ہو گا۔ کیونکہ یہ تنازع کا باعث بنے گی۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ:

"وما جاز أن يكون ثمنا في البيع جاز أن يكون أجرة في الإجارة"[2]

ترجمہ: اور جو چیز بیع میں ثمن ہو سکتی ہے تو وہ اجارہ میں اجرت ہو سکتی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ بطور اجرت رقم مثلاً روپیہ پیسہ اور کیلی و وزنی اشیاء (۱۰ من آٹا یا ۵۰ درجن مالٹے وغیرہ) دی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ اس عقد سے بھی مقصود منفعت کا ثمن یعنی قیمت حاصل کرنا ہے تو یہ رقم کے علاوہ کوئی بھی اشیاء ہو سکتی ہیں جن کی قیمت ہو۔

- **اجرت کی ادائیگی کرنا**

اجرت کی ادائیگی میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عقدِ اجارہ میں اجرت کس وقت استحقاق اور لازم ہو گی۔

شافعیہ کا نقطہ نظر ہے کہ:

"وتستحق بأحد معان ثلاثة: إما بشرط التعجيل، أو بالتعجيل من غير شرط، أو باستيفاء المعقود عليه"[3]

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/ ۳۸۱۵

۲- الہدایۃ، ۳/ ۲۳۰

۳- ایضا، ۳/ ۲۳۱

ترجمہ: اور اجرت تینوں باتوں میں سے کسی ایک سے مستحق ہو جاتی ہے: پیشگی کی شرط سے (کرایہ پر چیز لینے سے پہلے ادائیگی کرنا)، یا بلا شرط پیشگی دینے سے (ادائیگی پہلے کرنے کی شرط نہ ہو بلکہ صرف عقد کیا جائے)، یا معقود علیہ (جس پر عقد کیا جا رہا ہو) کے حاصل کر لینے سے۔

امام شافعیؒ عقد کرنے سے ہی اجرت کو لازم قرار دیتے ہیں چاہے چیز پر قبضہ ہو جائے یا نہ ہو، چاہے ادائیگی قبضہ کرنے سے پہلے کرنے کی شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔

شافعیہ اس کی دلیل دیتے ہیں کہ:

"تملك بنفس العقد؛ لأن المنافع المعدومة صارت موجودة حكما ضرورة تصحيح العقد فيثبت الحكم فيما يقابله من البدل"[1]

ترجمہ: صرف عقد سے اجرت کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تصحیح عقد کی ضرورت سے معلوم منافع حکما موجود ہو گیا۔ پس اس کے مقابل عوض میں بھی حکم ثابت ہو گیا۔

امام شافعی کے نزدیک عقدِ اجارہ میں نفع معلوم ہو تو عقد درست ہونے کے باعث اجرت کا بھی استحقاق ہو جائے گا۔

احناف کا کہنا ہے کہ جب تک منفعت کے حصول پر اجرت کی ادائیگی بنتی ہے کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہوتا ہے اور مساوات کا تقاضا کرتا ہے یعنی حق یہ ہے کہ چیز کی ملکیت اپنے قبضے میں لے تب ادائیگی کرے۔ منفعت میں تاخیر سے اجرت میں تاخیر ضروری ہوتی ہے۔ ہاں اگر شرط یا بلا شرط کی بناء پر پیشگی ادا کر دی گئی تو ادا کرنا درست ہو گا کیونکہ مساوات حقِ مستاجر (کرایہ دار کا حق) ہونے کے باعث تھا جو کہ اس نے پیشگی ادائیگی سے خود چھوڑا۔[2]

احناف محض عقد سے کرایہ کی ادائیگی کو لازم نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک جب مؤجر کرایہ پر چیز مستاجر کے حوالے کر دے تب ہی کرایہ لے سکتا ہے کیونکہ اصل عقد اس چیز سے منافع لینے پر ہے جو کہ اس پر قبضہ کرنے سے ہی پورا ہو گا۔ یہی قول درست ہے۔

۱- الہدایۃ، ۳/ ۲۳۱

۲- اشرف الہدایہ، دوازدہم، ۱۰/ ۲۷

عاقدین کی ذمہ داریوں سے متعلقہ احکام:

- **منفعت اٹھانا**

مستاجر (کرایہ دار) نے جو چیز بھی بطور اجرت لی اس کیلئے اس کو استعمال میں لانا شرعا جائز ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد ہی متعلقہ شے سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ اگر اسکو روکا جائے گا تو یہ عقد واقع ہی نہیں ہو گا۔ لیکن اس کیلئے اس چیز سے اسی قدر نفع اٹھانا جائز ہو گا کہ جس پر معاہدہ طے ہوا ہے۔

مثال کے طور پر دکان کرایہ پر لی کہ اس میں سامان رکھے گا اوراس میں لوہار کو کام کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اس میں عمارت کو نقصان ہے۔[1] متعلقہ چیز سے بلا معاہدہ زیادہ منفعت حاصل کرنا جائز نہیں البتہ اس سے کم یا اسی قدر لے سکتا ہے کہ جس پر عقد طے پایا لہذا اگر دکان میں سامان رکھے یا اسی سامان کی تجارت کرے دونوں جائز ہیں۔

- **ضمان دینا**

شئ مستاجر (کرایہ کی چیز) یا تو عقد کے پورا ہونے پر ضائع ہو سکتی ہے یا عقد کے دوران۔ ان کے ضمان سے متعلقہ احکام درج ذیل ہیں۔[2]

مستاجر (کرایہ دار) کو چاہئے کہ عقد کے مطابق اس کے استعمال کے بعد اسے واپس کر دے اور اپنے پاس نہ روکے رکھے۔ اگر بلاوجہ ایسا کیا اور چیز اسکے پاس ہلاک ہو گئی تو وہ اس کی قیمت ادا کرنے کا ضامن ہو گا۔ کیونکہ وہ مستاجر کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔ اور اگر معاہدے کے مطابق اس مقام پر پہنچا دے جس پر پہنچانے کا وعدہ کیا تھا مگر وہاں سے اجیر نے وصول نہ کیا اور وہ ہلاک ہو گئی تو پھر ضمان اجیر کا ہے۔ مستاجر کے ذمہ صرف اجرت کی ادائیگی ہو گی۔

عقد کے دوران شے کی ہلاکت اجارہ عین میں ہو گی یا اجارہ اشخاص میں۔ اس اعتبار سے ضمان سے متعلقہ مسائل درج ذیل ہیں۔

اجارہ الاعیان کے اعتبار سے ضمانت: اس کی صورتیں اور احکام درج ذیل ہیں۔

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ ، ۵ / ۳۸۱۲

۲- ایضاً، ۵ / ۳۸۴۴

استعمال میں تعدی (زیادتی) کی وجہ سے نقصان ہوا تو ضمان مستاجر پر ہو گا ورنہ نہیں ہو گا۔ جیسا کہ لوڈنگ کیلئے سواری یا جانور لینا۔ اگر زیادہ بوجھ لادنے سے نقصان ہو گیا تو پھر اسے تاوان دینا پڑے گا۔ اگر کم بوجھ لادنے سے ہوا تو پھر یہ اجیر کا ہی ضمان ہے۔

۱. جنس کے مختلف ہونے سے نقصان ہو تو بھی مستاجر (کرایہ دار) ذمہ دار ہے۔ جیسا کہ جانور روئی لادنے کیلئے لیا ہو اور اس پر لوہا لادنے سے اسکی ہلاکت ہو جائے۔

۲. مخالفتِ جگہ کی وجہ سے نقصان ہو جانا۔ جیسا کہ مخصوص جگہ تک سواری یا بوجھ لادنے کیلئے سامان لیا ہو اور آگے نکل جائے تو مستاجر ذمہ دار ہے۔

۳. مخالفتِ مدت کے اعتبار سے نقصان ہونا۔ جیسا کہ چند روز کیلئے جانور سواری یا بوجھ لادنے کیلئے لیا اور زیادہ دن تک رکھ لیا۔ اس دوران ہلاک ہو گیا تو ضمان مستاجر دے گا۔

اجارہ الاشخاص کے اعتبار سے ضمانت: اسکے احکام درج ذیل ہیں۔

- اجیر خاص کے بارے میں تمام آئمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر اس کی طرف سے کوتاہی نہ ہو اور اس کے ہاتھ سے چیز کا نقصان ہو تو وہ ضامن نہیں ہو گا۔
- اجیر مشترک کے ہاتھوں مستاجرہ (کرایہ پر لی گئی چیز) کی ہلاکت پر ضمان کے بارے میں آئمہ کا اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اجیر مشترک ضامن ہو گا۔ کیونکہ مستاجر کا مقصود صحیح عمل کی اجازت ہے عملِ مفسد کی اجارت نہیں ہے۔ جیسا کہ دھوبی کا کپڑوں کو بلیچ ڈال کر دھونا یا کوٹ کر دھونا اور اس سے کپڑوں کا پھٹ جانا تو اجیر پر اسکا ذمہ ہو گا۔

امام شافعی اور امام زفر کے ہاں اگر اجیر کوتاہی، تعدی یا شرائط کی مخالفت نہ کرے تو پھر ضامن نہیں۔ اگر ایسا نہ کیا تو ضامن ہو گا۔[۱]

• اجرت کی وصولی کرنا

اجارہ میں مستاجر کی طرف سے اجیر پر اجرت دینا لازم ہوتی ہے۔ جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا کہ عموماً جب شئ مستاجرہ سے منفعت کے حصول یا (قبضہ کر لینے سے) اسکی قدرت رکھنے پر مستاجر پر اجرت دینا لازم ہوتا ہے۔ اگر مستاجرہ (کرایہ کی شے) حوالے نہ کی جائے تو پھر اجرت لازم نہیں۔ اسی طرح اجیر بالعمل اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔ اگر اس نے ذمہ لگایا ہوا کام مکمل کر لیا تو وہ اجرت کا حقدار ہو گا۔

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ ، ۵ / ۳۸۴۵

فقہاء اس میں اجرت کے ساقط ہونے میں وضاحت بیان کرتے ہیں۔

شافعی کے ہاں اگر اجیر مستاجر کی ملک یا موجودگی میں کام کرے تو اس پر اجرت لازم ہے۔ اور اگر کام اجیر کے قبضہ میں ہو تو اسکی ہلاکت سے اجرت کا مستحق نہ ہو گا۔

احناف فرماتے ہیں کہ اگر اجیر کے کام کا اثر عین (اس چیز) میں ظاہر ہو جیسا کہ کپڑے کی سلائی تو اسے سپرد کرنے پر اجرت کا حقدار ہو گا۔ اور اگر حوالے کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو پھر اجرت ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر کام کا اثر عین میں ظاہر نہ ہو جیسا کہ کلی کا سامان اٹھا کہ دوسری جگہ لے کر جانا تو وہ کام سے فارغ ہو کر اجرت کا حقدار ہو گا۔ کام کے مکمل کرنے کے بعد اگر سامان ہلاک ہوا تو اسکی اجرت ساقط نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ کام کرنے پر ہی عین کو مالک کے ذمے کرنے والا شمار ہو گا۔[1]

لیکن اسے اجرت نہ دی جائے تو کیا وہ مستاجرہ کو روک سکتا ہے یا نہیں؟ تو اسکی دو صورتیں ہیں۔

اجیر بالعمل کے عمل کا اثر چیز میں ظاہر ہو تو اجرت کی وصولی کیلئے شئ مستاجرہ کو روک سکتا ہے جیسا کہ رنگ ساز کپڑے کو رنگ کر کے اجرت کی وصولی کیلئے روک سکتا ہے۔

عمل کے کام کا اثر چیز میں ظاہر نہ ہو تو مستاجرہ کو نہیں روک سکتا۔ جیسا کہ کلی یا ملاح کا اجرت کیلئے سامان کو روکنا۔ کیونکہ اگر اس نے روکا اور سامان ہلاک ہو گیا تو اس پر ضمان آئے گا۔[2]

اجارہ کا اختتام:

اجارہ کا اختتام مندرجہ ذیل صورتوں میں ہوتا ہے۔

- شئ مستاجرہ (کرایہ کی چیز) میں عیب کا واقع ہو جانا کہ اس سے مطلوبہ نفع حاصل نہ ہو سکے۔ جیسا کہ گھر کا ویران ہونا، زمین کا بنجر ہونا، سواری کا لنگڑا ہونا، مشینری کا خراب ہو جانا۔ ان صورتوں میں اگر مستاجر عقد فسخ کرنا چاہے تو اسے اختیار ہے۔
- شئ مستاجرہ کی ہلاکت سے بھی عقد باقی نہ رہے گا۔
- اجیر (چیز کا مالک) یا مستاجر (کرایہ دار) میں سے کسی ایک کے فوت ہونے سے بھی عقد ختم ہو جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اجیر کے فوت ہونے سے چیز اسکے ورثاء کی ہو گی اور اگر مستاجر استعمال کرے گا تو یہ ایسا ہو گا گویا ملکِ غیر سے فائدہ اٹھا رہا ہو۔ اور مستاجر کے فوت ہونے سے بھی ملکِ غیر پر اجرت لازم آئے گی لہذا یہ باقی

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ ، ۵/ ۳۸۵۶

۲- ایضاء ۵/ ۳۸۵۷

نہ رہے گا۔ البتہ اگر عقد کسی غیر کیلئے کیا گیا ہو جیسا کہ وکیل یا ولی کا دوسرے کیلئے کیا گیا اجارہ تو پھر فسخ نہ ہو گا۔

- خیارِ شرط کی بناء پر فسخ کیا جا سکتا ہے۔ شافعی اسکے خلاف ہیں کیونکہ ان کے ہاں اگر اجارہ میں خیارِ شرط ہو اور عقد کو اسکے بعد فسخ کیا جائے تو جتنا عرصہ اس سے نفع لیا اسکو پورا واپس نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ بیع میں معقود علیہ (جس چیز کا عقد ہو) کو مکمل طور پر لوٹایا جاتا ہے یعنی ان کا خیال ہے کہ گاڑی کو کرایہ پر لیا اور ۲ یا ۳ روز استعمال کر کے واپس کر دیا گیا تو اس دوران جو منفعت ہوئی وہ نہیں لوٹائی جا سکتی۔ احناف اسکو بیع کی طرح اجارہ میں بھی جائز قرار دیتے ہیں۔ اور یہی اصح ہے کیونکہ اجارہ بھی ایک بیع کی مثل ہی ہے۔
- کسی عذر کے لاحق ہونے سے۔ جیسا کہ مستاجر نے کوئی چیز اجرت پر لی مگر اسے کسی عذر کی بناء پر استعمال نہیں کرنا یا اجیر کو کوئی ضرورت پیش آئی کہ جس وجہ سے اسے عین شئ (متعلقہ چیز) فروخت کرنا پڑے تو عقد ختم ہو سکتا۔ کچھ آئمہ اس کے قائل نہیں ہیں کہ بیع کی طرح بلا عیب عقد ختم کیا جائے مگر احناف فرماتے ہیں کہ یہ درست ہو گا بلا ضرورت عقد میں پابند رہنے سے حرج لازم آئے گا جیسا کہ داڑھ میں درد ہو اور اس کو اکھاڑنے کیلئے کسی کو اجرت پر لیا جائے۔ درد ختم ہو جائے تو داڑھ کو نکلوانے کی ضرارت نہ رہے گی تو اجارہ بھی نہ رہے گا۔ یہی قول معتبر ہے کیونکہ اگر بلا ضرورت عقد باقی رکھا جائے تو اس کی وجہ سے عاقدین میں سے کسی ایک کو ضرر ہے۔[1]

۱- الہدایۃ، ۳/ ۲۴۶

فصل دوم

مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے مؤیدین کی آراء

گزشتہ فصل میں اجارہ کا شریعت کی رو سے اثبات اور اس کے اصول وضوابط کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔ عصرِ حاضر میں اجارہ کی مختلف صورتیں رائج ہیں۔ اس فصل میں اجارہ کی مروجہ اقسام اور اس سے متعلقہ امور کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔

مروجہ اجارہ کا جواز اور آراء:

ضروریاتِ زندگی کے حوالے سے ہر انسان دوسرے کے تعاون محتاج رہتا ہے۔ انفرادی کاروبار سے لے کر اجتماعی سرمایہ کاری میں بہت سے وسائل ایسے ہوتے ہیں جو ہر ایک کو میسر نہیں ہوتے۔ ان ضروریات کو پورا کرنے کیلئے اجارہ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کاروبار کرنے کیلئے ہر شخص اپنی ذاتی دکان کا مالک نہیں ہوتا وہ دکان کرائے پر لے لیتا ہے تاکہ کاروبار کر سکے۔ اسی طرح ہر کوئی سفر کرنے یا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کیلئے اپنی ذاتی گاڑی خریدنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو وہ کرائے کی گاڑی اس مقصد کیلئے استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح فیکٹریوں اور کارخانوں میں بہت ساری مشینری بھی اسی طرح کرایہ پر لی جاتی ہے اور کاروبار چلایا جاتا ہے۔ گویا معاملاتِ زندگی میں اجارہ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء نے بھی اس کی ضرورت واہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"وَأَمَّا الْإِجْمَاعُ فَإِنَّ الْأُمَّةَ أَجْمَعَتْ عَلَى ذَلِكَ---لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى إنَّمَا شَرَعَ الْعُقُودَ لِحَوَائِجِ الْعِبَادِ، وَحَاجَتُهُمْ إلَى الْإِجَارَةِ مَاسَّةٌ؛ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ لَا يَكُونُ لَهُ دَارٌ مَمْلُوكَةٌ يَسْكُنُهَا أَوْ أَرْضٌ مَمْلُوكَةٌ يَزْرَعُهَا أَوْ دَابَّةٌ مَمْلُوكَةٌ يَرْكَبُهَا وَقَدْ لَا يُمْكِنُهُ تَمَلُّكُهَا بِالشِّرَاءِ لِعَدَمِ الثَّمَنِ، وَلَا بِالْهِبَةِ وَالْإِعَارَةِ؛ لِأَنَّ نَفْسَ كُلِّ وَاحِدٍ لَا تَسْمَحُ بِذَلِكَ فَيَحْتَاجُ إلَى الْإِجَارَةِ فَجُوِّزَتْ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ لِحَاجَةِ النَّاسِ"[1]

ترجمہ: اجارہ پر پوری امت متفق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام عقود اپنے بندوں کی حاجت کیلئے جائز ٹھہرائے ہیں۔ اور عقدِ اجارہ لوگوں کی شدید حاجت ہے کیونکہ ہر آدمی کے پاس رہنے کیلئے گھر، زراعت کیلئے زمین یا سواری کیلئے چوپایہ نہیں ہوتا کیونکہ قیمت نہ ہو تو انھیں خرید انہیں جاسکتا، اور نہ ہی ہبہ میں اور عاریتاً یہ چیزیں ملتی ہیں، اس لیئے کہ بہت کم لوگ اس سخاوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ تولامحالہ عقدِ اجارہ کی ضرورت ہوئی اور لوگوں کی ضرورت کے بعد بر خلاف قیاس اسے جائز ٹھہرایا گیا۔

۱- البدائع الصنائع، ۴/ ۱۷۴

مروجہ اجارہ بھی لوگوں کو اشیاء کی فراہمی میں تعاون کرتا ہے۔ اس کی اہمیت کو مجیب اللہ ندوی یوں بیان کرتے ہیں کہ:

"اجارہ انسانی زندگی کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ انسان کو دنیا میں چاہے جتنے زیادہ ذرائع زندگی حاصل ہوں۔ مگر زندگی کے بے شمار معاملات میں اسے دوسروں کی مدد لینی پڑتی ہے۔ مثلاً انسان کو مکان بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس کے پاس مکان بنانے کیلئے زمین اور روپیہ سب موجود ہے مگر خود وہ اپنی محنت سے مکان تعمیر نہیں کر سکتا۔ اس کے پاس کپڑا ہے مگر ضروری نہیں ہر طرح کا کپڑا وہ خود یا اس کے گھر والے سلائی کر سکتے ہوں۔ وہ اپنے وطن اپنے گھر میں رہتا ہے مگر جب کسی کام سے دوسری جگہ جاتا ہے تو اسے ہوٹل کا کمرہ کرائے پر لینا پڑتا ہے۔ شریعت نے اسی طرح کی ضروریات کی تکمیل کیلئے اجارہ کی اجازت دی ہے۔"[1]

عصرِ حاضر میں اجارہ کی اقسام

قدیم اجارہ میں مؤجر کوئی بھی چیز مستاجر کو کرایہ پر دیتا اور اس پر کرایہ وصول کرتا رہتا جب تک کہ وہ چیز کرائے پر رہتی۔ چیز مؤجر کی رہتی اور کرایہ داری کا عقد ختم ہونے پر وہ واپس کروا کر اپنے پاس رکھ لیتا۔ مگر آج کل اجارہ کی کچھ اور صورتیں بھی رائج ہیں۔ عصرِ حاضر میں روایتی بینک اور دوسرے مالیاتی ادارے لیز یعنی کرایہ داری کو نفع آور سرمایہ کاری کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جس کی اقسام درج ذیل ہیں۔

- فنانشیل لیز یا ہائر پرچیز (Financial Lease or Hire Purchase)
- سیکیورٹی یا فنانسنگ لیز (Security or Financing Lease)
- عملیاتی لیز (Operating Lease)

فنانشیل لیز یا ہائر پرچیز (Financial Lease / Hire Purchase)

فنانشیل لیز یا ہائر پرچیز کرایہ داری کا ایسا عقد ہوتا ہے کہ جس میں لیز کی اتنی مدت مقرر کی جاتی ہے کہ مؤجر اپنے لگائے گئے سرمائے پر نہ صرف بازاری شرح کے حساب سے آمدن وصول کرتا ہے بلکہ اثاثہ جات پر اٹھنے والے اخراجات کی لاگت بھی اسی سے پوری کر لیتا ہے۔ یعنی اثاثہ کے فراہم کنندہ کو اثاثہ کی قیمت ادا کرنے کے بعد مجموعی لاگت کو مدِ نظر رکھ کر مدت کے لحاظ سے سود کی شرح جمع کر کے کرایہ کا تعین کرتا ہے۔[2]

---

۱ - اسلامی فقہ، ندوی، مجیب اللہ، پروگریسو بکس اردو بازار، لاہور، س ن، ص ۵۱۳

۲ - اسلامی مالیات (اسلامی بینکاری: اصول و تطبیق)، ص ۳۸۱

مثال کے طور پر اگر بینک ۱۲ لاکھ کی مشین ایک سال کیلئے فیکٹری کو کرایہ پر لگوا کر دیتا ہے تو اس پر ماہانہ ۳ فیصد شرح سود رکھتا ہے جو کہ ماہانہ ۳۶۰۰۰ روپے بنتے ہیں اور ایک سال کے دیگر اخراجات ۱ لاکھ لیتا ہے، اس طرح ایک سال کے کرایہ داری کے عقد سے بینک ۱۷ لاکھ ۳۲ ہزار روپے کرایہ وصول کر لیتا ہے۔ بینک اس رقم کو بارہ مہینوں پر تقسیم کر کے ماہانہ کرایہ معلوم کرے گا جو کہ ۱ لاکھ ۴۴ ہزار ۳ سو ۳۳ روپے بنتا ہے۔

سیکیورٹی یا فنانسنگ لیز (Security / Financing Lease)

سیکیورٹی یا فنانسنگ لیز کرایہ داری کے نام پر محض مالکاری لین دین ہے۔ ملکیت سے منسلک تمام رسک یعنی خطرات اور صلہ یعنی اس کے منافع کرایہ دار کو منتقل ہو جاتے ہیں۔ ادارے کا چیز سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ یہ ضمانت کی شکل ہوتی ہے جس میں کرایہ دار کو طے شدہ شرح سے ادارے کی سرمایہ کاری پر سود ادا کرنا ہوتا ہے۔[1]

مثال کے طور پر ۶ لاکھ کا جنریٹر کسی دفتر میں سال کیلئے کرایہ پر لگوایا تو اس کی تمام تر ذمہ داری دفتر کے مالکان پر ہو گی۔ بینک صرف ۶ لاکھ اثاثہ کی سرمایہ کاری پر ماہانہ ۳ فیصد یعنی ۱۸ ہزار روپے وصول کرے گا اور ہر ماہ ۶۸ ہزار روپے کرایہ کی مد میں لیتا رہے گا۔ تاہم ایک سال کے عرصے میں اس مالکاری سے بینک ۲ لاکھ ۱۶ ہزار روپے سود کما لے گا۔

عملیاتی لیز (Operating Lease)

عملیاتی لیز کرایہ داری کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں اثاثے کی ملکیت مالک یعنی بینک یا ادارہ اپنے پاس رکھتے ہوئے اثاثے کو کرایہ دار کے حوالے کرتا ہے جو کرائے کے عوض اس کے منافع کو استعمال کرنے کا استحقاق حاصل کرتا ہے۔ کرایہ داری کا یہ عقد اثاثے کی مفید لائف تک نہیں بلکہ طے شدہ مخصوص مدت کیلئے ہوتا ہے۔[2]

مثال کے طور پر بینک کا کسی ادارے کو عملے کی ٹرانسپورٹ کی سہولت فراہم کرنے کیلئے ایک سال کیلئے ماہانہ کرایہ پر بسیں دینا۔ اس عقد میں بینک کو اختیار ہوتا ہے کہ ایک سال کے بعد عقد مکمل ہونے پر آگے کسی اور ادارے کو کرایہ پر دے دے۔ اجارہ کی ضروری شرائط کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ معاملہ شرعی اصولوں کے مطابق ہے مگر یہ طریقہ شاذ و نادر ہی استعمال کیا جاتا ہے۔

اسلامی بینکوں میں مروجہ اجارہ کی صورتیں اور طریقہ کار

اسلامی بینکوں میں اجارہ کی مروجہ صورتیں درج ذیل ہیں۔

۱- اسلامی مالیات (اسلامی بینکاری: اصول و تطبیق)، ص ۳۸۲

۲ - ایضاً، ص ۳۸۳

- اجارہ تشغیلیہ (Operating Lease)
- اجارہ تمویلیہ یا اجارہ منتہیہ بالتملیک (Financial Lease)

اجارہ تشغیلیہ (Operating Lease)

بینک کا منقولہ اشیاء جیسے گاڑی یا مشینری یا غیر منقولہ اشیاء جیسا کہ زمینیں یا رہائش گاہیں وغیرہ اپنی ملکیت باقی رکھتے ہوئے ایک مدت تک کیلئے کرایہ پر لگا کر فائدہ اٹھاتا ہے۔[1] کرایہ سے استفادہ کرتے ہوئے جب اجارہ تشغیلیہ کا عقد ختم ہوتا ہے تو اس میں بینک مصلحت کے تحت درج ذیل صورتیں اپنا سکتا ہے کہ:

- عقد کی تجدید کرے اگر چیز قابلِ استعمال ہو کہ کرایہ داری کا عقد جاری رکھا جاسکے جبکہ کرایہ دار بھی معاہدہ کرنا چاہے۔
- کرایہ دار چیز کو استعمال نہ کرنا چاہے تو اجارہ کے اختتام پر بینک واپس لے لے اور اسے آگے کرایہ پر دے دے۔
- کرایہ دار چیز کو مارکیٹ کی قیمت پر بینک سے خرید لے۔[2]

اجارہ تشغیلیہ کا طریقہ کار:

محمد عبید اللہ لکھتے ہیں کہ اسلامی بینکوں میں اجارہ تشغیلیہ درج ذیل طریقے پر ہوتا ہے:

- صارف اجارہ کیلئے اسلامی بینک کے پاس آتا ہے اور متعلقہ چیز گاڑی یا جنریٹر وغیرہ کا انتخاب کرتا ہے اور اس کے کرایہ کی دیگر معلومات اکٹھی کرتا ہے۔ یا صارف متعلقہ چیز فراہم کرنے والی کمپنی سے اس کی قیمت اور ماڈل وغیرہ کی تفصیلات لے کر بینک کے پاس آتا ہے۔
- صارف بینک کے ساتھ اجارہ کا معاہدہ کرتا ہے کہ متعلقہ چیز کی خریداری کے بعد وہ اسے کرائے پر لے گا۔
- بینک متعلقہ چیز بیچنے والی کمپنی کو ادائیگی کرتا ہے۔
- تجارتی کمپنی متعلقہ چیز کی ملکیت بینک کو منتقل کر دیتی ہے۔
- بینک متعلقہ چیز صارف کا قبضہ اور مخصوص استعمال کا حق کرائے کے عوض صارف کو دے دیتا ہے۔

۱- جدید مالیاتی ادارے، رحمانی، خالد سیف اللہ، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، طبع جدید ۱۴۳۶ھ - ۲۰۱۴ء، ص ۵۷

2- Modern Islamic Banking (Products and Processes in Practice), Natalie Schoon, John Wiley and Sons Ltd, United Kingdom, 2016, p.114.

- صارف آئندہ معلوم مدت تک کرایہ ادا کرتا رہتا ہے۔
- مدت کے اختتام پر اثاثہ بینک کو واپس کر دیا جاتا ہے۔[1]

اجارہ تمویلیہ(Financial Lease)

بینک کا کوئی شے کرایہ پر لگانا اور مدتِ کرایہ ختم ہونے پر کرایہ دار کو ہبہ کر دینا یا معمولی قیمت کے عوض اسکے ہاتھ بیچ کر اس کو مالک بنانا ہے۔[2]

اجارہ تمویلیہ کا طریقہ کار:

محمد عبید اللہ اجارہ تمویلیہ کا طریقہ کار بیان کرتے ہیں کہ:

- صارف متعلقہ چیز کو اجارہ پر لینے کیلئے بینک کے پاس آتا ہے۔
- بینک اور صارف کے درمیان معاہدہ طے پاتا ہے کہ جس میں بینک اجارہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے (کہ متعلقہ چیز اسے اجارہ پر فراہم کرے گا جو فی الوقت بینک کے پاس موجود نہیں ہوتی) اور صارف مقررہ وقت کیلئے طے شدہ کرائے پر متعلقہ چیز کو لینے کا وعدہ کرتا ہے۔ عقد کے وقت صارف ایک درخواست فارم پُر کر کے دیتا ہے، اس میں صارف کی ذاتی معلومات اس کا نام، تاریخِ پیدائش، شناختی کارڈ، ازدواجی حیثیت، رہائش گاہ کا پتہ اور فون نمبر کے علاوہ مالی حیثیت اور اثاثہ جات یعنی گھر، گاڑی، زمین وغیرہ اور کاروبار یا ملازمت سے متعلقہ مکمل تفصیلات لی جاتی ہیں۔ تاکہ بینک اس بات کو یقینی بنا سکے کہ اجارہ پر دی جانے والی چیز کی ادائیگیاں بروقت کر سکے گا کہ نہیں۔ میزان بینک کا اجارہ فارم[3] اس بات کی دلیل ہے کہ بینک اجارہ میں سرمایہ کاری سے پہلے حتی الامکان جان پڑتال کرتا ہے تاکہ آئندہ کسی قسم کے نقصان سے بچا جاسکے۔
- بینک کلائنٹ کو اپنا ایجنٹ یعنی وکیل مقرر کرتا ہے۔
- کلائنٹ تجارتی ادارے کی شناخت کرتا ہے جہاں سے متعلقہ چیز خریدی جاسکے، بینک کی طرف سے اثاثہ کا انتخاب کرتا ہے اور بینک کو اس کی مکمل تفصیلات تجارتی ادارے کے نام اور چیز کی قیمتِ خرید سے تحریری صورت میں آگاہ کرتا ہے۔ جیسا کہ بینک سے کار اجارہ کا معاہدہ کرنا ہو تو

---

1 - To see Operating Lease Procedure in Islamic Bank: Islamic Financial Services, Mohammed Obaidullah, King Abdulaziz University Jeddah, Saudi Arabia,2005, p.80-81.

۲- جدید مالیاتی ادارے، ص۵۷

3 - "Meezan Bank Car Ijarah Application Form" visit website: https://www.meezanbank.com/wp-content/themes/mbl/downloads/car_ij_appfrm.pdf

صارف درخواست فارم پر گاڑی کا نام، اس کی نوعیت کہ نئی ہو یا استعمال شدہ، ماڈل، انجن کا سائز، رنگ، قیمت اور اس کی دستیابی فوری یا بکنگ پر ہو، تمام تر معلومات درج کر کے دیتا ہے۔

- تجارتی ادارہ بینک کے وکیل (صارف) کو اثاثہ فراہم کرتا ہے، بینک کا تربیت یافتہ عملہ وکیل کے کام (اثاثہ پر قبضہ کیلئے) کی مکمل نگرانی کرتا ہے۔
- بینک فروخت کنندہ ادارے کو اثاثہ کی قیمت کی ادائیگی کرتا ہے۔
- وکالت کا معاہدہ یہاں ختم ہو جاتا ہے، بینک باہمی وعدے کے مطابق اثاثہ کرائے کیلئے دیتا ہے اور اس کا قبضہ اور استعمال کا حق صارف کو بطور مستاجر منتقل کر دیتا ہے۔
- صارف (مستاجر) مقررہ کرایہ کی ادائیگیاں مقررہ وقت تک کرتا رہتا ہے۔
- مدتِ اجارہ ختم ہونے پر بینک اثاثہ کی ملکیت بطور ہدیہ یا معمولی قیمت کے عوض صارف کو منتقل کر دیتا ہے۔[1] جیسا کہ اجارہ تمویلیہ میں پاکستان کا میزان بینک سیکیورٹی ڈیپازٹ کے عوض اور ابو ظہبی اسلامک بینک ایک ہزار درہم کے عوض اثاثہ گاہک کو فراہم کرتا ہے۔[2]

ہائر پرچیز اور اجارہ تمویلیہ میں شرعی تقابل

آج کل روایتی بینک ہائر پرچیز اور اسلامی بینک اجارہ تمویلیہ کے طریقہ کو کرایہ داری کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ ان دونوں کے طریقہ کار میں فرق ہے۔ اعجاز احمد صمدانی کی رائے کے مطابق ہائر پرچیز میں کچھ شرعی قباحتیں پائی جاتی ہیں جس سے یہ معاملہ درست نہیں ہے، جبکہ اجارہ تمویلیہ میں شرعی اصولوں کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔ ذیل میں دونوں کا شرعی تقابل درج ہے۔

- ہائر پرچیز در حقیقت خرید و فروخت کا معاہدہ ہوتا ہے، جب تک ادائیگیاں ہوتی رہتی ہیں یہ کرایہ داری ہوتی ہے، جبکہ آخر میں یہ اس اثاثہ کی قیمت تصور کر لی جاتی ہے اور اس کی ملکیت ادارے سے صارف کو بغیر کسی نئے معاہدے کے منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ ایسا معاہدہ جس میں دو معاہدے ایک ساتھ جڑے ہوں احادیث مبارکہ میں اس کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے کہ:

((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ))[3]

ترجمہ: آپ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیوع کرنے سے منع فرمایا۔

---

1 To see Financial Lease Procedure in Islamic Bank: Islamic Financial Services, p.82-84.

۲- اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، حافظ راؤ فرحان علی، ہزارہ اسلامیکس، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ، ۲۰۱۵، جلد ۴ / شمارہ ۲، ص ۵۵

۳- الموطأ، کتاب البیوع، باب النہی عن بیعتین فی بیعۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۴، ۴ / ۹۵۷

ہائر پرچیز میں ایک بیع کے ساتھ ہی دوسری بیع شامل ہے۔ گویا صارف یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ گاڑی کرایہ پر اس شرط پر لے گا کہ آخر میں وہ کرایہ کی ادائیگیوں کے بدلے میں اس کی ملکیت ہوگی۔ اس کے برعکس اجارہ تمویلیہ میں ادارہ اور صارف کے درمیان پہلے صرف کرایہ داری کا معاملہ ہوتا ہے۔ جس میں چیز کی ملکیت ادارے کی ہی ہوتی ہے، صارف کو صرف اس کا قبضہ اور استعمال کا استحقاق ہوتا ہے۔ مدتِ اجارہ ختم ہونے پر اثاثہ الگ معاہدے کے تحت صارف کو دیا جاتا ہے۔ شرعی اعتبار سے ایسا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

- ہائر پرچیز میں تمام تر ذمہ داریاں کرایہ دار پر ڈال دی جاتی ہیں۔ شرعی اعتبار سے کرایہ دار پر صرف اثاثہ کے استعمال سے متعلقہ ذمہ داریاں ڈالی جاتی ہیں جیسا کہ گاڑی کی مرمت کروانا یا آئل تبدیل کروانا۔ جب کہ ملکیت سے متعلقہ تمام تر اخراجات مالک کی ذمہ داری ہوتے ہیں۔ جب کہ ہائر پرچیز اس نوعیت کا معاملہ ہی نہیں ہے کہ جس میں مالک اثاثہ کی ملکیت کو اپنے پاس رکھتے ہوئے یہ تمام ذمہ داریاں قبول کرے۔ تاہم اجارہ تمویلیہ کے معاہدے میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ مالک اثاثہ سے متعلقہ ملکیتی ذمہ داریاں جیسا کہ ٹیکس، حادثات کی صورت میں نقصان اور تکافل اخراجات خود اٹھائے گا، کرایہ دار پر صرف معمولی مرمت وغیرہ کی ذمہ داری ہوگی۔
- ہائر پرچیز میں کرایہ معاہدے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اگرچہ اثاثہ کرایہ دار کے حوالے نہ کیا گیا ہو۔ اثاثہ دینے سے پہلے پیشگی رقم آمدن تصور کر لی جاتی ہے۔ شریعت کرایہ داری میں اثاثے کے منافع کو استعمال کرنے کیلئے اسے حوالہ کئے بغیر اس کا کرایہ وصول کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ کیونکہ کرایہ اصل میں چیز کے منافع کا ہی عوض ہوتا ہے جسے سپرد کئے بغیر معاہدہ درست نہیں ہوتا۔ اجارہ تمویلیہ میں کرایہ دار کے قبضے میں اثاثہ دینے کے بعد ہی اس کے کرائے کی ادائیگیاں شروع کی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر صارف بینک کے پاس اجارہ کا معاملہ کرنے آئے تو اسی دن اثاثہ موجود نہیں ہوتا، صارف صرف اس کی بکنگ کرواتا ہے۔ متعلقہ اثاثہ کچھ دنوں میں صارف کو مہیا کیا جاتا ہے۔ تو بینک اس کا قبضہ صارف کو دینے کے بعد ہی اجارہ کا معاملہ اور ادائیگیاں شروع کرے گا۔ تاہم اگر صارف خود کچھ ادائیگی پہلے کرنا چاہے تو وہ بطور امانت ہوتی ہے، یہ نہ تو کرایہ شمار ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی آمدن بلکہ اگر معاہدہ نہ ہو سکے تو وہ واپس کر دی جاتی ہے۔
- روایتی بینک یا مالیاتی ادارے ہائر پرچیز کی صورت میں کرایہ داری کا معاملہ کرتے ہوئے اس کے نقصان کو برداشت نہیں کرتے بلکہ تمام تر تلافی انشورنس کمپنی پر ڈال دیتے ہیں۔ جب کہ اسلامی بینک اجارہ تمویلیہ میں اثاثہ سے متعلقہ خطرات کو برداشت کرتے ہوئے اسلامی انشورنس یعنی تکافل کمپنی کے ساتھ معاہدات کرنے کے پابند ہوتے ہیں، اگر نقصان زیادہ ہو اور تکافل کمپنی کے پاس رقم ناکافی رہے کہ اسے پورا کیا جا سکے تو اس کا خرچہ

اسلامی بینک اٹھاتا ہے۔ روایتی بینکاری سرمایہ اور اثاثہ جات کی فراہمی میں خطرات برداشت نہ کرنے کی وجہ سے ہی اسلام سے متصادم نظام ہے۔[1]

شرعی اعتبار سے روایتی بینکوں کا اثاثہ جات کیلئے کی جانے والی انشورنس میں بھی خرابیاں موجود ہیں جس کے بارے میں آگے بیان کیا گیا ہے۔

انشورنس اور تکافل میں فرق

عصرِ حاضر میں ہر تجارتی کاروبار کیلئے، خواہ وہ اثاثہ جات کی خریداری ہو یا اسے لیز پر حاصل کرنا ہو، انشورنس ضروری حصہ ہے۔ کسی ادارے کی طرف سے خطرات سے نمٹنے کیلئے ایک ایسا نظام جس میں باہمی شراکت کی رقم سے ایک تالاب (پول) تیار کیا جاتا ہے جس سے ان کے آئندہ ہونے والے خطرات یا حادثوں سے ہونے والے نقصانات پورے کئے جاتے ہیں۔

پاکستان سمیت دنیا بھر میں کاروبار میں انشورنس کا طریقہ کار رائج ہے۔ اثاثہ جات کیلئے انشورنس کروانا قانونی طور پر بھی لازم ہوتا ہے۔[2] انشورنس ایک روایتی طریقہ کار ہے جو کہ سود اور جوے پر مبنی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے جبکہ تکافل اسی کا متبادل اور اسلامی طریقہ کار ہے جس میں سود، جوے سے گریز کیا گیا ہے۔ ان میں بنیادی فرق درج ذیل ہے:

انشورنس (Insurance)

"Insurance is a risk transfer mechanism. It's a method of shifting the responsibility for losses to specialists (insurance companies) who handle the risk by spreading it over a large number of people or firms."[3]

ترجمہ: انشورنس خطرے کی منتقلی کا طریقہ کار ہے۔ یہ نقصانات کی ذمہ داری ماہرین (انشورنس کمپنیاں) پر منتقل کرنے کا طریقہ کار ہے جو لوگوں اور تجارتی اداروں کی ایک بڑی تعداد میں اس خطرے کو پھیلاتے ہوئے اسے نپٹاتے ہیں۔

تکافل (Takaful)

"It is a system of Islamic Insurance based on the principle of TA'AWUN (mutual assistance) and TABARRU' (Gift, Give away,

---

1- The difference between Islamic Banking & Conventional Banking, Samadani, Eiaz Ahmad, Al Baraka Bank (Pakistan) Ltd, Maktaba Kamilpooray, Karachi, p.10-13.

2- Leasing (establishment and regulation) Rules, section 14, deals insurance of property on lease, 2000.

3- "The Insurance Association of Pakistan (IAO)"
retrived from: http://www.iap.net.pk/Displaypage.aspx?ID=2 , visited on 3, August, 2020 at 12:00am.

Donation) where the risk is shared collectively by the group VOLUNTARILY. This is a pact among a group of members or participants who agree to jointly guarantee among themselves against loss or damage to any of them as defined in the pact."[1]

ترجمہ: یہ اسلامی انشورنس کا ایک نظام ہے جو تعاون (باہمی امداد) اور تبرع (تحفہ، عطا، عطیہ) کے اصولوں پر مبنی ہے، جہاں رضاکارانہ طریقے سے (بلا معاوضہ) خطرہ اجتماعی طور پر مشترکہ ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ ممبران اور شرکاء کے گروہ کے درمیان ہوتا ہے جو کہ معاہدہ کے مطابق کسی کے نقصان یا خسارے کے خلاف مشترکہ طور پر آپس میں ضمانت دینے پر راضی ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا تعریفات کی روشنی میں یہ نکات سامنے آتے ہیں کہ:

- انشورنس اور تکافل میں کچھ افراد یا ادارے باہم مل کر ایک پول تیار کرتے ہیں۔
- تمام شرکاء ہر ماہ اس پول میں مخصوص رقم بطور قسط جمع کرواتے ہیں۔
- انشورنس یا تکافل کمپنی شرکاء میں سے کسی کے ہونے والے نقصان کی تلافی کیلئے پول سے رقم فراہم کرتے ہیں۔
- انشورنس اور تکافل میں پول کی تیاری اور ممبران کا مشترکہ طور پر آئندہ ہونے والے نقصانات سے نپٹنا ہوتا ہے، مگر تکافل میں شرکاء کی طرف سے دی جانے والی رقم بطور ہدیہ ہوتی ہے۔

دونوں کے طریقہ کار میں کیا کیا متفرقات ہیں اور اس سے متعلق شرعی نقطہ نظر کیا ہے اس کی وضاحت ذیل میں موجود ہے۔

انشورنس اور تکافل میں شرعی نقطہ نظر

انشورنس اور تکافل کی شرعی حیثیت سے متعلقہ ڈاکٹر عصمت اللہ [۲] درج ذیل آراء بیان کرتے ہیں۔

- انشورنس عقدِ معاوضہ ہے۔ اس کے برعکس تکافل عقدِ تبرع ہے کہ کس میں شرکاء تبرع کے طور پر باہمی تعاون و تناصر کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ شرکاء کوئی معاہدہ نہیں کرتے بلکہ رقم وقف کر دیتے ہیں اور پول بغیر کسی شرط کے جس میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے۔ یہ نقصان کی تلافی بطور عطیہ کرتا ہے۔

۱- تکافل: اسلامی انشورنس کا تعارف اور شرعی نظائر کا تحقیقی مطالعہ، عبد القدوس و دیگر، بر جس، یونیورسٹی آف سائنس و ٹیکنالوجی، بنوں، جولائی– دسمبر ۲۰۱۴ء، جلد ا / شمارہ ۲، ص ۱۴

۲- ڈاکٹر عصمت اللہ جامعہ دار العلوم کراچی کے ہونہار فاضل اور دار الافتاء کے قابلِ قدر رفیق ہیں۔ ان کی فقہی مسائل سے متعلقہ بے تحاشا علمی کاوشیں ہیں۔ دیکھیے: تکافل کی شرعی حیثیت، عصمت اللہ، مولانا، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع الجدید: رمضان ۱۴۳۱ھ - اگست ۲۰۱۰ء، ص ۹

- انشورنس میں دی جانے والی رقم کمپنی کی ملکیت ہوتی ہے اور اس میں اصل مقصد تجارت اور کاروبار ہی ہوتا ہے، جس سے حاصل شدہ نفع کمپنی کا ہی ہوتا ہے۔ جبکہ تکافل میں دی جانے والی رقم وقف فنڈ کی ملکیت ہوتا ہے جس کی کمپنی مالک نہیں ہوتی۔ تاہم اس پر ہونے والا منافع بھی فنڈ کا ہی ہوتا ہے۔ تکافل کا اصل مقصد تعاون علی البر والتقوٰی ہے اسی لیے اس کے کاغذات میں کنٹریکٹ یا بزنس وغیرہ کے الفاظ سے گریز کیا جاتا ہے کہ جس سے معاوضہ یا کاروبار کا تاثر ملتا ہو۔
- انشورنس میں نگرانی کا کوئی نظام نہیں ہوتا جہاں فائدہ نظر آئے سرمایہ کاری کرلو، اس میں کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی کہ دیکھا جائے کہ کاروبار شرعاً جائز اور حلال بھی ہے کہ نہیں۔ تکافل میں باقاعدہ نگرانی کی جاتی ہے۔ ہر کمپنی کا شرعیہ بورڈ ہوتا ہے جو تاکید کرتا ہے کہ فنڈ کو صرف شریعت کے مطابق معاملات میں لگایا جائے، فنڈ کو ناجائز کاروبار میں ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔[1]

مندرجہ بالا نکات سے واضح ہوتا ہے کہ انشورنس غیر شرعی معاملہ ہے کیونکہ یہ ایسا عقد ہے کہ جس میں دونوں عوض یا بدل نقد ہوتے ہیں۔ جس سے معاملہ سودی ہو جاتا ہے۔ یعنی شرکاء اقساط ثمن کی صورت میں دیتے ہیں تو دوسری طرف انشورنس کمپنی کی طرف سے بیمہ رقم بطور مبیع ہوتی ہے۔ اگر کمی بیشی ہوگی تو "ربا" ہے۔ کیونکہ اس میں یا تو شرکاء کم پریمیم کے بدلے میں زیادہ رقم کی پالیسی خریدتے ہیں، یا کمپنی زیادہ رقم لے کر کم رقم سے نقصان پورا کرتی ہے۔ اس سے یہ معاملہ غرر اور قمار کی طرف بھی چلا جاتا ہے اور یہ بھی شرعی اعتبار سے درست نہیں کہ ہر فریق غیر یقینی طور پر اپنی رقم اس طور پر داؤ پر لگاتا ہے کہ یا تو بلا معاوضہ دوسرے فریق کے پاس چلی جائے گی یا دوسرے کی اس کے پاس آجائے گی۔ تکافل میں اس خرابی سے بچنے کیلئے عقدِ تبرع کیا جاتا ہے کہ جس میں شرکاء رقم ہدیہ کر دیتے ہیں، اسے تکافل کمپنی شرکاء کے نقصان کو پورا کرنے کیلئے عوض نہیں بلکہ بطور عطیہ یا امداد دیتی ہے۔ تکافل نظام باہمی تعاون اور امداری طریقہ کار فراہم کرتا ہے جس کی اسلامی تعلیمات میں خوب ترغیب دی جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾[2]

ترجمہ: نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

۱- تکافل کی شرعی حیثیت، ص۱۰۶

۲- سورۃ المائدہ:۵/۲

اسلام کی نظر میں تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اس باہمی اخوت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک دوسرے کیلئے سہارا بنیں، مصیبت و پریشانی میں کام آئیں۔ سیرت النبی ﷺ سے اس کی بہترین مثال مواخاتِ مدینہ ہے۔ انصار نے اپنے مہاجرین بھائیوں کی مالی اعانت کر کے ان کی ٹوٹی ہوئی معیشت کو کھڑا کرنے میں بھرپور تعاون کیا۔[1] اسی طرح ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین معاہدہ ہوا تو اس کی اکثر دفعات میں باہمی تعاون اور امداد کی جھلک نظر آتی ہے۔ جیسا کہ ان میں سے کچھ یوں ہیں:

"الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ عَلَى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ بَيْنَهُمْ وَهُمْ يَفْدُونَ عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ، وَبَنُو عَوْفٍ عَلَى رِبْعَتِهِمْ،--- ثُمَّ ذَكَرَ كُلَّ بَطْنٍ مِنْ بُطُونِ الْأَنْصَارِ"[2]

ترجمہ: قریشی مہاجرین اپنی سابقہ حالت پر برقرار ہیں، آپس میں دیت ادا کریں گے اور اپنے مسلمان قیدیوں کا فدیہ انصاف اور عرف کے مطابق دیں گے اور بنو عوف (انصاری قبیلہ) اپنی سابقہ حالت پر برقرار ہے۔۔۔ پھر اسی طرح انصار کے تمام قبائل کا ذکر کیا۔

اس شق میں مسلمانوں کا دیت اور فدیہ کی ادائیگی میں تعاون و تناصر کا پہلو نمایاں ہے۔ اسی طرح مزید یہ کہا گیا کہ:

"إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَتْرُكُونَ مُفْرَحًا بَيْنَهُمْ أَنْ يُعْطُوهُ بِالْمَعْرُوفِ فِي فِدَاءٍ وَعَقْلٍ"[3]

ترجمہ: مسلمان کسی مقروض شخص کو یوں نہیں چھوڑیں گے بلکہ اس کے ساتھ فدیہ اور دیت میں ضرور مدد کریں گے۔

مندرجہ بالا شق مصیبت و ضرر کے وقت کام آنے کی واضح دلیل ہے۔ تاہم اسی بناء پر تکافل کو مروجہ انشورنس کے مقابلے میں جواز ملتا ہے اگر اس کے معاملات میں کسی شرعی اصول کی خلاف ورزی نہ ہو۔

۱- الرحیق المختوم (ترجمہ)، مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، مکتبۃ السلفیۃ، لاہور، محرم الحرام ۱۴۲۱ھ / مئی ۲۰۰۰ء، ص ۲۵۷

۲- البدایۃ والنہایۃ، ۳/ ۲۷۳

۳- ایضاً، ۳/ ۲۷۴

فصل سوم

مروجہ اجارہ کے بارے میں اسلامی بینکاری کے ناقدین کا نقطہ نظر

اجارہ اسلامی بینکاری میں استعمال ہونے والے غیر شراکتی طریقوں میں سے ایک طریقہ کار ہے۔ عمومی طور پر اس کے ذریعے سے فائنانسنگ کی جاتی ہے یہ طریقہ سودی بینکوں میں رائج لیزنگ (Leasing) سے مختلف تو ہے مگر اس کے طریق کار پر کئی طرح سے اعتراضات موجود ہیں۔ ذیل میں ان اعتراضات کو سامنے لایا جائے گا اور اس حوالے سے دیگر آراء کا تجزیہ کیا جائے گا۔

اسلامی بینکاری میں مروجہ طریقہ ہائے تمویل اجارہ مندرجہ ذیل اعتراضات کی زد میں ہے۔

بیک وقت دو معاہدے کرنا

اسلامی بینکاری میں چونکہ اجارہ سرمایہ کاری کیلئے استعمال ہوتا ہے جس میں بینک صارف کو آلات، گھر یا مشینری اس طرح کرائے پر دیتا ہے کہ کرایہ کی رقم ماہانہ اقساط میں وصول کی جاتی ہے اور اقساط ختم ہونے پر وہ چیز صارف ہی کی ملکیت میں دے دی جاتی ہے۔ اس طرح مقررہ مدت میں ادا کی گئی کرایہ کی رقم قیمت ہی تصور ہوتی ہے۔[1]

بینک کے اس اجارہ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک ساتھ دو معاہدے کئے جاتے ہیں جو کہ درست نہیں۔ جیسا کہ عثمان صفدر[2] اس بارے میں رقم طراز ہیں کہ:

> "مروجہ اجارہ در حقیقت اجارہ نہیں بلکہ بیع ہے، کیونکہ اس میں مؤجر (بینک)اور مستاجر (صارف) کا مقصد سامان کی منفعت نہیں ہوتا بلکہ تملیک اور تملک ہوتا ہے، یعنی چیز بیچنا اور خریدنا مقصود ہوتا ہے، لہذا مروجہ اجارہ میں بیع کا وعدہ ایک معاہدہ میں دو معاہدے کی قباحت کو شامل ہے۔ دوسرا مروجہ اجارہ میں اجارہ اور بیع کے جمع ہونے سے بیع میں غرر اور جہالت داخل ہو جاتی ہے، کیونکہ بیع آخری قسط کی ادائیگی کے ساتھ معلق ہو جاتی ہے، اور بیع میں ضروری ہے کہ مبیع (سامان) کی کیفیت سے فروخت کنندہ اور خریدار دونوں مکمل آگاہ ہوں، لیکن مروجہ

۱- اسلامی معاشیات، ص۲۰۹

۲- عثمان صفدر الحد السلفی سے درسِ نظامی کے فارغ التحصیل ہیں۔ یونیورسٹی آف مدونہ سے علم حدیث میں گریجویشن کیا۔ کراچی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ایم-آئی-آر-سی انسٹیٹیوٹ میں تدریس کر رہے ہیں۔ دیکھیئے:
https://www.buroojinstitute.org/en/teacher/shaikh-usman-safder/, visited on: 4,July, 2020 at 1:45pm.

اجارہ میں بینک اور صارف دونوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ آخری قسط کی ادائیگی تک مبیع (سامان) کی کیا کیفیت ہو گی؟ بینک صارف سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ اجارہ کی مدت کے اختتام پر یہ چیز اسے بیچ دے گا، اور دونوں کو ہی اس بات کا یقین نہیں ہوتا کہ مقررہ مدت تک چیز باقی بھی ہو گی یا نہیں، اگر موجود ہو گی تو اس کی کیا کیفیت ہو گی؟"[1]

ان حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ:

((أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ))[2]

ترجمہ: آپ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیوع کرنے سے منع فرمایا۔

بعض فقہاء نے اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے کہ ایک بیع میں دو بیع سے مراد ہے کہ اس میں قیمت نا معلوم ہو یا ایک کے ساتھ دوسری کو مشروط کر دیا جائے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ حدیث کی رو سے فرماتے ہیں کہ اس میں دو تاویلیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی کہے کہ یہ غلام میں نے تجھے نقد ایک ہزار یا سال تک دو ہزار ادھار میں فروخت کیا، جسے چاہو قبول کر لو (بیع واضح نہیں اس میں ثمن مجہول ہے کہ کونسی قیمت ہے)، یا یوں کہے کہ میں نے اپنا غلام اس لئے تم پر بیچا کہ تم اپنا گھوڑا اس کے بدلے مجھ پر بیچو (اس میں بیع کے ساتھ بیع کی شرط ہے) لہذا اس اعتبار سے بیع باطل ہے۔[3]

گویا ناقدین کے مطابق چونکہ ایک عقد میں دوسرے عقد کو شامل کرنا درست نہیں ہے، یا تو اجارہ کا عقد کیا جائے یا پھر بیع کی جائے خواہ قسطوں پر ہو۔ تاکہ معاہدہ صاف اور واضح ہو۔

مفتی ثاقب الدین ناقدین کے اعتراض کی تردید یوں کرتے ہیں کہ:

"صفقتان فی صفقہ کی نہی کا اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس لئے کہ اسلامی بینکوں کا کلائنٹ کے ساتھ پہلا معاملہ اجارہ ہی کا ہوتا ہے، چند شرعی شرائط کے ساتھ،

۱- مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ کی شرعی حیثیت، شیخ عثمان صفدر، سہ ماہی البیان، المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۳ء-ربیع الاول تا شعبان ۱۴۳۴ھ، سلسلہ نمبر ۶/۷، ص ۱۷۹

۲- الموطأ، کتاب البیوع، باب النہی عن بیعتین فی بیعۃ، حدیث نمبر: ۲۴۴۴، ۴/ ۹۵۷

۳- نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب، الجوینی، عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف، دار المنہاج، طبعہ اولی ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء، ۵/ ۴۳۶

خاص مدت تک، اس میں کوئی ایسی شرط نہیں لگائی جاتی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اور نہ ہی عقد اجارہ میں دوسرا معاملہ کرنے کی شرط لگائی جاتی ہے۔"[۱]

مولانا اعجاز احمد صمدانی مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ ہائر پرچیز (Hire Purchase) کا جائز اور شرعی متبادل قرار دیتے ہیں، جس میں دو الگ الگ معاہدوں کے تحت پہلے چیز اجارہ پر دی جاتی ہے۔ مقررہ مدت کے اختتام پر اجارہ کا معاہدہ ختم ہو جاتا ہے اور پھر ایک نئے معاہدے کے تحت وہ چیز گاہک کو حوالے کر دی جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

"کوئی مشینری وغیرہ حاصل کرنے کیلئے مروجہ بینکوں اور مالیاتی اداروں میں ہائر پرچیز (Hire Purchase) کی صورت رائج ہے کہ جس میں کرایہ پر چیز کی اس طرح قسطیں مقرر کی جاتی ہیں کہ کرایہ کے ساتھ ساتھ اس چیز کی قیمت بھی وصول ہو جائے۔ جسے عربی میں "التاجیر المنتھی بالتملیک " کہا جاتا ہے۔ یہ بھی اجارہ پر چیز اس طرح دینا ہے کہ مدت کے اختتام پر اتنی رقم مل جائے جتنی کہ اس چیز کو بیچنے پر نفع سمیت مل سکتی ہے۔ مگر اسلامی بینکوں میں اجارہ "الاجارہ المنتھیۃ بالتملیک" کی صورت اختیار کی جاتی ہے جو کہ اسکا شرعی متبادل ہے۔ اس صورت کے اندر اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ بیک وقت ایک معاملے میں دو عقد نہ ہوں بلکہ پہلے اجارے کا عقد ہو اور الگ سے بیع یا ہبہ کا عقد ہو۔"[۲]

ہائر پرچیز کو دیکھا جائے تو وہ ایک ہی معاہدے میں دو مختلف بیوع ہیں جیسا کہ ہائر (Hire) کرایہ پر لینا، پرچیز (Purchase) خریدنا۔ اور دونوں ایک ہی عقد میں ایک دوسرے کے ساتھ مشروط ہیں جس میں دو بیوع ایک ساتھ ہونے کی قباحت ہے۔ جب کہ اسلامی بینک کا اجارہ ایسا نہیں ہے۔ جیسا کہ ذیل میں میزان بینک میں کار جارہ کا طریقہ کار مؤیدین کی آراء کی تائید کرتا ہے۔

"The Meezan Bank car financing scheme works under a rental car agreement – the bank purchases the vehicle and rents it out to interested individuals for 1-7 years. Once the car ijarah period is completed, the car is either sold to the individual at a token amount or gifted."[3]

۱- اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۳۴۹

۲- غرر کی صورتیں، ص ۱۱۶-۱۱۷ اور ۱۲۰

3- "Meezan Bank Car Ijarah Calculator"
retrived from : https://www.mawazna.com/car-finance/meezan-bank , visited on: December 20, 2019 at 5:15pm

ترجمہ: میزان بینک کی کار فنانسنگ اسکیم کرایہ پر کار لینے کے معاہدے کے تحت کام کرتی ہے۔ بینک گاڑی خرید تا ہے اور اسے دلچسپی رکھنے والے افراد کو ۱-۷ سالوں تک کرایہ پر دیتا ہے۔ ایک بار کار اجارہ کی مدت پوری ہونے پر، کار کو یا تو ایک شخص کو ٹوکن کی رقم پر فروخت کیا جاتا ہے یا تحفہ میں۔

مؤیدین کی رائے درست ہے کہ دو معاہدے ایک ساتھ طے نہیں پاتے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ درج بالا بینک کے طریقہ کار میں صراحتاً مذکور ہے کہ بینک کا معاہدہ اجارہ کا ہی معاہدہ ہو گا اور مقررہ مدت میں اس کے ختم ہونے کے بعد وہ چیز معمولی قیمت کے بدلے میں یا ہدیہ کے طور پر حوالے کی جائے گی۔ اس میں بینک اجارہ کی اقساط میں اپنا مطلوبہ نفع کمالیتا ہے۔ مثلاً سات لاکھ کی گاڑی ہے تو بینک اجارہ سے دس لاکھ کمالیتا ہے۔ اگر یہ اجارہ کے ساتھ بیع بھی ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ بینک دگنی قیمت سے بھی زیادہ صارف سے کمائے تب دو بیوع میں فروخت ہو گی۔ جبکہ بینک آخر میں معمولی رقم لیتا ہے یا ویسے ہی ہدیہ کر دیتا ہے۔ جو کہ الگ سے معاملہ طے پاتا ہے۔ رہا اس میں غرر اور جہالت کا نقطہ کہ آخر میں چیز کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی کہ اس کی کیا قیمت لگائی جائے تو اس میں بینک اصل قیمت نہیں لگاتا بلکہ فرضی قیمت جو کہ تھوڑی ہوتی ہے وصول کرتا ہے۔ نیز اس میں چیز شروع سے ہی صارف کے پاس بالکل نئی اور سالم حالت میں موجود ہے۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ اسے کس طرح اور کس حالت میں رکھتا ہے۔ اسکی ذمہ داری ہے کہ اسے احتیاط سے استعمال کرے۔ اس میں لاپرواہی اور بے احتیاطی برتنے کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ ہاں البتہ درمیانی عرصے میں چیز ناکارہ یا تباہ ہو جائے اور اس میں صارف کی غلطی بھی نہ ہو تو وہ بینک کی ہی ہو گی۔ لہذا اس میں کوئی تنازعہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

ایڈوانس بطور ضمان لینا

بینک اجارہ معاہدہ کرتے وقت کچھ رقم ایڈوانس وصول کرتا ہے تاکہ اگر کسٹمر بعد میں متعلقہ چیز لینے سے اگر انکار کرے تو بینک کو نقصان نہ ہو۔ علاوہ ازیں یہ مطلوبہ چیز کی گارنٹی بھی ہے کہ اگر کسٹمر کی جانب سے کچھ نقصان ہو جائے تو اسے اسی رقم سے پورا کیا جاسکے۔ اسے "سیکیورٹی ڈیپازٹ" بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ شرعیہ اسٹینڈرز میں اسکے متعلق ہے کہ:

> "Permissible security, of all kinds, may be taken to secure the rental payments or as a security against misuse or negligence on the part of the lessee, such as a charge over assets, guarantees or an assignment of rights over assets of the lessee held by third parties, even if such rights are a permissible life or property insurance indemnity in favour of the lessee."[1]

1- Shari'ah Standards, p.246.

ترجمہ: قابل قبول سیکورٹی، ہر قسم کے، رینٹل کی ادائیگیوں کو محفوظ رکھنے یا غلطی یا غفلت سے بچنے کیلئے لیا جا سکتا ہے، جیسے اثاثوں پر چارج، گارنٹی یا مستاجر کیلئے تیسری جماعتوں کی طرف سے اثاثوں پر دی جانے والی ضمانت، یہاں تک کہ یہ ضمانت مستاجر کے حق میں مستحکم زندگی یا جائیداد کی انشورنس ہے۔

ناقدین مروجہ اجارہ میں سیکیورٹی ڈیپازٹ کی شرط کو شرعی اجارہ سے متصادم سمجھتے ہیں۔ ان کے ہاں ایسی شرط اجارہ میں رسک کو ختم کر دیتی ہے، جیسا کہ شرعی اجارہ میں چیز اجیر کے پاس موجود ہوتی ہے جو کہ کرایہ پر جا بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ جبکہ یہاں مؤجر (بینک) سیکیورٹی لے کر مستاجر (صارف) کو کرائے پر چیز لینے کا پابند بناتا ہے اور اپنا رسک ختم کر دیتا ہے۔ اس پر حافظ ذوالفقار علی کی تحریر ہے کہ:

"بینک کلائنٹ سے جس چیز پر اجارہ کرتا ضمان جدیہ کے طور پر اسکا دس فیصد اس سے پہلے ہی وصول کر لیتا ہے تاکہ اگر وہ بعد میں انکار کرے تو اسے آگے کسی اور سے معاہدہ کرنے پر جو نقصان ہو اسے پورا کیا جا سکے۔ جہاں پر بقایا رقم کلائنٹ کو واپس کر دی جاتی ہے وہاں پر اگر نقصان زیادہ ہو تو وہ کلائنٹ سے مزید رقم کا بھی مطالبہ کر سکتا ہے۔ شرعیہ اجارہ میں یہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں وہ چیز مالک نے کسی کی درخواست کے بغیر خود خریدی ہوتی ہے جس میں کسی کا اسے کرائے پر لینے یا نہ لینے کا امکان رہتا ہے۔"[۱]

اسلامی بینکاری کا تمویلات کا مقصد متعاقدین کا باہمی تعاون کرنا اور نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جس میں کسی بھی فریق سے زیادتی یا نقصان سے بچا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں مکان، دکانوں یا گاڑیوں کو کرایہ پر دینے یا فروخت کرنے میں سیکیورٹی یا بیعانہ لینے کا رواج ہے اور معاصرین اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں اعجاز احمد صمدانی کچھ عقلی دلائل دیتے ہیں:

- بیعانہ کی عصرِ حاضر میں شدید ضرورت ہے۔ اس سے متعاقدین کو پابند کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دینے والے کو پابند کیا جاتا کہ وہ اپنا قول نہ بدل لے، اور لینے والے کو بھی عقد پر قائم رکھا جا سکے، اگر وہ انکار کرے تو اس سے ناقابلِ تلافی نقصان پورا کر لیا جائے۔
- اس کا عرف اور رواج ہے۔[۲]

---

۱ - دور حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم، ص ۱۴۷

۲- اسلامی بینکاری اور غرر، صمدانی، اعجاز احمد، ادارہ اسلامیات، کراچی-لاہور، مئی ۲۰۰۶ء-ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ، ص ۴۴

بینک کو صارف کی جانب سے گارنٹی لینا اسکا جائز حق ہے۔ کیونکہ بینک وہ چیز صارف کی ڈیمانڈ پر منگواتا ہے جو اسکی مرضی کے عین مطابق ہوتی ہے، اب بینک اسے وہ چیز لینے کا پابند کر سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ کرے اور صارف بعد میں لینے سے انکار کر دے تو اس پر بینک کو ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے، جسکی وجوہات یہ ہیں کہ:

۱- صارف کی ڈیمانڈ کردہ چیز کو اسٹاک میں رکھا جائے کہ کسی دوسرے صارف کو طلب کرنے پر دے دی جائے تو اس میں طویل عرصہ لگ سکتا ہے اور بینک سرمائے کو زیادہ عرصے تک ریزور کھنے کے قابل نہیں ہیں۔ اب بینک نہ تو اسے واپس کروا سکتا ہے اور نہ ہی اسے اسٹاک میں رکھ سکتا ہے۔

۲- آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں روز بروز نت نئی چیزیں متعارف ہوتی ہیں تو اسی طرح ہر دن صارفین کی ڈیمانڈز بھی بدلتی رہتی ہیں۔ مختلف کمپنیوں اور برانڈز کی موجودگی میں ہر صارف اپنی اپنی پسند کا حامل ہے، ہر کوئی جدید (Up to date) اشیاء خریدنے کو ترجیح دیتا ہے، ایسی صورتحال میں عین ممکن ہے کہ مطلوبہ صارف نہ ملے اور چیز بینک کے گودام میں ہی پڑی پڑی ناکارہ ہو جائے۔

شرعی قاعدہ ہے کہ: ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) یعنی (نہ نقصان دو اور نہ نقصان اٹھاؤ)۔[۱] بینک جو سیکیورٹی لیتا ہے یہ امانت ہوتی ہے جیسا کہ محمد زبیر اشرف عثمانی[۲] لکھتے ہیں کہ:

"یہ ایڈوانس (Advance) کی رقم بینک کے پاس ابتداً امانت کے طور پر ہے، اور جب بینک اسے استعمال کرے گا تو یہ رقم مؤجر (بینک) کے ذمہ مستاجر (صارف) کا قرض ہو جائے گی۔"[۳]

شرعیہ اسٹینڈرز میں اس کے استعمال کا شرعی طریقہ کار بیان کیا گیا ہے کہ:

- مرابحہ کے بیعانہ کی طرح اگر حقیقی نقصان ہوا ہو تو صرف اس حد تک رقم رکھنے کی اجازت ہو گی، زائد رقم کلائنٹ کو واپس کی جائے گی۔

۱- المستدرک، النیسابوری، محمد بن عبداللہ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبعہ اولیٰ ۱۴۱۱ھ- ۱۹۹۰ء، کتاب البیوع، بابواما حدیث معمر بن راشد، حدیث: ۲،۲۳۴۵/۶۶

۲- زبیر اشرف عثمانی نے دارالعلوم کراچی سے دورہ حدیث اور تخصص فی الافتاء کی ڈگری حاصل کی۔ ان کے اہم تحقیقی فتاویٰ "البلاغ" میں شائع ہوئے اور انھوں نے مفتی تقی عثمانی کی تالیف "فتاویٰ عثمانی" کو بھی مرتب کرنے میں مدد کی۔ دارالعلوم کراچی میں اور جامعہ الصفہ میں تدریس کی اور رئیس دارالافتاء ہیں۔ الصفہ ٹرسٹ کا قیام ان کی اہم خدمت ہے۔ دیکھیے:
https://www.darsequran.com/index.php/dq-content/380, visited on: 4, July, 1:30pm.

۳- جدید معاشی مسائل میں اسلامی قانونِ اجارہ، عثمانی، محمد زبیر، اشرف، مولانا، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید جون ۲۰۰۵ء / ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ، ص ۴۶۸

- ادارے اور گاہک کے مابین اگر اس بات پر اتفاق ہو کہ اجارہ کے عقد کے بعد اس رقم کو پیشگی کرایہ تصور کیا جائے تو اس بات کی بھی اجازت ہو گی۔[1]

شرعی قاعدہ کی روشنی میں مندرجہ بالا طریقہ کار میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لہٰذا مؤیدین کی رائے راجح ہے۔

اجارہ جیسے طریق ہائے تمویل کا زیادہ ہونا

اسلامی بینکنگ میں شراکت و مضاربت بنیادی طریقے مانے جاتے ہیں۔ علماء کرام کے نزدیک ان شراکتی طریقوں پر کاروبار کرنا ہی حقیقی طور پر سود سے پاک نظام کو ترویج دینے کے قائم مقام ہے۔ اس لئے ان کے علاوہ بینکنگ میں استعمال ہونے والے طریقوں کی بعض علماء کے نزدیک کوئی خاص حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی جن میں سے ایک اجارہ بھی ہے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسلامی بینکوں میں ۹۰٪ سے زیادہ استعمال ان کا ہے۔[2]

اس کے بارے میں مذکور ہے کہ:

"Early research on Islamic banking models envisaged that funds would be used mainly on mudarabah and musharakah, practices which are based on profit-sharing. However, due to the many risks (the short-term nature of the loan and uncertainty) and operational problems involved (obtaining adequate return relative to competitor banks), the banks now lean toward modes of financing which have less risk and involve a predetermined return on capital, such as murabahah, bai'mu'ajjal and ijarah."[3]

ترجمہ: اسلامی بینکاری کے ماڈلز کے بارے میں ابتدائی تحقیق کا یہ تصور کیا گیا کہ فنڈ بنیادی طور پر مضاربہ اور مشارکہ، ان طریقوں پر استعمال کیے جائیں گے جو کہ نفع کی تقسیم پر مبنی ہیں۔ تاہم بہت سے خطرات (قرض کی مختصر مدت کی نوعیت اور غیر یقینی صورتحال) اور آپریشنل پریشانیوں کی وجہ سے (مدمقابل بینکوں کے مقابلے میں مناسب واپسی کا حصول)، بینک اب مالی اعانت کے طریقوں کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں جس میں خطرہ کم ہوتا ہے اور اس میں پہلے سے طے شدہ سرمایہ پر واپسی شامل ہوتی ہے، جیسا کہ مرابحہ، بیع مؤجل اور اجارہ۔

مندرجہ بالا صورتحال کے پیش نظر ناقدین نے بینکاری میں شراکت و مضاربت کے علاوہ طریقوں کو حیلہ سازی قرار دیا ہے۔ یعنی جیسے سود میں متعین نفع کمایا جاتا ہے ان میں بھی متعین نفع کا یقین ہوتا ہے لہٰذا اسلامی بینک ان کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر شرکت و مضاربت کریں تو اس میں نفع کے ساتھ نقصان کا بھی احتمال ہے۔ رسک سے بچنے کیلئے یہ حیلہ ہے۔ اس بناء پر کئی طرح سے اپنا اعتراض پیش کرتے ہیں۔

1- Shari'ah Standards, p.213, 239.

۲- اسلامی بینکاری و جمہوریت (فکری پس منظر اور تنقیدی جائزہ)، زاہد صدیق مغل، مکتبہ وراثت، لاہور، اشاعت اول جون ۲۰۱۲ء، ص ۷۷

3- Islamic Banking (Theory, Practice and Challenges), Fuad Al-Omar and Mohammed Abdel-Haq, Zeb Books, London, 1996, p.114.

دار الافتاء کے علماء کرام کہتے ہیں کہ:

”مروجہ اسلامی بینکوں میں اجارہ اور مرابحہ وغیرہ کے نام سے سرمایہ کاری کے جو طریقے سودی بینکوں کے طرز پر اختیار کیے گئے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ شرکت و مضاربت کی شرعی بنیادوں پر بینکنگ کی راہ میں رکاوٹ ہیں، بلکہ سودی نظام کے ساتھ مشابہت اور سودی حیلے کا کام دینے کی وجہ سے اسلامی سرمایہ کاری نظام کی ناسخ اور مسخ شدہ تصویر بھی پیش کر رہے ہیں، اس لئے ان مسخ شدہ صورتوں کو مروجہ اسلامی بینکاری سے جدا کئے بغیر اتفاق رائے مشکل ہے۔“[1]

اس پر مزید آراء پیش کرتے ہیں کہ:

”مرابحہ اور اجارہ کے مروجہ تمویلی طریق کار کے سو فیصد اسلامی اور خالص حلال طریقے ہونے کا کوئی بھی دعوے دار نہیں، کسی نہ کسی حد تک سود کے شبہ یا سود کے ساتھ مشابہت کے تقریبا سب ہی قائل ہیں، جسکا ادنی حکم اشتباہ کا ہے، اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ اجارہ اور مرابحہ کی بنیاد پر اسلامی بینکوں کی سرمایہ کاری سود کے شبہ، مشابہت اور اشتباہ کی وجہ سے ناجائز ہے۔“[2]

غرض ناقدین نے اجارہ کو شبہ سود (یعنی سود کی طرح متعین منافع لینے کا امکان) یا کم از کم سودی مشابہت (یعنی اگر اجارہ سے اتنا ہی منافع ہو جتنا کہ روایتی بینکوں میں لیزنگ سے ہوتا ہے تو سودی نظام سے مشابہت) کہتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے۔

اس کا جواب حلقہ مؤیدین کی طرف سے یوں دیا گیا ہے کہ:

”مرابحہ اور اجارہ کے حلال ہونے میں کوئی شبہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ تمام کتب فقہ میں اسکا جواز ہمیں پڑھایا جاتا ہے، ان کی حرمت اور سود کے مشابہت کی وجہ سے عدم جواز کا حکم ان مفتیان کرام سے پہلی مرتبہ پڑھ رہے ہیں، اب تک تو یہی سنتے چلے آئے کہ ربا بھی حرام، شبہۃ الربا بھی ناجائز، مگر مشابہت اور شبہۃ الشبہۃ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اب ساری کتب فقہ کی بات مانی جائے یا ان نئے مفتیان کرام کی؟“[3]

۱- مروجہ اسلامی بینکاری، ص ۳۴

۲ - ایضا، ص ۲۳۰

۳- اسلامی بینکاری اور علماء (اختلافی فتوے پر اہل علم و فکر کے تبصروں کا مجموعہ)، ص ۱۴۲

تاہم اگر اجارہ جیسے معاملے میں اگر منافع اتنا ہی یا اسی تناسب سے ہو رہا ہو جتنا کہ روایتی بینکوں میں لیزنگ سے ہوتا ہے تو اسے سود سے مشابہت قرار دینا اور اس پر ناجائز کا حکم لگانا کوئی معقول بات نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ شریعت کے بیان کردہ جائز طریقے ہیں جنکا حاصل کردہ نفع بھی جائز اور حلال ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شخص جائز طریقے سے اتنی ہی آمدن کما رہا ہو جتنا کہ کوئی اور ناجائز اور حرام ذرائع سے کماتا ہو تو ان پر ظاہری مشابہت پر ایک ناجائز کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ جائز طریقے سے حاصل کردہ آمدن پر ناجائز کا حکم صادر یہ نہیں آسکتا۔

مروجہ اجارہ حیلہ نہیں بلکہ بیع ہے جسکا جواز قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾[1]

ترجمہ: اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا۔

سود کی تعریف ہے کہ:

"هو فضل مالٍ بلا عوضٍ في معاوضة مالٍ بمالٍ"[2]

ترجمہ: مال کے بدلہ میں مال کے معاوضہ میں بلا عوض زائد مال لینا سود ہے۔

فقہاء نے حرام کے اصول بیان کئے ہیں کہ کس مال کے بدلے میں زائد مال حرام ہے، اگر لین دین میں یہ قباحتیں موجود ہوں گی تو سود ہوگا۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

- قرض (کسی بیع کی قیمت یا ادھار ہو) کی تاخیر پر زائد مال لینا۔ مثلاً اگر ایک ہزار ادھار دیا اور بعد میں ایک ہزار پانچ سو وصول کرے۔
- ہم جنس چیزوں کا تبادلہ فوری طور پر یا ادھار زیادتی کے ساتھ کرنا۔ جیسا کہ ایک کلو گندم کے بدلے میں دو کلو گندم لینا۔
- مختلف جنس مکیلی و موزونی چیزوں کا تبادلہ کرنا، جس میں سے ایک ادھار ہو۔ جیسے ایک کلو گندم فروخت کرنا اور اس کے بدلے میں ڈیڑھ کلو مکئی ایک ماہ بعد وصول کرنا۔[3] امام شافعی اور ایک روایت میں

---

۱ -سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۷۵

۲- کنز الدقائق، النسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمود، دار البشائر الاسلامیۃ، دار السراج، طبعہ اولیٰ ۱۴۳۲ھ-۲۰۱۱ء، ص۴۳۱

۳- الفقہ الاسلامی وادلتہ (ترجمہ)، ۳/۲۵۹

امام احمد مکیلی وموزونی چیزوں کے علاوہ غلہ جات کو بھی شامل کرتے ہیں۔[1]

مروجہ اجارہ میں ایک طرف اثاثہ ہوتا ہے جس کے عوض قیمت بطور کرایہ وصول کی جاتی ہے۔اجارہ اسلامی بینک کی مخلصانہ کاوشوں میں سے ہے جو کہ سودی طریقہ کار سے ہمیں بچاتا ہے۔

ناقدین کے اجارہ جیسے طریق ہائے تمویل کے زیادہ استعمال پر کئے جانے والے اعتراضات پر اوصاف احمد لکھتے ہیں کہ:

"اس قسم کے تمام نقطہ ہائے نظر میں خامی یہ ہے کہ یہ موجودہ حقیقت(Existing Reality)کا موازنہ عینی حقیقت(Ideal Reality)سے کر رہے ہیں، جسے موجودہ حقائق پر ہونا چاہیئے۔"[2]

بینکنگ میں شرکت و مضاربت کے تناسب کے بڑھانے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ان طریقوں کے شرح تناسب میں پہلے کی نسبت بہتری دکھائی دیتی ہے۔زاہد صدیق مغل کا بھی یہی اعتراض ہے کہ شرکت و مضاربت کا تناسب باقی تمویلات کی نسبت کم ہے۔

زاہد صدیق مغل کے بیان کردہ اعدادوشمار میں شرکت، مضاربت اور اجارہ کا تناسب درج ذیل ہے۔

سال	شرکت	مضاربت	اجارہ
۲۰۰۷	1.6٪	0.3٪	24٪
۲۰۰۸	1.7٪	0.2٪	20.5٪
۲۰۰۹	2.5٪	0.6٪	18.2٪

مندرجہ بالا جدول کے مطابق ہر سال شرکت و مضاربت میں کچھ اضافہ اور اجارہ میں کافی حد تک کمی دکھائی دیتی ہے۔

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ (ترجمہ)، ۳/ ۲۶۲

۲- اسلامی بنکاری (نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات)، ص ۷۴-۷۵

Table 3: Financing Mix (% Share)			
	Sep-16	**Jun-17**	**Sep-17**
Murabaha	16.9	17.0	14.1
Ijarah	7.8	6.8	8.3
Musharaka	12.0	17.9	21.0
Diminishing Musharaka	38.5	29.6	29.1
Salam	3.3	5.2	3.8
Istisna	7.0	7.2	6.2
Others	14.5	16.3	17.5
Total	**100.0**	**100.0**	**100.0**

اسلامی بینکوں میں تمویلات کی اسٹیٹ بینک کی ۲۰۱۶ءاور ۲۰۱۷ءکی سالانہ رپورٹ [۱]

Table 2: Financing Mix (% Share)			
Mode	**Sep-17**	**Jun-18**	**Sep-18**
Murabaha	14.1	13.4	12.8
Ijarah	8.3	6.6	6.6
Musharaka	21.0	20.0	21.5
Diminishing Musharaka	29.1	33.7	33.4
Salam	3.8	2.8	2.3
Istisna	6.2	6.4	7.6
Others	17.5	17.1	15.8
Total	**100.0**	**100.0**	**100.0**

اسلامی بینکوں میں تمویلات کی اسٹیٹ بینک کی ۲۰۱۸ءکی سالانہ رپورٹ [۲]

1-"Islamic Banking Bulletin", State Bank of Pakistan, retrived from http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2017/Sep.pdf , visited on: 24, December, 2019 at 2:00am.

2- Ibid, retrived from http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2018/Sep.pdf , visited on: 24, December, 2019 at 2:00am.

Table 2: Financing Mix (% Share)			
Mode	**Sep-18**	**Jun-19**	**Sep-19**
Murabaha	12.8	13.5	13.0
Ijarah	6.6	6.1	6.1
Musharaka	21.5	20.0	20.0
Diminishing Musharaka	33.4	33.6	35.0
Salam	2.3	2.6	2.3
Istisna	7.6	8.9	8.7
Others	15.8	15.3	14.9
Total	**100.0**	**100.0**	**100.0**

اسلامی بینکوں میں تمویلات کی اسٹیٹ بینک کی ۲۰۱۹ء کی سالانہ رپورٹ[1]

1- "Islamic Banking Bulletin", State Bank of Pakistan, retrived from http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2019/Sep.pdf , visited on: 24, December, 2019 at 2:00am.

تاہم گزشتہ سالوں میں شرکت اور اجارہ کا تناسب کچھ ہوں ہے۔[1]

سال	شرکت	اجارہ
ستمبر ۲۰۱۶	12٪	7.8٪
ستمبر ۲۰۱۷	21٪	8.3٪
ستمبر ۲۰۱۸	21.5٪	6.6٪
ستمبر ۲۰۱۹	20٪	6.1٪

مندرجہ بالا جدول بھی شرکت کے تناسب میں اضافہ اور اجارہ کے تناسب میں کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بینکنگ میں حالات بہتری کی طرف جا رہے ہیں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ان کا تناسب اجارہ جیسی تمویلات سے زیادہ کیوں نہیں کیا جا رہا تو اس پر ناقدین کا اعتراض درست نہیں کیونکہ مزید تناسب بڑھانے کیلئے بینک کے ساتھ حکومت، عوام، کاروباری کمپنیوں اور سرمایہ داروں کی مشترکہ کاوشوں کی ضرورت ہے کہ وہ شراکتی کاروبار کو بڑھانے کیلئے تعاون اور پیش رفت کریں۔ اگر اسکا ذمہ یکطرفہ اسلامک بینک پر ہی ڈالا جائے گا تو امکان ہے کہ آئندہ مزید کئی سالوں تک صورت حال رہے اور اس پر ناقدین کا اعتراض بھی اسی طرح باقی رہے۔

شرح سود بطور معیار رکھنا

اسلامی بینک اجارہ پر فراہم کردہ پروڈکٹ کا کرایہ مارکیٹ میں استعمال ہونے والے اسٹینڈرڈ پر کرتے ہیں۔ اس سے مراد اس بات کا اندازہ لگانا ہوتا ہے کہ اس چیز پر عام طور پر کس حساب سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے تاکہ بینک اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے کرایہ طے کر سکے۔ ناقدین کا اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ اجرت سودی معیار کے مطابق طے ہوتی ہے جو کہ جائز نہیں۔

عبد الواحد اس بارے میں بطور اعتراض لکھتے ہیں کہ:

"کسی شے کی قیمت یا کرایہ طے کرنے کیلئے مروجہ اسلامی بینک ایک متبدل (Floating) ریٹ ذکر کرتے ہیں جس میں بنیادی اہمیت Kibor یعنی Karachi Inter Bank Offered Rate کو حاصل ہوتی ہے جو کہ بینکوں کے آپس کے لین دین کی شرح سود ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

1- "Islamic Banking Bulletin", State Bank of Pakistan, retrived from
http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2017/Sep.pdf
http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2018/Sep.pdf
http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2019/Sep.pdf , visited on: 24, December, 2019 at 2:00am.

اس شرح سود کی بنیاد پر قیمت یا کرایے کا تعین ہو گا۔ قیمت یا کرایہ کے طے کرنے میں شرح سود کو معیار بنانے اور اس کو ذکر کرنے میں اسلام کے غیر سودی نظام سے مناسبت نہیں ہے۔"[1]

علماء کرام کے نزدیک اسلامی بینکوں کا طریقہ کار اسلامی شرائط کے مطابق ہو تو محض نتائج کے ایک جیسا ہونے پر اسے سودی نظام کے مشابہہ قرار دینے سے معاملہ ناجائز نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ محض مشابہت سے حرمت ثابت نہ ہو گی۔ یہاں پر اسلامی بینک اجارہ پر چیز دینے کیلئے کائبور کو محض کرایہ متعین کرنے کیلئے سکیل کے طور پر لیتے ہیں تا کہ کرایہ مارکیٹ کے مطابق ہو۔ شرعی اعتبار سے جب متعاقدین کرایہ پر باہم راضی ہوں تو معاہدہ درست ہو گا۔ کبور کو بھی معیار اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ مؤجر کاروباری لین دین کے مطابق نفع کی شرح طے کر سکے، جس پر مستاجر کو بھی اعتراض نہ ہو۔ بصورت دیگر اگر کرایہ مارکیٹ میں رائج ریٹ سے بہت زیادہ یا کم رکھا جائے تو فریقین اس پر آمادہ نہ ہوں گے۔

اب چونکہ بازاری حالات بدلتے رہتے ہیں اور طویل مدت کے اجارہ میں ایک ہی رقم طے کرنا مؤجر کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتا۔ لہذا اس کیلئے مؤجر دو طریقے اپنا سکتا ہے جسکے مؤیدین قائل ہیں۔ جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱- عقد اس طرح طے کرے کہ ایک خاص عرصے مثلاً سال بعد ایک خاص تناسب مثلاً پانچ فیصد کے حساب سے کرایہ بڑھایا جائے گا۔

۲- عقد مختصر عرصے کیلئے کرے، جسکے بعد فریقین اسکی تجدید کریں۔[2]

یہ بیان کردہ صورتیں فقہی اعتبار سے بھی درست ہیں۔ مستاجر کو بھی مجہول عقد کیلئے پابند نہیں کیا جارہا جیسا کہ پہلی صورت میں مستاجر عقد کرتے وقت کرایہ کی بدلتی نوعیت سے واقف رہے گا کہ آئندہ کرایہ کس حد تک بڑھ سکتا ہے، دوسری صورت میں اس کو اختیار ہو گا کہ نئے طے شدہ ریٹ پر معاہدہ دوبارہ کرلے یا چھوڑ دے۔

اسلامی بینکوں کو ظاہرا سودی نظام کی مشابہت سے بچنے کیلئے اعجاز احمد صمدانی کی رائے احسن ہے۔ ان کی تجویز کچھ یوں ہے:

اسلامی بینکوں کو اپنی اسلامی انٹر بینک مارکیٹ وجود میں لانی ہو گی، اس کیلئے بینک اپنے اجارہ کی اشیاء اور دیگر اثاثوں کے حصص کر کے قابل تبادلہ دستاویزات تیار کرے، پھر ان حصص کو انکی

۱- جدید معاشی مسائل، ص ۱۳۴

2- Meezan Bank's Guide to Islamic Finance,p.153.

صافی مالیت کی بنیاد پر فروخت کرے۔ اسطرح ان اثاثہ جات کی صافی مالیت کو بطور معیار استعمال کیا جاسکے گا۔[1]

پاکستان میں اسلامی مارکیٹ کی ترقی بہت آہستہ آہستہ ہو رہی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسلامی بینک کو کرایہ مارکیٹ کے مطابق طے کرنا ضروری ہوتا ہے تو فی الحال کبور کو معیار بنانے میں اسلامی بینکوں کے طریقہ کار کو دیکھا جائے گا، اگر اس میں شرعی قباحت نہ ہو تو جائز ہے البتہ اس میں تحدید کرنا ضروری ہے۔ بینک اس میں زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم حد مقرر کر دے کہ اگرچہ سودی شرح میں تبدیلی ہو مقررہ کرایہ میں ۱۵ فیصد سے زیادہ اضافہ نہ ہو گا اور ۵ فیصد سے زیادہ کمی نہ ہو گی تاکہ اس میں صریح ابہام نہ ہو اور مستاجر کو بدلنے والی نوعیت کا اندازہ رہے۔ تاہم صرف مشابہت کی وجہ سے ان کے عقد کو غلط نہیں کہا جا سکتا۔ حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر میں ہونے والے عمدہ کھجوروں کے ایک صاع کو ادنیٰ کھجوروں کے دو صاع کے تبادلے سے منع فرمایا کہ سود ہے اور حکم دیا کہ پہلے ادنیٰ فروخت کرو اور پھر اس رقم سے عمدہ خریدو۔[2] مفتی تقی عثمانی اس سے اخذ کرتے ہیں کہ گویا ایک صاع بمقابلہ دو صاع شرح سود تھی۔ اس وقت دو صاع ادنیٰ کھجوروں کی فروخت پر ملنے والے درہموں سے ہی ایک صاع عمدہ جنیب آتی تھی تو آپ ﷺ نے تاکید کے طور پر یہ نہیں فرمایا کہ معمولی کھجوروں کو بازاری قیمت پر دراہم کے بدلے بیچو۔[3] مفتی صاحب کی مراد ہے کہ اگر مشابہت پر معاملہ غلط ہوتا تو اس حدیث میں اضافی قید ضرور لگائی جاتی۔ مؤیدین کی رائے درست ہے مگر اسلامی بینکوں کو اس سلسلے میں پیش رفت کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی ماہرین کی کمیٹی تشکیل دیں تاکہ وہ مارکیٹ ریٹ پر کرایہ وغیرہ کے معاملات طے کریں۔

کلائنٹ کو خرچہ و نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا

مروجہ اجارہ میں اجارہ کے دوران صارف کو مہیا کی جانے والی چیز کا اصل حقدار اور مالک بینک ہی ہوتا ہے لہٰذا اس کی ذمہ داری اور نقصان بینک کے ذمے رہتا ہے۔ البتہ اس میں کچھ اخراجات صارف کو بھی اٹھانے پڑتے ہیں۔ جیسا کہ ملکیت سے متعلقہ اخراجات اور بڑے نقصانات جیسا کہ ایکسیڈنٹ یا حادثہ وغیرہ کی ذمہ داری موجر (بینک) پر ہوتی ہے جبکہ معمول میں استعمال پر ہونے والے نقصانات اور خرابیوں جیسا کہ گاڑی کی سروس، ٹیوننگ اور مرمت وغیرہ کے اخراجات مستاجر (صارف) کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس بارے میں مفتی تقی عثمانی کی رائے ہے کہ:

۱- اسلامی بینکاری، ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، صمدانی، اعجاز احمد، ادارہ اسلامیات، کراچی-لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء-شعبان ۱۴۲۷ھ، ص ۵۵

۲- سنن الدارمی، کتاب البیوع، باب فی النھی عن بیع الطعام الا مثلا بمثل، حدیث ۲۶۱۹، ۳/۱۶۷۸

۳- غیر سودی بینکاری، عثمانی، محمد تقی، مفتی، ص ۲۶۹

"مستاجر ہر ایسے نقصان کا ذمہ دار ہے جو اثاثے کو اس کے غلط استعمال یا غفلت کی وجہ سے لاحق ہو، اسے معمول کے استعمال کی وجہ سے ہونے والی خرابیوں کا بھی ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے، لیکن اسے اس نقصان کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جاسکتا جو اس کے اختیار سے باہر ہو، روایتی تمویلی اجارہ (Financial Lease) میں عموماً ان دو قسموں کے نقصانات میں فرق نہیں کیا جاتا۔"[1]

دارالافتاء کے علماء کرام اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے ہاں اس قسم کی شرائط عقدِ اجارہ کو فاسد یعنی خراب کر دیتی ہے کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ:

"اجارہ میں موجر اور مستاجر کو درمیان ذمہ داریوں کا تعین اور تقسیم کرتے ہوئے فقہی احکام کی پوری طرح وضاحت اور رعایت نہیں کی گئی، یہاں پر اجارہ شرعیہ کا ایک اہم بنیادی اصول نظر انداز دکھائی دیتا ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اجارہ میں اجرت پر دی گئی چیز کو قابلِ عمل اور صالح للانتفاع حالت میں رکھنا اور اسی حالت پر مستاجر کو استعمال اور انتفاع کیلئے دینا یہ مؤجر یعنی مالک کی ذمہ داری ہے، کیونکہ اجارہ پر لی گئی چیز کا صالح للانتفاع (فائدہ اٹھانے کے قابل) ہونا مالکانہ ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مالک جو معاوضہ لے رہا ہے وہ معاوضہ اس چیز کے استعمال اور انتفاع ہی پر لے رہا ہے۔"[2]

ناقدین کے اس اعتراض پر مؤیدین جواب دیتے ہیں کہ:

کیا پٹرول بھی اس میں داخل کریں گے؟ کیونکہ پٹرول کے بغیر گاڑی صالح للانتفاع نہیں ہے۔[3]

پٹرول مستاجر کی ذمہ داری ہے تو اس پر روزمرہ کی چھوٹی موٹی خرابی کی مرمت کا خرچہ بھی ڈالا جاسکتا ہے جو اس کے استعمال سے پیدا ہو۔ البتہ شئ کی ملکیت اور معاوضہ کی وصولی کی وجہ سے مالک نقصانات اور تمام چھوٹے بڑے اخراجات خود برداشت کرے۔ فقہاء کے ہاں اگر اجیر سے کوتاہی ہو تو اس پر ضمان ہوتا ہے۔ الفِقْهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ میں امام شافعی اور امام زفر کا قول ہے کہ:

۱-اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص۱۷۸ اسکے علاوہ دیکھئے: جدید معاشی مسائل میں اسلامی قانون اجارہ، ص۲۹۶

۲-مروجہ اسلامی بینکاری، ص۲۵۳

۳-اسلامی بینکاری اور علماء (اختلافی فتوے پر اہل علم وفکر کے تبصروں کا مجموعہ)، ص۱۴۶

اگر اجیر کوتاہی، تعدی (حد سے تجاوز) یا شرائط کی مخالفت نہ کرے تو پھر ضامن نہیں، اگر ایسا نہ کیا تو ضامن ہو گا۔[1]

اسی طرح بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد میں ہے کہ:

ضمانت دو طرح کی ہوتی ہے، ایک متعدی اور اضافی صورت ہے اور دوسری مصلحت اور حفاظتِ مال کی صورت ہے۔ تعدی واضافہ سے جو ضمانت ہوتی ہے وہ متفقہ طور پر مستاجر پر واجب ہے، اگر اضافی استعمال سے چیز فوت ہو جائے تو مستاجر ضامن ہو گا۔ اور مصلحت اور حفظِ مال کی جہت سے مستاجر کو ضامن بنایا گیا تو اس تعدی اور اضافہ کرنے سے چیز برباد ہو جائے اور ثبوت بھی ہو کہ بغیر کسی سبب کے بربادی ہوئی ہے تو اس پر ضمان ہو گا۔[2]

مؤیدین کی رائے قابلِ ترجیح ہے کیونکہ یہاں ذمہ داریوں کے تعین میں فقہی اصولوں کی رعایت رکھی گئی ہے، جیسا کہ:

- مستاجر صرف غلط استعمال اور غفلت کے باعث پیدا ہونے والے نقصان اور معمول میں استعمال کی وجہ سے ہونے والی خرابیوں کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔
- مستاجر کو اس نقصان کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا جو اسکے اختیار سے باہر ہوں۔
- اجارہ قصیرۃ المدۃ میں کسی ایسے عمل کی شرط مستاجر پر عائد نہیں کی جاسکتی کہ عقد ختم کے بعد اس سے خود استفادہ لیتا رہے۔ لیکن عقد کے طویل المدۃ کی صورت میں مرمت وغیرہ کی شرط لگانے میں حرج نہ ہو گا۔[3] یعنی جو شئی ماجورہ کو درست حالت میں رکھنے کیلئے ضروری ہو اور اس سے مستاجر بھی بخوبی مستفید ہوتا رہے۔

اسلامی بینکاری میں مرمت یا استعمال سے ہونے والی خرابیوں کا خرچہ مستاجر پر ڈالا جاتا ہے جس سے چیز کی حفاظت اور احتیاط مقصود ہوتی ہے، تاہم روایتی بینکاری کے اجارہ سے اسکا موازنہ کیا جائے تو وہاں صارفین کی رعایت کئے بغیر تمام تراخراجات اور نقصانات اسی کے کھاتے میں بلا جواز ڈالے جاتے ہیں جو کہ جائز نہیں ہے۔

۱- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۵/۳۸۴۵

۲- بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد (ترجمہ)، ص۹۰۵

۳- تفصیل دیکھیے: اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص۳۶۲تا۳۶۶

اقساط میں کرایہ مجہول ہونا

عقد اجارہ میں وقت کے ساتھ ساتھ کرایہ میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اسکی بنیادی وجہ کرایہ کو کسی معیار (Benchmark) سے منسلک کرنا ہے اور اس بارے میں بیان ہو چکا ہے کہ اس کیلئے کائبور (Kibor) کو معیار رکھا جاتا ہے۔ اس معیار کا مقصد مارکیٹ میں رائج ریٹ کے مطابق کرایہ کا تعین کرنا ہوتا ہے۔ اب چونکہ کبور کے مطابق بینکوں کا آپس میں بھی قرض کا لین دین رہتا ہے جو کہ سودی اتار چڑھاؤ کے مطابق کم زیادہ ہوتا ہے۔ روایتی بینک اپنے معاملات اسی کے مطابق طے کرتے ہیں۔ اسلامی بینک کا اس کے مطابق معیار طے کرنے پر ناقدین کو اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں کرایہ مجہول ہو جاتا ہے لہذا اس سے عقد فاسد ہو جائے گا۔

مفتی احمد ممتاز کرایہ میں کمی و بیشی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> "قانون اور قاعدہ یہ ہے کہ بیع میں مشتری اور اجارہ میں مستاجر اپنی رضائے تام سے بدوں کسی شرط اور دباؤ کے ثمن اور اجرت میں اضافہ کر سکتا ہے، البتہ کمی نہیں کر سکتا۔ اور بائع اور مؤجر ثمن اور کرایہ میں کمی کر سکتے ہیں، البتہ زیادتی اور اضافہ نہیں کر سکتے۔"[1]

ان کا خیال ہے کہ اجارہ میں قطعی طور پر اضافہ لگایا جائے اور مستاجر کیلئے کوئی ابہام نہ رہے کہ اضافہ کتنے عرصے بعد اور کتنا ہو گا؟ فرضی ذکر کرنا کافی نہیں ہو گا۔ مثال کے طور پر زید نے مکان ایک سال کیلئے کرایہ پر بکر کو اس طرح دیا کہ شروع کے تین ماہ کا کرایہ چار ہزار ہو گا، پھر تین ماہ کا کرایہ چار ہزار ہو گا، پھر تین ماہ کا کرایہ پانچ ہزار ہو گا اور پھر آخر کے تین ماہ کا کرایہ چھ ہزار ہو گا تو یہ صورت جائز ہے۔[2]

ناقدین کے نزدیک وقتاً فوقتاً کبور کے معیار میں تبدیلی سے کرایہ میں تبدیلی واقع ہوتی رہے گی، لہذا اس میں ابہام باعث نزاع ہے۔ جبکہ مؤیدین کے خیال میں اس میں نزاع کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی، زبیر اشرف عثمانی اس کی وجوہات بیان کرتے ہیں کہ:

- بینچ مارک مقرر کرنے پر فریقین آپس میں راضی ہو جائیں تو یہ باعث نزاع نہیں ہو سکتی۔
- عقد میں نزاع غیر متوقع نقصان پیش ہونے سے ہو سکتا ہے۔ بینچ مارک میں مؤجر اور مستاجر کو غیر متوقع نقصان سے بچانے کیلئے تجویز پر عمل کیا جائے کہ کرایہ اور معیار میں ربط اور تعلق کو کسی خاص حد تک محدود کر دیا جائے کہ کرایہ میں تبدیلی بینچ مارک کی تبدیلی کے ساتھ ہو گی مگر اس میں کمی بیشی محدود

۱- "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، ص۱۷۸

۲- ایضاً، ص۱۸۳

حد کے مطابق ہو گی مثلاً پندرہ فیصد سے زائد اور پانچ فیصد سے کم نہ ہو گی، جس سے مراد یہ ہو گی کہ کرایہ میں اضافہ پندرہ فیصد سے نہ بڑھے گا چاہے معیار میں اضافہ اس سے زیادہ ہو جائے، اسی طرح کرایہ میں کمی پانچ فیصد سے کم نہ ہو گی اگرچہ بینچ مارک کے معیار میں کمی اس سے زیادہ ہو جائے، اس طرح اس میں بھی تنازعہ کی صورت نہ ہو گی۔[1]

ناقدین کے اس طرح کے اعتراضات کے مقابل میں ہمیں مؤیدین کی یہ آراء کتابوں میں ملتی ہیں کہ اگر تحدید کر دی جائے تو کرائے کا کسی حد تک تعین کیا جا سکتا ہے مگر فی الوقت میزان بینک کا عملی طریقہ کار دیکھا جائے تو اس میں کرایہ مختلف مدتوں کے حساب سے پہلے ہی متعین کر دیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر اگر میزان بینک سے Wagnor گاڑی، جس کی قیمت ۵۴۰،۰۰۰،ا روپے ہے ۵ سالوں کے لیے اجارہ پر لی جائے اس میں صارف 15٪ کے حساب سے Down Payment کرنا چاہے تو اسے ۲۳۱،۰۰۰ روپے دینا ہوں گے جس میں بینک ۳۰۹،۰۰۰،ا روپے ادا کرے گا اور صارف سے ہر ماہ ۳۸،۸۰۰ کرایہ وصول کرتا رہے گا تو یہ کل مالیت ۳۲۸،۰۰۰،۲ روپے ہو جائے گی اسطرح بینک کا منافع ۸۸،۰۰۰،۷ روپے واضح ہے۔

اسی طرح Mehran گاڑی، جسکی قیمت ۱۰ لاکھ ہے اگر صارف تین سال کے لیے اجارہ پر لینا چاہے تو وہ 20٪ کے حساب سے Down Payment دو لاکھ ادا کرتا ہے اس میں بینک ۸۰،۰۰۰ ادا کرے گا اور صارف سے ماہانہ ۶۱۵،۳۲ روپے وصول کرتا رہے گا۔ ایسے صارف کو گاڑی کی قیمت ۱۴۰،۱۷۴،ا روپے دینی پڑے گی جس میں بینک کو ۱۴۰،۱۷۴ منافع حاصل ہو گا۔

میزان بینک سے گاڑیاں ا سال سے ۷ سال تک کی مدت کے لیے اجارہ پر لی جا سکتی ہیں۔ اس لائحہ عمل کے لیے صارف 15٪ سے 50٪ تک ڈاؤن پیمنٹ (Down Payment) اپنی مرضی سے منتخب کر سکتا ہے اس کی تفصیلات اگلے صفحے پر چارٹ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس طریقہ کار کے مطابق ناقدین کا اعتراض باقی نہیں رہتا کیونکہ اس میں اجارہ کے تمام عرصے کا کرایہ متعین ہے اور اس میں آئندہ کیلئے ابہام نہیں ہے۔ لہذا تمام اسلامی بینکوں کو اسے اپنانے کی ضرورت ہے۔

التزام صدقہ کی شرائط لگانا

عقد اجارہ میں اقساط کی ادائیگیوں میں تاخیر کو روکنے اور مستاجر کو بروقت ادائیگی کا پابند کرنے کیلئے التزام صدقہ کی شرط لگاتا ہے، یہ بطور جرمانہ لی جاتی ہے مگر بینک کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں ہوتا۔ التزام بالتصدق کے

ا- جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ، ص ۳۰۲-۳۰۳

Meezan Bank Car Ijarah Rental Caculation

		Control Price	SD/AD %	SD/AD Amount	Financing Amount	RV %	RV Amount	1 Year	2 Year	3 Year	4 Year	5 Year	6 Year	7 Year
Input Field	WAGNOR	1,540,000	15.00%	231,000	1,309,000	0%	-	125,451	70,847	52,250	43,672	38,800	37,388	35,548
	WAGNOR	1,540,000	20.0%	308,000	1,232,000	0%	-	118,328	66,928	49,418	41,339	36,749	35,419	33,684
	WAGNOR	1,540,000	25.0%	385,000	1,155,000	0%	-	111,204	63,009	46,585	39,006	34,699	33,450	31,820
	WAGNOR	1,540,000	30.0%	462,000	1,078,000	0%	-	104,081	59,090	43,753	36,673	32,648	31,480	29,957
	WAGNOR	1,540,000	35.0%	539,000	1,001,000	0%	-	96,957	55,171	40,921	34,340	30,597	29,511	28,093
	WAGNOR	1,540,000	40.0%	616,000	924,000	0%	-	89,833	51,252	38,089	32,007	28,546	27,542	26,229
	WAGNOR	1,540,000	45.0%	693,000	847,000	0%	-	82,710	47,333	35,256	29,674	26,496	25,573	24,366
	WAGNOR	1,540,000	50.0%	770,000	770,000	0%	-	75,586	43,414	32,424	27,341	24,445	23,604	22,502

Calculation Parameters

Booking Period	Ready Delivery
RV %	0%
Takaful Package	With Tracker
Inventory Vehicle	No
Rate Break	0.0%

Max Residual Value (RV)Grid

Tenure	RV %
1 Year	60.0%
2 Year	60.0%
3 Year	50.0%
4 Year	50.0%
5 Year	40.0%
6 Year	35.0%
7 Year	30.0%

Max % allow as per tenure

Other Features

1. Rental Payment starts after Vehicle Delivery.
2. Quick Processing Time.
3. Tracker will be installed in all vehicles.
4. Minimum security deposit as low as 15%.(Except Used/Imported Vehicle)
5. Meezan Bank will bear W.H.T (With Holding Tax) on purchase of vehicle.
6. Processing fee Rs 2500/= +FED and Documentation Charges at Actual.

Required Documents

1. Application form duly fillec and signed by the applicant.
2. Copy of recent pay slip/certificate showing – For Salaried individuals.
3. Business Proof - such as bank certificate , NTN, Association letter or etc. is required - For businessman.
4. Copy of last six months bank statements.
5. One recent photograph.
6. Specimen Signature card preferably on bank's prescribed format.

Car اجارہ

Meezan Bank Car Ijarah Rental Caculation

Input Field

	Control Price	SD/AD %	SD/AD Amount	Financing Amount	RV %	RV Amount	1 Year	2 Year	3 Year	4 Year	5 Year	6 Year	7 Year
MEHRAN	1,000,000	15.00%	150,000	850,000	0%	-	81,988	46,531	34,455	28,184	25,721	24,804	23,609
MEHRAN	1,000,000	20.0%	200,000	800,000	0%	-	77,362	43,986	32,615	27,369	24,389	23,525	22,399
MEHRAN	1,000,000	25.0%	250,000	750,000	0%	-	72,736	41,441	30,776	25,854	23,058	22,247	21,189
MEHRAN	1,000,000	30.0%	300,000	700,000	0%	-	68,111	38,896	28,937	24,340	21,726	20,968	19,978
MEHRAN	1,000,000	35.0%	350,000	650,000	0%	-	63,485	36,351	27,098	22,825	20,394	19,689	18,768
MEHRAN	1,000,000	40.0%	400,000	600,000	0%	-	58,859	33,807	25,259	21,310	19,063	18,411	17,558
MEHRAN	1,000,000	45.0%	450,000	550,000	0%	-	54,233	31,262	23,420	19,795	17,731	17,132	16,348
MEHRAN	1,000,000	50.0%	500,000	500,000	0%	-	49,608	28,717	21,581	18,280	16,399	15,853	15,138

Calculation Parameters

Booking Period	Ready Delivery
RV %	0%
Takaful Package	With Tracker
Inventory Vehicle	No
Rate Break	0.0%

Max Residual Value (RV)Grid

Tenure	RV %
1 Year	60.0%
2 Year	60.0%
3 Year	50.0%
4 Year	50.0%
5 Year	40.0%
6 Year	35.0%
7 Year	30.0%

Max % allow as per tenure

Other Features

1. Rental Payment starts after Vehicle Delivery.
2. Quick Processing Time.
3. Tracker will be installed in all vehicles.
4. Minimum security deposit as low as 15%.(Except Used/Imported Vehicle)
5. Meezan Bank will bear W.H.T (With Holding Tax) on purchase of vehicle.
6. Processing fee Rs 2500/= +FED and Documentation Charges at Actual.

Required Documents

1. Application form duly filled and signed by the applicant.
2. Copy of recent pay slip/certificate showing – For Salaried individuals.
3. Business Proof - such as bank certificate , NTN, Association letter or etc. is required - For businessman.
4. Copy of last six months bank statements.
5. One recent photograph.
6. Specimen Signature card preferably on bank's prescribed format.

جواز کیلئے مفعی تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ یہ عہد مدیون کی طرف سے لیا جائے اور لیز کے معاہدے میں درج ذیل شق شامل کی جائے کہ:

”مستاجر بذریعہ ہذا یہ عہد کرتا ہے کہ اگر وہ مقررہ تاریخ تک کرایہ ادا کرنے سے قاصر رہا ہو تو ۔۔۔ فیصد سالانہ کے حساب سے رقم ایسے خیراتی فنڈ میں جمع کرائے گا جو مؤجر کے زیرِ انتظام ہو گا اور جسے صرف مؤجر ہی شریعت کے مطابق خیراتی کاموں کیلئے استعمال کرے گا اور یہ فنڈ کسی بھی صورت میں مؤجر کی آمدن کا حصہ نہیں ہو گا۔“[۱]

اس پر ناقدین کا اعتراض ہے۔ مفتی احمد ممتاز اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”مرابحہ اور اجارہ کے وقت دائن کے حق کو بروقت ادا کرنے کیلئے شرعی تدبیر دو چیزیں ہیں، کتابت و شہادت اور رہن، اس کے علاوہ تیسری چیز کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ لہٰذا دائن کے حق کے تحفظ کی خاطر ”لزومِ التزام تصدقِ مال“ شرعیت کے خلاف ہے۔“[۲]

ان کا استدلال قرآن کی آیت ہے کہ:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ... وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ---﴾[۳]

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو گروی (چیز) کو قبضہ میں دے دیا جائے، اور اگر ایک کو تم میں سے دوسرے پر اعتبار ہو تو چاہیئے کہ وہ شخص امانت ادا کر دے جس پر اعتبار کیا گیا اور وہ اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو شخص اسے چھپائے گا تو بیشک اس کا دل گنہگار ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ خوب جانتا ہے۔

بینک اجارہ میں کتاب اللہ کے مطابق دستاویزی کاروائی کرتا ہے۔ اور بطور ضمانت کچھ رقم بھی وصول کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ بینک کا اس کے علاوہ مطالبہ نہ کرے جیسا کہ سودی بینک کرتے ہیں کہ تاخیر کی صورت میں بطور جرمانہ اضافی رقم وصول کرتے ہیں جو کہ سود کے ضمن میں ہے، تو عین ممکن ہے کہ صارف اس ممانعت سے غلط فائدہ اٹھائے۔ کیونکہ دستاویزی کاروائی میں صارف سے جو خط و کتابت ہوتی ہے اسکی خلاف ورزی پر بینک عدالتی کاروائی سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ عدالتی فیصلوں میں بہت تاخیر ہو جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ بطور ضمانت لی جانے والی رقم وقتی نقصان کو پورا کرنے کیلئے لی جاتی ہے، اور اس رقم کا تناسب بہت محدود ہوتا ہے کہ جو کہ ادائیگیوں کو پورا

۱- اسلامی بینکاری کی بنیادیں، ص۱۸۳

۲- ”غیر سودی بینکاری“ ایک منصفانہ علمی جائزہ، ص۱۸۸

۳- سورۃ البقرۃ:۲/۲۸۳

کرنے کیلئے ناکافی رہتی ہے۔ لہذا عصر حاضر کے اعتبار سے صارفین کو ادائیگیوں کا پابند بنانے کیلئے یہ صورت تجویز کی گئی کہ صارف اپنے اوپر صدقہ کا التزام کرے۔ اس کے جواز کی دلیل مالکیہ کا قول ہے کہ:

"من ألزم معروفاً لزمه"[1]

ترجمہ: یعنی جو شخص (اپنے اوپر) کوئی نیک کام کرنا لازم کر لیتا ہے تو وہ اس پر لازم ہو جاتا ہے۔

احناف کی رائے بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے ایسی چیز ہدیہ دینے کا التزام کیا جو اس کی ملکیت ہے تو اس کا التزام درست ہو گا اور اسے دینا ہو گا۔[2]

کچھ فقہاء التزام بالتصدق کے قائل نہیں ہیں، ان کے خیال میں اگر اسلامی بینک اگر اپنے مدیون سے صدقہ کا التزام کروا رہا ہے تو وہ در حقیقت اپنے لئے کروا رہا ہے۔

۱- ایک تو اس وجہ سے کہ یہ دائن اور مدیون کی طرف سے دو طرفہ معاہدہ ہے اور اس معاہدے کی وجہ دائن کا اصرار ہی بنا ہے، اس لیے اسے مدیون کی طرف سے التزام تصدق کی بجائے دائن کی طرف سے اجباری تصدق کہنا چاہیئے اور اگر دائن اپنے مدیون پر کوئی اضافی بوجھ مسلط کرے تو اسے سود کہا جا سکتا ہے۔

۲- دوسرے اس وجہ سے اگر اسے یک طرفہ التزام بھی مان لیا جائے تب بھی اس التزام کی نسبت بینک ہی کی طرف ہو گی، اس لیئے کہ اسکی ادائیگی، انتظام و انصرام، صدقہ کے نتیجے میں نیک نامی اور فوائد و ثمرات بینک ہی کو ملیں گے۔[3]

مؤیدین کے نزدیک مدیون کی طرف سے صدقہ کا التزام سود میں داخل نہیں ہے۔ جیسا کہ مالکی فقہاء کا قول ہے کہ:

"وأما إذا إلتزم المدعي عليه للمدعي أنه إن ام يوفه حقه في وقت كذا فله عليه كذا وكذا فهذا لا يختلف في بطلانه لأنه صريح الربا --------- وأما إذا إلتزم أنه إن لم يوفه حقه في وقت كذا فعليه كذا وكذا لفلان أو صدقة للمساكين فهذاهو محل الخلاف المعقود له هذا الباب فالمشهور أنه لا يقضى به كما تقدم وقال ابن دينار: يقضى به"[4]

۱- تحریر الکلام فی مسائل الالتزام، الحطاب، شمس الدین ابو عبد اللہ، دار الغرب الاسلامی، بیروت- لبنان، طبعہ اولی ۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴ء، ص ۷۵

۲- المبسوط، ۴/ ۱۳۴

۳- التزام بالتصدق- فقہی و شرعی حیثیت، محمد سعد صدیقی و دیگر، فکر و نظر، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، جلد ۴۸/ شمارہ ۲، ص ۸

۴- تحریر الکلام فی مسائل الالتزام، ص ۱۷۹

ترجمہ: اور جب مدعی علیہ، مدعی کیلئے یہ التزام کرے کہ اگر مدعی علیہ نے مدعی کا حق اتنے اور اتنے عرصے میں ادا نہ کیا تو مدعی علیہ پر مدعی کیلئے اتنا اور اتنا مال لازم ہو گا، اس التزام کے باطل ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ یہ صریح سود ہے۔ لیکن اگر مدعی علیہ نے یہ التزام کیا کہ اگر اتنے وقت میں مدعی کا حق ادا نہ کر سکا تو مدعی علیہ پر فلاں شخص کیلئے (مدعی کے علاوہ) اتنا مال لازم ہے یا مساکین کیلئے صدقہ لازم ہے، یہ بات محل اختلاف ہے جس کیلئے یہ باب باندھا گیا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ اس پر فیصلہ نہیں دیا جائے گا، کما تقدم، اور ابنِ دینار فرماتے ہیں کہ اس پر فیصلہ دیا جائے گا۔

اسلامی بینکوں میں صارف سے جو صدقہ کا مال لیا جاتا ہے اس کا بینک مالک نہیں ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے امام خطاب کی عبارت کے مطابق دوسری صورت اختیار کی جاتی ہے جسے ابنِ دینار نافذ العمل قرار دیتے ہیں۔ اس سے بینک کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ صدقہ بینک کے زیرِ نگرانی فنڈ میں ہی کیوں جمع کروایا جاتا ہے تو اس کا جواب مفتی ثاقب الدین یوں دیتے ہیں کہ:

> "بینک کے خیراتی فنڈ میں رقم جمع کرانے کا التزام محض اس لیے کرایا جاتا ہے تاکہ اس بات کا اطمینان ہو کہ واقعتہ کلائنٹ رقم کی ادائیگی میں بے فکر نہیں، گویا اس التزام کے ذریعے کلائنٹ پر کوئی نئی ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی بلکہ اس اس ذمہ داری کی ادائیگی کو یقینی بنایا جاتا ہے جو پہلے سے اس نے اپنے ذمہ لی ہے اور یہ تدبیر اس لئے اختیار کی گئی ہے تاکہ اس کی وجہ سے بینک کے لئے اپنا قرضہ وصول کرنا آسان ہو۔"[1]

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں مؤیدین کی رائے قابلِ ترجیح ہے کیونکہ صدقہ کا ایسا التزام جو کوئی شخص خود کر رہا ہو اور ایسے مال کا التزام کر رہا ہو جو اس کی اپنی ملکیت میں ہو تو یہ قابلِ قبول ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ صدقہ کی رقم بینک کے منافع کیلئے نہیں لی جاتی بلکہ لوگوں کے سرمائے کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے لی جاتی ہے جس میں کوئی قباحت نہیں۔ تاہم قرآنی احکام اور حدیث مبارکہ کے احکام میں تطبیق کی راہ اختیار کی جائے تو بھی التزام صدقہ کے جواز کی صورت نکل سکتی ہے۔

قرآن کریم کا حکم ہے کہ:

﴿وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾[2]

ترجمہ: اگر کوئی تنگ دست ہو تو اسے آسانی ہونے تک مہلت دینی چاہیئے۔

حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

۱- اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، ص ۴۲۷

۲- سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۸۰

((لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ))[1]

ترجمہ: غنی کا تاخیر کرنا اسکی بے آبروئی اور سزا دینے کو حلال کر دیتا ہے۔

مندرجہ ذیل احکامات کی روشنی میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے غنی شخص کا ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا اس کو سزا کا مستحق ٹھہراتا ہے لہذا اس پر صدقہ کے التزام کی قید مؤیدین کی رائے پر عمل کرتے ہوئے بطور سزا لگائی جاسکتی ہے، ہاں البتہ اس میں تنگ دست کو مہلت دینی کی ضرورت ہے تاکہ اس پر زیادتی نہ ہو جائے۔ اس حوالے سے اسلامی بینک کو ایک ایسا میکنیزم تیار کرنا چاہیئے کہ جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے کہ کوئی صارف ادائیگی میں تاخیر واقعتا مجبوری کے باعث کر رہا ہے یا جان بوجھ کر سستی کر رہا ہے۔

سرمایہ داروں کی بچتیں بینک کے پاس امانت ہوتی ہیں جن کو بینک نفع بڑھانے کیلئے استعمال کرتا ہے۔ اب چونکہ مرابحہ اور اجارہ کی صورت میں بینک کا بہت زیادہ سرمایہ صرف ہوتا ہے اور انکی حفاظت کا ذمہ بھی بینک پر رہتا ہے۔ تاہم بینک کو یہ اختیار ہو ہے کہ وہ ادائیگی کو بروقت یقینی بنائے۔ اس کیلئے بینک بلاوجہ تاخیر پر سزا تجویز کر سکتا ہے۔

کلائنٹ کو وکیل بنانا

مروجہ اسلامی بینکاری میں اجارہ لیزنگ کا متبادل فراہم کرتا ہے اس میں بینک قرض فراہم نہیں کرتا بلکہ مطلوبہ چیز اس کو خرید کر دیتا ہے چونکہ بینک کے پاس وہ چیز موجود نہیں ہوتی بینک کمپنی کو رقم ادا کرتا ہے مگر وہ چیز کلائنٹ خود جاکر وصول کرتا ہے۔ جسکا طریقہ کار کچھ یوں ہوتا ہے کہ:

> "مستاجر جب شئ مستاجرہ لینا چاہتا ہے تو اس دوران کلائنٹ اور بینک کے درمیان دو طرح کا تعلق بنتا ہے۔ پہلے وہ بینک کی طرف سے بطور وکیل (ایجنٹ) مطلوبہ سامان وصول کرنے جاتا ہے۔ یہاں کسی قسم کا موجر اور مستاجر کا تعلق نہیں ہوتا لہذا بحیثیت کلائنٹ کسی بھی ذمہ داری کا جوابدہ بھی نہیں ہوتا۔ فراہم کنندہ سے مکمل طور پر وصولی کے بعد وہ مستاجر ٹھہرتا ہے۔"[2]

ناقدین اس پر اس وجہ سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں بینک عملاً کوئی کام یا خدمت نہیں کرتا۔ صرف رقم فراہم کرتا ہے اور مدت کے اختتام پر اپنی رقم وصول کرلیتا ہے۔ جیسا کہ حافظ ذوالفقار علی رقم طراز ہیں کہ:

۱-النسائی، احمد بن شعیب، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۶ھ – ۱۹۸۶ء، کتاب البیوع، باب مطل الغنی، حدیث نمبر ۴۶۸۹، ۷/۳۱۶

2- A Shari'ah Analysis of issues in Islamic Leasing, Mohammad Hashim Kamali, J.KAU: Islamic Economics,2007A.D -1428A.H, vol. 20, No.1, p. 8.

"ہمارے خیال میں کلائنٹ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو ایجنٹ مقرر کرنے کا بنیادی مقصد سودی شبہ سے بچنا اور لین دین میں بینک کا عملی کردار سامنے لانا ہے تو پھر اس کو صرف بہتر کے درجے میں رکھنا ہی کافی نہیں بلکہ واجب کہنا چاہیئے، اور کلائنٹ کو وکیل بنانے کی تکنیک سختی سے مسترد کر دینی چاہیئے۔"[۱]

روایتی بینک فنانسنگ کیلئے رقم فراہم کرتے ہیں اور مطلوبہ رقم پر منافع سود کے طور پر وصول کرتے ہیں، اور لیزنگ میں کوئی چیز فراہم بھی کر لیں تو اس کی تمام تر ذمہ داری صارف پر ڈال دیتے ہیں۔ اسلامی بینک اثاثہ جات پر منافع کماتا ہے اور مطلوبہ چیز میں رسک بھی برداشت کرتا ہے مثلاً اجارہ میں جو چیز دے رہا ہے تو حادثات وغیرہ کی صورت میں بینک ضمان بھی اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ شرعی قاعدہ ہے کہ:

((أَنَّ الخَرَاجَ بِالضَّمَانِ))[۲]

ترجمہ: یعنی فائدہ اسی چیز کا اٹھایا جا سکتا ہے کہ جس کا تاوان تمھارے ذمے ہو۔

تاہم بینک کا صارف کو وکیل مقرر کرنے سے بھی وہ ضمان سے بری نہیں ہوتا، کیونکہ پیچھے بیان ہو چکا کہ صارف مستاجر کی حیثیت سے نہیں بلکہ بینک کے ایجنٹ کی حیثیت سے اس چیز کو وصول کرنے جاتا ہے اور اس دوران بھی اس چیز کا ضمان بینک پر ہی رہتا ہے جب تک کہ صارف سے متعلقہ چیز پر اجارہ کا معاہدہ نہ کر لے۔ لہذا اس میں سودی شبہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا یہ کہ بینک ہر بار ایسا نہیں کرتا کہ صارف کو ہی بطور وکیل مطلوبہ چیز کی وصولی کیلئے بھیجے۔ اسلامی بینکنگ کے حاملین کی رائے بھی ہے کہ بینک کو کسی دوسرے شخص کو وکیل مقرر کرنا بہتر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس پر مکمل طور پر عمل کیوں نہیں کیا جا رہا تو فی الحال بینکنگ نظام اس قدر مضبوط نہیں۔ جیسا کہ اسلامی بینک آمدن، سرمائے اور وسائل میں روایتی بینکوں کی نسبت بہت پیچھے ہیں۔ جیسا کہ حالیہ اسٹیٹ بینک کی جون ۲۰۱۹ کی رپورٹس کے مطابق سودی بینکوں کی کل لاگت 20,717.6 بلین ہے[۳] جبکہ اسلامی بینکوں کی لاگت صرف 5,407 بلین ہے۔[۴] فی الوقت اسلامک بینک میں اس طرح کی صورت کو واجب یا لازم قرار دینا مروجہ اجارہ پر ناکہ بندی لگانے کے مترادف ہو گا۔

۱- معیشت و تجارت کے اسلامی احکام، ذوالفقار علی، ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور، طبع اول ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۳

۲- سنن ترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فیمن یشتری العبد ویستغلہ ثم یجد بہ عیبا، حدیث نمبر: ۱۲۸۵، ۲/ ۵۷۲

3- Mid-Year Performance Review of the Banking Sector, State Bank of Pakistan http://www.sbp.org.pk/publications/HPR/H1CY19.pdf , visited on: December 29, 2019 at 2:20am.

4- Islamic Banking Bulletin, State Bank of Pakistan http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2019/Jun.pdf , visited on: December 29, 2019 at 2:24am.

مروجہ اجارہ کلائنٹ کو سہولت اور آسانی فراہم کرنا ہے کہ جو چیز وہ سودی ذریعے سے لیتا تھا اب وہ اجارہ کے ذریعے حاصل کرلے۔ بینک کا اسے بطور وکیل مقرر کرنا بھی نامعقول نہ ہو گا۔ تاہم مؤیدین کی رائے قابلِ قبول ہے جس کی وجوہات یہ ہیں کہ:

۱- اس میں بینک کو گارنٹی ہے کہ واقعی طور پر کلائنٹ وہ چیز لیناچاہ رہا ہے۔

۲- بینک اگر اپنے ملازم کو بطور وکیل چیز کی وصولی کیلئے بھیجتا ہے تو باقی معاملات میں رکاوٹ یا خلل آسکتا ہے۔

۳- بینک اس مقصد کیلئے کوئی اور ملازم رکھتا ہے یا باہر سے کسی کو بطور وکیل مقرر کرتا ہے تو اس کو بھی تنخواہ یا معاوضہ ادا کرنا ہو گا۔ اسے بھی اگر کرایہ میں شامل کیا جائے تو پھر کلائنٹ کو چیز اصل قیمت سے بہت مہنگی پڑے گی اور جو سہولت وہ لیناچاہ رہا ہے اس سے فائدہ نہ لے سکے گا۔ اور اگر بینک خود سے ادا کرے تو اس میں بینک کا منافع زیرو ہو جائے گا۔ اس طرح ان دونوں صورتوں میں اجارہ کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

کلائنٹ کو وکیل مقرر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، تاہم اس میں اصلاح کی ضرورت ہے کہ اگر بینک اپنا وکیل مقرر کر سکتا ہو تو پھر کلائنٹ کو بطور وکیل مقرر کرنے سے اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔ البتہ جہاں پر چیز کے انتخاب کرنے کیلئے کلائنٹ کو مطمئن کرنے کا مسئلہ ہو تو وہاں پر اسے ہی مقرر کر سکتا ہے۔ تاکہ اجارہ میں موجود اس اعتراض کو دور کیا جاسکے۔

خلاصہ بحث

متعلقہ باب میں اسلامی طریقہ ہائے تمویل اجارہ کو بیان کیا گیا۔ اجارہ کا جواز قرآن و سنت سے ملتا ہے۔ اجارہ میں کسی چیز کے منافع کو کرایہ پر دیا جاتا ہے۔ اس عقد میں متعلقہ چیز کے منافع معلوم ہونا ضروری ہوتا ہے اور اسی کے مطابق اس کی اجرت طے ہوتی ہے۔ مستاجر (کرایہ پر لینے والا) پر اجرت اس وقت واجب ہوتی ہے کہ جب چیز اس کے قبضے میں ہو، چاہے منافع لے یا نہ لے جب تک اس چیز پر قبضہ ہو گا اس پر کرایہ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔ مستاجرہ چیز کا قابلِ نفع ہونا بھی ضروری ہوتا ہے، اگر اس سے نفع اٹھانا ممکن نہ رہے تو اجارہ کا عقد باقی نہیں رہتا۔ اجیر (کرایہ پر دینے والا) اس شے پر ملکیت ہونے کے باعث نقصان برداشت کرتا ہے مگر اگر اس کے استعمال میں کوتاہی مستاجر کرے تو پھر نقصان اسی پر ہو گا۔ اس عقد میں لازم ہے کہ کرایہ اور عقد کی مدت متعین کرنے میں کوئی ابہام نہ ہو۔ شئ مستاجرہ میں عیب یا اس کی ہلاکت کی وجہ سے عقد ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عاقدین میں سے کسی کو عذر ہونا، ان میں سے کسی کا عقد کو ختم کرنا یا کسی کا فوت ہو جانا بھی عقد کے ختم ہونے کی وجوہات ہیں۔

مروجہ اجارہ میں بینک کی طرف سے کچھ معاون معاہدے اور پابندیاں لاگو ہوتی ہے جن پر ناقدین کے اعتراضات ہیں جیسا کہ اجارہ کے اختتام پر شئ مستاجرہ مستاجر کو فروخت کرنا، ایڈوانس لینا، نقصان کا ضمان لینا، اجرت کی تاخیر پر جرمانہ بطور صدقہ عائد کرنا، کلائنٹ کو خرچہ و نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانا، کلائنٹ کو وکیل ٹھہرانا۔ باب میں بیان کردہ آراء اور ان کا تجزیہ کرنے کے بعد درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱- بینک اجارہ کے بعد اثاثہ واپس بھی کر سکتا ہے مگر اکثر وہ اس کی ملکیت کلائنٹ کو منتقل کر دیتا ہے۔ اجارہ کے معاہدے میں ایسا کرنا درست نہیں ہوتا مگر بینک الگ معاہدے کے تحت معمولی عوض کے بدلے کلائنٹ کو فروخت کرتا ہے تو اس میں حرج نہیں۔

۲- بینک کی طرف سے کچھ پابندیاں بلاوجہ نقصان سے بچنے اور سیکیورٹی کیلئے ہوتی ہیں۔ بینک ایڈوانس اور اجرت کی تاخیر پر التزامِ صدقہ کی شرط لگاتا ہے تاکہ لوگوں کے سرمائے کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے، البتہ بینک کو چاہیئے کہ چھان بین کر کے مجبور شخص پر جرمانہ وغیرہ عائد نہ کرے۔ اسی طرح اثاثہ کے استعمال میں کوتاہی کی وجہ سے ہونے والے نقصان کا ذمہ کلائنٹ پر ہوتا ہے تاکہ وہ اثاثہ جات کو لاپرواہی کی وجہ سے ضائع نہ کرے۔

۳- بینک کلائنٹ کو وکیل مقرر کرتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہوتا کہ جب کلائنٹ خود آمادہ ہو یا اس کی طرف سے مطالبہ ہو کہ وہ اثاثہ کا خود انتخاب کرے۔ تاہم بینک جہاں اپنا وکیل باآسانی بھیج سکتا ہے وہاں اسے کلائنٹ کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔

نتائج مقالہ

مقالہ ہذا کے نتائج درج ذیل ہیں۔

۱. ملکی معاشی ترقی میں بینکوں کا بنیادی کردار ہے۔ معیشت کیلئے بینکاری نظام ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہے تو اسلامی مملکت میں اس کی اصل روح اسلامی بینکاری ہی ہے، کیونکہ اسلامی معیشت میں روایتی و سودی نظام کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲. معیشت کے اسلامیانے کیلئے عدل وانصاف، دیانتداری، صاف گوئی، تعاون وتناصر، رزقِ حلال اور دھوکہ وغرر سے اجتناب شرعی بنیادیں ہیں۔ اسلامی بینکاری بھی اسی کے تابع ہوتی ہے۔

۳. پاکستان میں آئینی و عدالتی سطح پر سود کی مذمت، مقننہ کا کردار اور اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین و علماء کی کاوشیں سود کے خلاف اہم کوششیں ہیں جس کے نتیجے میں مختلف اداروں نے اعلیٰ سطح پر تجارتی کاروبار شرکت و مضاربت، اجارہ، مرابحہ اور بیع مؤجل جیسے شرعی اصولوں پر قائم کرنا شروع کیا، مگر تاحال سود کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ ہمارے ملک میں بیشتر بینک سودی نظام ہی چلا رہے ہیں۔

۴. مروجہ شرکت و مضاربت اور اجارہ میں کچھ نئے طریقے متعارف ہوئے ہیں جو کہ عصرِ حاضر کی ضرورت اور عوام الناس کی مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تجویز کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ مروجہ شراکت میں شرکتِ متناقصہ، مروجہ مضاربت میں یومیہ پیداوار، اوزان اور شخصِ قانونی کا تصور اور مروجہ اجارہ میں اجارہ تمویلیہ کا طریقہ کار۔ ان طریقوں میں حتی الوسع شرعی احکام کی پابندی کی کوشش کی گئی ہے۔

۵. مروجہ اسلامی بینکوں میں متعدد مقامات پر تساہل نظر آتا ہے مثلاً مروجہ مضاربت میں محدود ذمہ داری کے تصور کے تحت پورا ضمان نہ اٹھانا، شراکتِ متناقصہ اور مروجہ اجارہ میں خود اشیاء کی خریداری نہ کرنا، نہ ہی اپنا وکیل مقرر کرنا، اور ان طریقہ ہائے تمویل میں مکمل طور پر خطرات کو برداشت نہ کرنا۔

۶. مروجہ مضاربت میں بینک تجارتی امور سمیت مختلف خدمات سرانجام دیتا ہے۔ مضاربت کی بنیاد پر سرمایہ کاری کرتا ہے مگر عملی میدان میں یہ سرمایہ کاری بالواسطہ ہوتی ہے اور بینک خود براہِ راست تجارت میں حصہ نہیں لیتا۔

۷. مروجہ اجارہ میں بروقت ادائیگیوں کو یقینی بنانے کیلئے التزامِ صدقہ کی شرط لگائی جاتی ہے جس کی بنیاد عوام الناس کے مال کا تحفظ ہے۔

۸. مروجہ اسلامی بینکاری میں نفع اور کرایہ کا تعین سودی شرح معیار کائبور کے مطابق کیا جاتا ہے۔

۹. اسلامی بینک شریعت کی بالادستی اور اسٹیٹ بینک کی سرپرستی میں کام کرتے ہیں۔ بینک اپنی صوابدید کے مطابق زری سرمایہ کو اثاثہ جات سے وابستہ کرتے ہوئے منافع حاصل کرتے ہیں جس میں دھوکہ اور غرر سے بچنے کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے۔

۱۰. مروجہ اسلامی بینکاری مثالی نہیں ہے مگر علماء کرام کی مخلصانہ کاوش ہے۔ یہ نظام تقویٰ کے درجے کا نہ سہی، مگر نیکی کو ضرور شامل ہے۔

۱۱. اسلامی بینکوں کے وسائل سودی بینکوں کی نسبت بہت محدود ہیں جو کہ ان کے فرائض کی انجام دہی میں رکاوٹ اور مشکلات کا باعث ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اسلامی بینکوں کا منافع جات کا تناسب بہت کم رکھنا بھی ہے مثلاً اگر افراطِ زر کی سالانہ شرح ۱۰ فیصد ہے تو اسلامی بینک ۶ فیصد سالانہ شرح منافع دینے کا اعلان کرتے ہیں جس سے عوام ان بینکوں کی طرف عدم رجحان ظاہر کرتی ہے۔

۱۲. اسلامی بینکاری کے متعلق ناقدین کا منفی رویہ سامنے آتا ہے جو اس نظام سے متعلق مخالفت اور تذبذب پیدا کرتا ہے، کیونکہ انھوں نے اس کے متعلق اعتراضات اور اپنا نقطہ نظر بیان کیا مگر اس نظام میں بہتری کیلئے کوئی تجاویز اور حل پیش نہ کئے۔

۱۳. اسلامی بینکاری نظام میں بہتری کی گنجائش ابھی بھی موجود ہے۔ مشترکہ کوششوں سے اس کا حل پیش کیا جا سکتا ہے۔

سفارشات

اسلامی بینکاری سے انکار کا مطلب ہے کہ یا تو سودی بینکاری کی حمایت کی جائے یا مجبوراً اسے قبول کیا جائے۔ کیونکہ اگر اسلامی طریقوں پر نظام پیش نہ کیا گیا تو عوام لامحالہ سودی بینکوں کی طرف رخ کرے گی۔ سودی نظام کے خاتمے اور اسلامی بینکاری کی ترقی و فروغ کیلئے مقالہ ہذا کی تحقیق کے تناظر میں چند تجاویز و سفارشات درج ذیل ہیں۔

۱. اسلامی معیشت کے اسلامیانے کیلئے حکومت سود کا مکمل طور پر سدِباب کرے اور اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی تجاویز اور عدالتی فیصلوں پر سختی سے عمل درآمد کروائے۔

۲. عوام الناس کو سود کے نقصانات اور سودی بینکوں کے غیر شرعی طریقوں سے آگاہ کیا جائے، تاکہ وہ اسلامی طور پر سرمایہ کاری کی طرف راغب ہو سکیں۔

۳. بینکوں میں سود پر پابندی لگائی جائے اور اسلامی طریقہ ہائے تمویل جیسا کہ مضاربہ و مشارکہ، اجارہ، مرابحہ وغیرہ کو اپنایا جائے۔

۴. اسلامی بینکاری نظام پر تنقید کی بجائے حوصلہ افزائی کی جائے۔ اس میں رائج نئے طریقوں میں بہتری کیلئے علماء کرام، محققین اور ماہرین معاشیات کی خدمات حاصل کی جائیں تاکہ مؤثر حل سامنے آسکے۔

۵. اسلامی بینک اپنے نظام میں موجود کمی کوتاہیوں کو دور کریں جیسا کہ مؤیدین کی طرف سے پیش کئے جانے والے محدود ذمہ داری کے تصور کی آڑ میں خود کو ضمان سے بری نہ سمجھیں بلکہ ڈیپازیٹرز کو ضمان برداشت کرنے کا کہیں یا خود برداشت کریں۔ شرکتِ متناقصہ اور اجارہ میں اشیاء کی خریداری خود کریں یا خریداری کیلئے اپنا وکیل مقرر کریں البتہ جہاں کلائنٹ شدید تقاضا کرے تو ہی اسے وکیل مقرر کریں تاہم اس صورت میں بھی بحیثیت وکیل کلائنٹ کا چیز وصول کرنے کے بعد اس کی جانب سے اگلے معاہدے کیلئے بھیجی جانے والی درخواست کو یکدم قبول نہ کریں تاکہ مکمل طور پر رسک برداشت کر کے شرعی تقاضے پورے ہو سکیں۔

۶. اسلامی بینکوں کو چاہیئے کہ وہ براہِ راست تجارت کریں مثلاً اپنے گودام بنا کر مشینری یا گاڑیوں کی فروخت کریں تاکہ ان پر مضاربت میں غیر تجارتی امور سرانجام دینے کا اعتراض باقی نہ رہے۔

۷. مروجہ اجارہ میں التزامِ صدقہ جیسی تادیبی کاروائی کیلئے ایسا لائحہ عمل تیار کرنا چاہیئے کہ مجبور شخص کو ادائیگی کیلئے کچھ دن کی مہلت دی جائے۔

۸. اسلامی بینکوں کو نفع اور کرائے کے تعین کیلئے اسلامی شرح معیار رکھنا چاہیئے تاکہ سودی بینکوں سے مشابہت کے شبہ کو دور کیا جاسکے۔

۹. اسلامی طور پر سرمایہ کاری کیلئے اسلامی بینکوں جیسے با اعتماد اداروں پر بھروسہ کیا جائے تاکہ نجی اور پرائیویٹ اداروں کے مضاربہ ومشارکہ کے نام پر کئے جانے والے کاروباری فراڈ سے بچ سکیں۔

۱۰. اسلامی بینکاری کی افادیت سے آگاہی کیلئے انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبارات ورسائل کے ذریعے نشرواشاعت کی جائے۔ اور اس نظام میں نقائص کے حل کیلئے مباحثوں اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا جائے۔

۱۱. اسلامی بینک اپنے ڈیپازیٹرز کو دیئے جانے والے منافع کی شرح تناسب کو بہتر کریں یعنی جہاں ۶ فیصد منافع دے رہے ہیں تو اسے ۱۰ یا ۱۲ فیصد تک لے کر جائیں تاکہ سودی بینکوں کی طرف رجحان کو کم کیا جاسکے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ بااثر اور کاروباری لوگوں کو سرمایہ کاری کرنے کیلئے اسلامی بینکنگ کی طرف راغب کیا جائے تاکہ اسلامی بینکوں کے وسائل میں اضافہ ہو اور سودی بینکاری کی نسبت اسلامی بینکاری نظام کو تقویت مل سکے۔

۱۲. تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام کو ایک نشت پر لایا جائے۔ اس کیلئے حکومت مختلف مکاتبِ فکر کے اسلامی معیشت کے ماہرین ومفتیانِ کرام کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرے کہ تمام علماء کرام اسلامی بینکاری سے متعلق مشترکہ آراء اور حل پیش کریں، تاکہ اس سے متعلق لوگوں کے شک وشبہات اور تذبذب کو کم کیا جاسکے۔

۱۳. پاکستان میں تعلیمی نصاب میں توازن پیدا کیا جائے، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی سطح پر عصری تعلیم کے معاشیات اور بینکاری کے نصاب کو اسلامی تناظر میں پڑھایا جائے اور دینی اداروں میں بھی مالیات و بینکاری کا نصاب شامل کیا جائے تاکہ معیشت کے اسلامیانے میں درپیش مسائل اور مشکلات کا حل عصری تقاضوں کے مطابق شرعی بنیادوں پر تلاش کیا جاسکے۔

۱۴. محققین اسلامی بینکاری کے دوسرے طریقہ ہائے تمویل جیسا کہ بیع سلم، مرابحہ اور بیع مؤجل سے متعلق علماء کرام کی مختلف آراء کو سامنے لانے اور مؤثر حل تجویز کرنے کیلئے تحقیقی کام پیش کریں۔

فهارس

فہرستِ آیات

نمبر شمار	آیات	سورۃ	آیات نمبر	صفحہ نمبر
۱.	إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً...	سورۃ البقرۃ	۲/۲۶	۱۱۰
۲.	فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا	سورۃ البقرۃ	۲/۷۳	۱۰۹
۳.	يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا...	سورۃ البقرۃ	۲/۱۶۸	۳۱
۴.	وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ	سورۃ البقرۃ	۲/۲۲۰	۵۴
۵.	لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ	سورۃ البقرۃ	۲/۲۷۳	۱۱۰
۶.	وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا	سورۃ البقرۃ	۲/۲۷۵	۲۵،۲۰۳
۷.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا...	سورۃ البقرۃ	۲/۲۷۸-۲۷۹	۲۵
۸.	وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ	سورۃ البقرۃ	۲/۲۸۰	۲۱۸
۹.	وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا...	سورۃ البقرۃ	۲/۲۸۳	۲۱۶
۱۰.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا...	سورۃ آل عمران	۳/۱۵۶	۱۱۰
۱۱.	فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ	سورۃ النساء	۴/۱۲	۵۳
۱۲.	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ...	سورۃ النساء	۴/۲۹	۲۶
۱۳.	فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ	سورۃ النساء	۴/۳۴	۱۰۹
۱۴.	إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا	سورۃ النساء	۴/۵۸	۲۸
۱۵.	وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ	سورۃ النساء	۴/۱۰۱	۱۱۰
۱۶.	تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ	سورۃ المائدۃ	۵/۲	۳۰،۱۹۳
۱۷.	حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ...	سورۃ المائدۃ	۵/۳	۳۲
۱۸.	أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ...	سورۃ الاعراف	۷/۱۶۰	۱۰۹
۱۹.	فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ	سورۃ الانفال	۸/۱۲	۱۰۸
۲۰.	وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ...	سورۃ الانفال	۸/۴۱	۵۶
۲۱.	فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ...	سورۃ الکہف	۱۸/۱۹	۵۴
۲۲.	قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا	سورۃ الکہف	۱۸/۷۷	۱۷۱
۲۳.	قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ...	سورۃ القصص	۲۸/۲۷	۱۷۱
۲۴.	فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ	سورۃ الصافات	۳۷/۹۳	۱۰۹

۲۵.	وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ...	سورۃ ص	۳۸/۲۴	۵۶
۲۶.	ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ...	سورۃ الزمر	۳۹/۲۹	۱۱۱
۲۷.	فَضَرْبَ الرِّقَابِ	سورۃ محمد	۴۷/۴	۱۰۸
۲۸.	فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ...	سورۃ محمد	۴۷/۲۷	۱۰۹
۲۹.	فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ	سورۃ الطلاق	۶۵/۶	۱۷۲
۳۰.	وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ...	سورۃ التحریم	۶۶/۱۱	۱۱۱
۳۱.	وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ من فضل الله	سورۃ المزمل	۷۳/۲۰	۱۱۳

فہرستِ احادیث مبارکہ

صفحہ نمبر	کتب احادیث	احادیث	نمبر شمار
۲۶	ابن ماجہ	أَتَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ---- الخ	۱.
۵۹	سنن ابی داؤد	اشْتَرَكْتُ أَنَا وَعَمَّارٌ، وَسَعْدٌ، فِيمَا نُصِيبُ يَوْمَ ---- الخ	۲.
۱۴۴	صحیح مسلم	أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ ---- الخ	۳.
۱۱۵	سنن ابی داؤد	أَعْطَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا يَشْتَرِي---- الخ	۴.
۱۷۳	ابن ماجہ	أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ	۵.
۲۲۰	سنن ترمذی	أَنَّ الخَرَاجَ بِالضَّمَانِ	۶.
۵۸	سنن ابی داؤد	إِنَّ اللَّهَ يَقُولُ أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ--- الخ	۷.
۱۱۵	سنن الدارقطنی	أَنَّ ابْنَ عُمَرَكَانَ يُزَكِّي مَالَ الْيَتِيمِ وَيَسْتَقْرِضُ مِنْهُ--- الخ	۸.
۲۸	سنن ترمذی	أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى--- الخ	۹.
۱۹۶،۱۸۹،۹۹	الموطأ	أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم، نَهَى عَنْ--- الخ	۱۰.
۱۷۳	صحیح بخاری	ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ--- الخ	۱۱.
۱۱۴	ابن ماجہ	ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ الْبَيْعُ إِلَى أَجَلٍ وَالْمُقَارَضَةُ--- الخ	۱۲.
۱۴۷	صحیح مسلم	خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذَلِكَ	۱۳.
۱۵۵	الموطأ	خَرَجَ عَبْدُ اللهِ وَعُبَيْدُ اللهِ ابْنَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ---- الخ	۱۴.
۵۸	ابن ماجہ	قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُنْتَ شَرِيكِي--- الخ	۱۵.
۱۱۶	سنن الدارقطنی	كَانَ الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِذَا دَفَعَ مَالًا--- الخ	۱۶.
۲۰۰	المستدرک	لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ	۱۷.
۲۹	صحیح مسلم	لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ	۱۸.
۳۱	سنن الدارمی	لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ، النَّارُ أَوْلَى بِهِ	۱۹.
۲۱۹	سنن نسائی	لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ	۲۰.

۲۱.	وَلاَ يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ، وَلاَ يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ---- الخ	صحیح بخاری	۱۴۰
۲۲.	يَدُ اللَّهِ عَلَى الشَّرِيكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ---- الخ	سنن الدار قطنی	۵۸

فہرستِ اعلام

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
۹۹	احمد ممتاز	۱.
۴۶	ارشاد احمد اعجاز	۲.
۱۶۱	اعجاز احمد صمدانی	۳.
۴۷	بلال احمد قاضی	۴.
۱۳۵	ثاقب الدین	۵.
۴۶	جاوید احمد	۶.
۴۵	حسین حمید حسن	۷.
۴۲	ذاکر حسن نعمانی	۸.
۹۷	ذوالفقار علی	۹.
۲۰۰	زبیر اشرف عثمانی	۱۰.
۹۳	شفیق الرحمٰن	۱۱.
۴۴	شیخ عصام محمد اسحاق	۱۲.
۵۷	عبد الرحمٰن کیلانی	۱۳.
۴۷	عبد اللہ نجیب الحق صدیقی	۱۴.
۱۵۱	عبد الواحد	۱۵.
۱۹۵	عثمان صفدر	۱۶.
۱۹۲	عصمت اللہ	۱۷.
۴۴	محمد تقی عثمانی	۱۸.
۴۵	محمد حسن کلیم	۱۹.
۴۶	محمد حسین خلیل	۲۰.
۹۲	محمد زرولی	۲۱.

۲۲.	محمد عمران اشرف عثمانی	۴۴
۲۳.	محمد نوید	۴۴
۲۴.	منصور رئیس	۴۵
۲۵.	میاں محمد نظیر	۴۵
۲۶.	نجات اللہ صدیقی	۱۶۵

فہرستِ اصطلاحات

صفحہ نمبر	اصطلاحات	نمبر شمار
۱۷۰، ۱۷۴، ۱۸۰تا۱۸۳، ۱۹۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۲۲	**اجیر:** اجرت پر کام کرنے والا۔	۱.
۱۴۰	**اسٹاک کمپنی:** کمپنی کے شئیرز ہولڈرز کے شئیرز کی خرید وفروخت کرنے والا ادارہ۔	۲.
۲۷	**افراطِ زر:** اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ۔	۳.
۱۹۰تا۱۹۴، ۱۹۹	**انشورنس:** اثاثہ جات وغیرہ کے خطرات متعلقہ ادارے کو منتقل کرنے اور اس کے عوض مقررہ مدت تک اقساط ادا کرنے کا طریقہ کار۔	۴.
۱۰۱، ۱۰۶، ۲۱۲، ۲۱۳	**بینچ مارک:** بینکوں کا آپس کے لین دین کیلئے سودی شرح معیار۔	۵.
۱۹۳	**پریمیم:** انشورنس میں ادا کی جانے والی قسط۔	۶.
۱۶۳	**پے آڈر:** مقامی لین دین میں کسی مخصوص شخص کو ادائیگی کیلئے صارف کی جانب سے بینک کے ذریعہ جاری کی گئی دستاویز۔	۷.
۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۲	**ترکہ مستغرقہ بالدین:** میت کا ایسا ترکہ جس میں قرض وواجبات ترکے سے زیادہ ہوں۔	۸.
۱۹۰تا۱۹۴	**تکافل:** انشورنس کا شرعی متبادل۔	۹.
۱۲۸، ۱۴۹	**حساب الیومی:** فی یومیہ پیداور پر منافع کی تقسیم کرنا۔	۱۰.
۵۷	**خلیط:** کاروبار میں جزوی شریک کار ہونا یعنی کچھ معاملات میں شراکت کرنا اور کچھ میں آزاد ہونا۔	۱۱.
۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۰	**خلیطۃ الشیوع:** ایسا مال جس میں سب کی شراکت ہو۔	۱۲.
۱۸۳	**خیارِ شرط:** چیز خریدنے سے پہلے دیکھنے کا اختیار۔	۱۳.
۱۳۶تا۱۳۸	**دائن:** قرض دینے والا۔	۱۴.
۱۱۷تا۱۱۹، ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۴، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۴۹تا۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۶، ۱۶۷	**رأس المال:** مضاربت میں کاروبار کیلئے دیا جانے والا مال۔	۱۵.

۱۶.	**رب المال:** مضاربت کیلئے مال دینے والا شخص۔	۱۱۲، ۱۱۶تا۱۲۵، ۱۳۰، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۶
۱۷.	**شخص قانونی:** ادارے کا قانونی حیثیت سے اختیارات کے استعمال کیلئے شخص حقیقی کے اوصاف رکھنا۔	۱۳۴تا۱۴۲، ۱۴۴تا۱۴۶، ۱۴۸، ۱۶۶
۱۸.	**شرکتِ متناقصہ:** بینک اور صارف کا مشترکہ طور پر اثاثہ کی ملکیت میں شریک ہونا، اور بینک کا اپنے حصص کو اکائیوں میں تقسیم کرکے تدریجاً صارف کو فروخت کرنا اور ساتھ ساتھ اپنے حصے کے استعمال کے عوض کرایہ لینا جس میں چیز صارف کی ملکیت ہو جاتی ہے۔	۱۶، ۳۹، ۷۷تا۸۰، ۸۲، ۸۴، ۸۷، ۹۴تا۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۲۲۳، ۲۲۵
۱۹.	**شئیرز:** کمپنی کے حصص خریدنے کے عوض شراکت داری کیلئے سیکیورٹی کی دستاویزات۔	۷۳تا۷۷، ۹۶
۲۰.	**صبی ممیز:** ایسا بچہ جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔	۱۷۵
۲۱.	**عبدِ ماذون:** ایسا غلام جسے مالک تجارت کی اجازت دے۔	۱۴۲، ۱۴۴تا۱۴۶
۲۲.	**عبدِ موصی:** ایسا غلام جس کے بارے میں وصیت کر دی جائے۔	۱۳۵
۲۳.	**عملیاتی لیز:** کرایہ داری کا ایسا طریقہ جس میں اثاثہ کی ملکیت مالک کے پاس اور قبضہ کرایہ دار کا ہوتا ہے۔	۱۸۵، ۱۸۶
۲۴.	**فنانسنگ لیز:** کرایہ داری کے نام پر مالکاری لین دین جس میں ملکیت سے منسلک تمام خطرات کرایہ دار کو ہی منتقل کیے جاتے ہیں۔	۱۸۵، ۱۸۶
۲۵.	**کائبور:** Karachi Interbank Offered Rate، جس پر شرح سود طے کی جاتی ہے۔	۲۰۸، ۲۱۲
۲۶.	**لیٹر آف کریڈٹ:** بین الاقوامی تجارت میں ادائیگی کیلئے کھولے جانے والا اکاؤنٹ۔	۳۸
۲۷.	**مدیون:** قرض لینے والا۔	۱۳۶تا۱۳۸
۲۸.	**مستاجر:** کرایہ پر اثاثہ استعمال کرنے والا۔	۱۷۶تا۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۹، ۱۹۵، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۸تا۲۱۳، ۲۱۶، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۲
۲۹.	**مسمات دراھم:** عقد میں منافع کا تعین مقررہ قیمت میں طے کرنا۔	۱۲۰
۳۰.	**مضاربت:** ایسا عقد جس میں ایک شخص کا مال ہوتا ہے اور دوسرے کی محنت۔	۳۱، ۴۹، ۶۶، ۶۸، ۸۳، ۹۱، ۱۰۸، ۱۱۱تا۱۲۵، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۴، ۱۴۲تا۱۴۴، ۱۴۶تا۱۴۸، ۱۴۹تا۱۵۵، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۰تا۱۶۷، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۴، ۲۲۳، ۲۲۵

۳۱.	**منتہیہ بالتملیک:** کرایہ داری کا عقد جس میں ایک معاہدے کے تحت چیز مقررہ وقت کیلئے کرایہ پر دی جاتی ہے، تاہم مدت کے اختتام پر الگ معاہدے کے تحت چیز معمولی قیمت کے عوض صارف کی ملکیت میں دے دی جاتی ہے۔	۱۸۷،۱۹۷
۳۲.	**مؤجر:** کرائے کے اثاثے کا مالک۔	۱۷۹،۱۸۵،۱۹۵، ۱۹۹، ۲۰۰،۲۰۸،۲۱۰، ۲۱۲،۲۱٦
۳۳.	**وقف:** کوئی چیز مستحقین کو عطیہ کرنا۔	۱۳۴تا۱۳۸،۱۴۱،۱۴۸،۱٦٦
۳۴.	**ویٹیج:** ڈیپاریٹرز کے درمیان نفع کی تقسیم کیلئے ان کے سرمایہ کو رقم اور مدت کے اعتبار سے مختلف اوزان دینا۔	۱۳۰،۱۳۱،۱۳۳،۱۳۴،۱۵۸تا۱٦۲
۳۵.	**ہائر پرچیز:** کرایہ داری کا ایسا عقد جس میں کرایہ کے ساتھ ساتھ اس چیز کی قیمت بھی وصول کرلی جاتی ہے اور آخر میں اسی عقد کے تحت چیز کرایہ دار کی ملکیت میں دے دی جاتی ہے۔	۱۸۵،۱۸۹،۱۹۰

فہرستِ مصادر ومراجع

قرآن مجید

عربی مصادر:

- ابراھیم مصطفی وآخرون، المعجم الوسیط، دار الدعوۃ، مجمع اللغۃ العربیۃ، القاھرۃ۔
- ابنِ قدامۃ، عبد اللہ بن احمد، الکافی، دار الکتب العلمیۃ، طبعہ اولی ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء۔
- ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، طبعہ اولی ۱۴۱۶ھ۔
- ابی داؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق، سنن ابی داؤد، دار الکتاب العربي، بیروت۔
- اتاسی، محمد خالد، شرح مجلۃ الاحکام العدلیہ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔
- احمد بن محمد، کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ، دار الکتب العلمیۃ، طبعہ اولی ۲۰۰۹ء۔
- الاصبحی، مالک بن انس بن مالک، المدونۃ، دار الکتب العلمیۃ، الطبعہ الاولی ۱۴۱۵ھ / ۱۹۹۴ء۔
- آفندی، خواجہ امین علی حیدر، درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام، دار الجیل، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱ء۔
- البارعی، عثمان بن علی، تبیین الحقائق، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، بولاق-القاھرۃ، طبعہ اولی ۱۳۱۳ھ۔
- البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، طبعہ الاولی ۱۴۲۲ھ۔
- البغدادی، عبد الوہاب بن علی، المعونۃ علی مذھب عالم المدینۃ، المکتبۃ التجاریۃ، مصطفی احمد الباز، مکۃ المکرمۃ۔
- الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، دار العرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء۔
- الجرجانی، علی بن محمد، کتاب التعریفات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان، ۱۹۸۳ء۔
- الجوینی، عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف، نہایۃ المطلب فی درایۃ المذھب، دار المنہاج، طبعہ اولی ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۷ء۔
- الحصکفی، محمد بن علی، الدر المختار، دار الکتب العلمیہ، طبع اولی ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۲ء۔
- حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد، مسند احمد، موسسۃ الرسالۃ، طبعہ اولی ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۱ء۔
- الحنبلی، ابنِ قدامہ، عبد اللہ بن احمد بن محمد، المغنی، مکتبۃ القاھرۃ، بدون طبعۃ، ۱۳۸۸ھ۔
- الخطاب، شمس الدین ابو عبد اللہ، تحریر الکلام فی مسائل الالتزام، دار الغرب الإسلامي، بیروت-لبنان، طبعہ اولی ۱۴۰۴ھ / ۱۹۸۴ء۔

- الخلوتی، ابو العباس احمد بن محمد، حاشیۃ الصاوی، دار المعارف، بدون طبعۃ وبدون تاریخ۔
- الدار قطنی، علی بن عمر، سنن الدار قطنی، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۸۶ھ۔
- الدارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن ، سنن الدارمی، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ ، طبعہ اولیٰ ۱۴۱۲ھ / ۲۰۰۰ء۔
- الرازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، مکتبہ لبنان ناشرون، بیروت، طبعہ جدید ۱۴۱۵ھ - ۱۹۹۵ء۔
- الرلسی، شھاب الدین احمد، حاشیۃ عمیرۃ، دار الفکر، بیروت۔
- الزحیلی، وہبۃ بن مصطفی، الفقۃ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق ۔
- زین الدین، البحر الرائق، دار المعرفۃ، بیروت، بدون السنۃ۔
- زین العابدین بن ابراھیم، الاشباہ والنظائر، ابنِ نجیم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۸ء۔
- السرخسی، محمد بن احمد، دار المعرفۃ، المبسوط، بیروت، ۱۴۱۴ھ۔
- سعدی، ابو حبیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، دار الفکر، دمشق، الطبعہ الثانیۃ ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء۔
- السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن، الاشباۃ والنظائر فی قواعد وفروع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
- الشافعی، تقی الدین، کفایۃ الاخیار فی حل غایۃ الاختصار، دار الخیر، دمشق، طبعہ الاولیٰ ۱۹۹۴ء۔
- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔
- الشیبانی، محمد بن الحسن، اصل، دار ابن حزم، بیروت-لبنان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۳۳ھ-۲۰۱۲ء۔
- عبد الغنی ابو العزم، معجم الغنی، بدون الطباع، بدون السنہ۔
- عثمانی، محمد تقی، مفتی، بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، دار القلم، دمشق، طبع ثانی ۱۴۲۴ھ / ۲۰۰۳ء۔
- العینی، بدر الدین، محمود بن احمد بن موسیٰ، البنایۃ شرح الہدایۃ ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت-لبنان، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۰ھ - ۲۰۰۰ء۔
- الفتاوٰی الہندیۃ، شیخ نظام اور ہندستانی علماء کا گروہ، دار الفکر، ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۱ء۔
- القدوری، احمد بن محمد بن احمد، مختصر القدوري، دار الکتب العلمیۃ، الطبعہ الاولیٰ ۱۴۱۸ھ۔
- القزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار الفکر، بیروت۔
- الکاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع، دار الکتاب العربي، بیروت، ۱۹۸۲ء۔
- الکیاھراسی، ابو الحسن علی بن محمد، احکام القرآن، دار لکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

- مالک ، انس بن ابی عامر ، الموطأ، موسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان للاعمال الخیریۃ والانسانیۃ، ابو ظبی – الامارات، طبعہ اولیٰ ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء۔
- المرسی، علی بن اسماعیل، المحکم والمحیط الاعظم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۰ء۔
- المرغینانی، علی بن ابی بکر، الہدایۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت –لبنان۔
- الموصلی، عبد اللہ بن محمود بن مودود، الاختیار لتعلیل المختار، مطبعۃ الحلبی، القاہرۃ، ۱۳۵۶ھ۔
- النسائی، احمد بن شعیب، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، حلب، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۶ھ – ۱۹۸۶ء۔
- النسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمود ، کنز الدقائق، دار البشائر الاسلامیۃ، دار السراج، طبعہ اولیٰ ۱۴۳۲ھ /۲۰۱۱ء۔
- النووی، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔
- النیسابوری، محمد بن عبداللہ، المستدرک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبعہ اولیٰ ۱۴۱۱ھ / ۱۹۹۰ء۔

اردو مصادر:

- احمد ممتاز، مروجہ تجارتی کمپنیاں اور اسلامی شرکت ومضاربت، جامعہ خلفائے راشدین، کراچی، س ن۔
- احمد ممتاز، "غیر سودی بینکاری" ایک منصفانہ علمی جائزہ، جامعہ خلفائے راشدین، کراچی، طبع دوم: دسمبر ۲۰۱۰ء/ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ۔
- ارشاد، شیخ احمد، بلاسود بینکاری، مکتبہ تحریکِ مساوات، ۱۹۶۴ء۔
- الازہری، محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، س ن۔
- اسلامی بینکاری اور علماء(اختلافی فتوے پر اہل علم و فکر کے تبصروں کا مجموعہ)، الافنان، کراچی، طبع جدید شعبان ۱۴۳۰ھ -اگست ۲۰۰۹ء۔
- اسلامی نظریاتی کونسل، سالانہ رپورٹ:۷۸-۱۹۷۷ء، پاکستان، اسلام آباد، اشاعت اول ۱۹۷۹ء۔
- اوصاف احمد، اسلامی بنکاری (نظریاتی بنیادیں اور عملی تجربات)، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، اکتوبر ۱۹۹۲ء۔
- بلاسود بینکاری رپورٹ، اسلامی نظریاتی کونسل، لاہور۔
- بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ کے شرعی احکام (مجموعہ تحقیقی مقالات و مناقشات اور فیصلے)، اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا، مارچ ۲۰۰۷۔

- تنزیل الرحمٰن، سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت کا تاریخی فیصلہ، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، ۱۹۹۸ء۔
- ثاقب الدین، اسلامی بینکاری اور متفقہ فتوے کا تجزیہ، میمن اسلامک پبلشرز، کراچی، ۲۰۰۹ء۔
- الجزیری، عبد الرحمٰن، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، مترجم منور احسن، شعبہ مطبوعات علماء اکیڈمی اوقاف، لاہور، طباعت جدید، ۲۰۱۲ء۔
- چراغ، محمد علی، تاریخ پاکستان، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء۔
- الحاج، فیروز الدینؒ، فیروز اللغات، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، س ن۔
- حقانی، عبد الحق، تفسیر حقانی، میر محمد کتب خانہ، کراچی، س ن۔
- خان، محمد زرولی، نام نہاد اسلامی بینکاری، جامعہ عربیہ احسن العلوم، کراچی، جنوری ۲۰۱۴ء / ۱۴۳۸ھ۔
- دہلوی، محمد مظہر اللہ، شاہ، تفسیر مظہر القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست ۲۰۰۷ء۔
- ذوالفقار علی، اسلامی بینکاری کی حقیقت، دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور، اگست ۲۰۰۸ء / شعبان ۱۴۲۹ھ۔
- ذوالفقار علی، دورِ حاضر کے مالی معاملات کا شرعی حکم، ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور، طبع اول: ستمبر ۲۰۰۸ء۔
- ذوالفقار علی، معیشت و تجارت کے اسلامی احکام، ابوہریرہ اکیڈمی، لاہور، طبع اول ۲۰۱۰ء۔
- ذوالفقار علی، حافظ، مروجہ اسلامی بینکوں میں رائج مضاربہ کی شرعی حیثیت، ماہانہ محدث، مجلس التحقیق الاسلامی، مارچ ۲۰۱۳ء - جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ۔
- رحمانی، خالد سیف اللہ، جدید مالیاتی ادارے، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یو پی، طبع جدید ۱۴۳۶ھ / ۲۰۱۴ء۔
- رضوی، محمد نظام الدین، شئیرز کا کاروبار، روی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور، اگست ۲۰۰۰ء۔
- رفقاء دارالافتاء جامعۃ الرشید، غیر سودی بینکاری، الحجاز، کراچی، ۱۴۳۰ھ۔
- زاھد صدیق مغل، اسلامی بینکاری و جمہوریت (فکری پس منظر اور تنقیدی جائزہ)، مکتبہ وراثت، لاہور، اشاعت اول جون ۲۰۱۲ء۔
- الزحیلی، وہبۃ بن مصطفٰی، الفقہ الاسلامی و ادلتہ، مترجم محمد یوسف تنولی، دارالاشاعت، کراچی، ستمبر ۲۰۱۲ء۔
- سعید الحق جدون و دیگر، اے ٹی ایم، ڈیبٹ اور کریڈٹ کارڈ کی شرعی حیثیت، ایکٹا اسلامیکا، شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی شرینگل، جنوری - جون ۲۰۱۶ء۔

- سیوطی، جلال الدین، تفسیر درِ منثور، مترجم الازھری، محمد کرم شاہ، مکتبہ ضیاء القرآن پبلیکیشنزلاہور، نومبر ۲۰۰۶ء۔
- شام، شہزاد اقبال، شرکت و مضاربت کے چند ملکی قوانین اور سودی معیشت کا فروغ، فکرو نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء۔
- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، مترجم مولانا خلیل احمد، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔
- شیخ عثمان صفدر، مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ کی شرعی حیثیت، سہ ماہی البیان، المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر، کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۳ء-ربیع الاول تا شعبان ۱۴۳۴ھ۔
- صدیقی، نجات اللہ، شرکت و مضاربت کے شرعی اصول، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، اشاعت اول: جولائی ۱۹۹۲ء-اشاعت دوم: جولائی ۱۹۹۷ء۔
- صمدانی، اعجاز احمد، اسلامی اور سودی بینکاری میں فرق، ڈاکٹر، مکتبہ کامل پورے، کراچی۔
- صمدانی، اعجاز احمد، اسلامی بینکاری اور غرر، ادارہ اسلامیات، کراچی-لاہور، مئی ۲۰۰۶ء/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ۔
- صمدانی، اعجاز احمد، غرر کی صورتیں، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید جنوری ۲۰۰۹ء/ محرم ۱۴۳۰ھ
- صمدانی، اعجاز احمد، اسلامی بینکاری، ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، ادارہ اسلامیات، کراچی-لاہور، ستمبر ۲۰۰۶ء/ شعبان ۱۴۲۷ھ۔
- صہیب، عبد القدوس، پاکستان میں بلا سود بینکاری: عملی اقدامات کا ایک جائزہ، معارف اسلامی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء۔
- ضیاء، ضیاء اللہ، سود کیا ہے؟، سیف پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۱ء۔
- طاہر اسلام عسکری، اسلام کا اقتصادی نظام، کورس کوڈ ۲۶۲۵، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۱۸ء۔
- عارف، محمود الحسن، موجودہ بینکنگ اور اسلامی بینکاری، سہہ ماہی منہاج، شمارہ ۱-۲، جنوری – اپریل ۱۹۹۲ء۔
- عبد الواحد، جدید معاشی مسائل، دارالافتاء و تحقیق، لاہور، شعبان ۱۴۲۹ھ۔
- عبد القدوس و دیگر، تکافل: اسلامی انشورنس کا تعارف اور شرعی نظائر کا تحقیقی مطالعہ، برجس، یونیورسٹی آف سائنس و ٹیکنالوجی، بنوں، جولائی–دسمبر ۲۰۱۴ء۔

- عبد القیوم، ترجمہ احکام القرآن للجصاص، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، اشاعت اول، ۱۹۹۹ء۔
- عبد اللہ فہد فلاحی (مترجم)، بدایہ المجتہد ونہایۃ المقتصد، دار التذکیر، لاہور، ۲۰۰۹ء۔
- عبد الواحد، ہدیہ جواب (غیر سودی بینکاری)، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی۔
- عثمانی، محمد تقی، آسان ترجمہ قرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید: ربیع الاول ۱۴۳۲ھ / فروری ۲۰۱۱ء۔
- عثمانی، محمد تقی، اسلامی بینکاری (تاریخ و پس منظر اور غلط فہمیوں کا ازالہ)، الافنان، کراچی، طبع جدید جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ - مئی ۲۰۱۰ء۔
- عثمانی، محمد تقی، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ادارہ اسلامیات پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز، لاہور، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ / جون ۲۰۰۸ء۔
- عثمانی، محمد تقی، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف، کراچی، ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ۔
- عثمانی، محمد تقی، اسلامی بینکاری کی بنیادیں (مترجم)، مکتبۃ العارفی، فیصل آباد، رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ۔
- عثمانی، محمد تقی، غیر سودی بینکاری، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید مئی ۲۰۰۹ء / جمادی الاول ۱۴۳۰ھ۔
- عثمانی، محمد زبیر اشرف، جدید معاشی مسائل میں اسلامی قانونِ اجارہ، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع جدید جون ۲۰۰۵ء / ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ۔
- عثمانی، محمد عمران اشرف، اسلامی بینکاری کا ایک تعارف، مکتبہ معارف القرآن، کراچی۔
- عثمانی، محمد عمران اشرف، ترجمہ سود پر تاریخی فیصلہ، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید ربیع الثانی ۱۴۲۹ھ - اپریل ۲۰۰۸ء۔
- عصمت اللہ، تکافل کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف، کراچی، طبع الجدید: رمضان ۱۴۳۱ھ / اگست ۲۰۱۰ء۔
- غازی، محمود احمد، حرمتِ ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد، طبع اول ۱۹۹۳ء، طبع دوم ۱۹۹۶ء۔
- غازی، محمود احمد، محاضراتِ معیشت و تجارت، الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب، لاہور، اپریل ۲۰۱۰ء۔
- فاروقی، رعایت اللہ، اسلامی بینکاری اور صراط مستقیم (دینِ اسلام ویب سائٹ)۔

- فرحان علی، اسلامی بینکوں میں رائج اجارہ، ہزارہ اسلامیکس، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ، ۲۰۱۵ء۔
- القادری، محمد طاہر، بلاسود بینکاری اور اسلامی معیشت، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، جون ۱۹۹۴ء۔
- قاسمی، قاضی مجاہد الاسلام، شئیرز اور کمپنی، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، انڈیا، اشاعت اول جنوری ۲۰۰۰ء، اشاعت دوم جون ۲۰۱۰ء۔
- کاندھلوی، ساجد الرحمٰن صدیقی، حرمتِ سود، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔
- کریمی، مشتاق احمد، بینک کا سود حلال ہے؟ شبہات-ازالہ، الہلال ایجوکیشن سوسائٹی، انڈیا، ۲۰۰۵ء۔
- کیلانی، عبدالرحمٰن، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور، س ن۔
- گنگوہی، محمد حنیف، اشرف الہدایہ، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۹ء۔
- مبارکپوری، صفی الرحمٰن، الرحیق المختوم (ترجمہ)، مکتبۃ السلفیۃ، لاہور، محرم الحرام ۱۴۲۱ھ / مئی ۲۰۰۰ء۔
- محمد اسحاق و دیگر، پاکستان میں اسلامی بینکاری کا آغاز و ارتقاء، الثقافۃ الاسلامیۃ، شیخ زاید مرکز اسلامی، کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۷ء۔
- محمد اصغر شہزاد، اسلامی ہاؤس فنانسنگ کے مروجہ طریقے اور مشکلات کا جائزہ-پاکستان کے تناظر میں، ہزارہ اسلامکس، ہزارہ یونیورسٹی، جولائی تا دسمبر ۲۰۱۵ء۔
- محمد اعجاز، شرکت و مضاربت اور جدید معاشی مسائل، القلم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، جون ۲۰۱۴ء۔
- محمد اکرم خان، مسئلہ سود اور غیر سودی مالیات، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، اشاعت اول: نومبر ۱۹۹۲ء۔
- محمد ایوب، اسلامی مالیات (اسلامی بینکاری: اصول اور تطبیق)، رفاہ سنٹر آف اسلامک بزنس، اسلام آباد، اشاعت اول ۲۰۱۰ء۔
- محمد سعد صدیقی و دیگر، التزام بالتصدق-فقہی و شرعی حیثیت، فکر و نظر، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء۔
- محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، محرم ۱۴۳۰ھ / جنوری ۲۰۰۹ء۔
- محمد صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ، اگست ۲۰۱۱ء۔
- مروجہ اسلامی بینکاری (تجزیاتی مطالعہ-شرعی جائزہ- فقہی نقد و تبصرہ)، رفقاء دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، مکتبہ بینات، کراچی۔
- ممتاز احمد سالک، پاکستان میں اسلامی بینکاری کی کوششیں (1980-2012)—تاریخی و تجزیاتی مطالعہ، پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، اسلامک ریسرچ انڈیکس، ۲۰۱۴ء۔

- منظور احمد، فکر و نظر، کریڈٹ کارڈز کی شرعی حیثیت، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۸ء۔
- مودودی، ابوالاعلیٰ، سود، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۷ء۔
- مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، س ن۔
- نخبۃ العلماء والفقہاء، مترجم سید امیر علی، مولانا، فتاوی عالمگیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور۔
- ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس اردو بازار، لاہور، س ن۔
- نور احمد شاہتاز، اسلامی بینکاری اور سودی بینکاری میں فرق، ماڈرن اسلامک فقہ اکیڈمی، کراچی، مارچ ۲۰۰۸ء۔

English Sources:

- A Compendium of Legal Opinions on the Operations of Islamic Banks, Institute of Islamic Banking and Insurance, London, Uk,Reprinted in Paperback 2001.
- Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions, Istisna’a and Parallel, Istisna’a standard, 2/211, Bahrin, 1429H/2008.
- Company Accounts, Cost and Management Accounting, The Institute of Company Secretaries of India, New Dehli, 2012.
- Constitution of Islamic Republic Pakistan, 1973.
- Encyclopedia of Britannica, Vol 3, Edition 15, see the word Bank.
- Faruqi, Jalees Ahmed, Islamization of Banking in Pakistan, Research Dept United Bank Limited, Karachi, 1984.
- Fuad Al-Omar and Mohammed Abdel-Haq, Islamic Banking (Theory, Practice and Challenges), Zeb Books, London, 1996.
- GLYN Davies, A History of Money from Ancient Times to the Present Day, University of Wales Press,2002.
- Homoud.S.H, Islamic Banking, Arabian information, London, 1985.
- Jason Z. Wei, A Layman’s Guide to Financial Terms, University of Totonto, Scarborough, April 2014.
- Leasing (establishment and regulation) Rules, section 14, deals insurance of property on lease, 2000.
- Mian, Riaz Ahmed, Money Banking and Finance, Azeem Academy Publisher and Booksallers, Lahore.
- Moeen-ud-Din, Banking Learning Basic Concepts, Sysevgy Publisher, Islamabad.
- Mohammad Hashim Kamali, A Shari’ah Analysis of issues in Islamic Leasing, J.KAU: Islamic Economics,2007 A.D/1428 A.H.
- Mohammed Obaidullah, Islamic Financial Services, King Abdulaziz University Jeddah, Saudi Arabia,2005.
- Muhammad Ayub, Understanding Islamic Financing, John Wiley & Sons Ltd, England, 2007.

- Muhammad Billah, Islamic Model of Home Financing, Journal of Islamic Banking & Finance, Karachi, Jan-March 2008.
- Muhammad Irshad, Money Banking and Finance, Orient Publishers, Lahore.
- Natalie Schoon, Modern Islamic Banking (Products and Processes in Practice), John Wiley and Sons Ltd, United Kingdom, 2016.
- National Assembly of Pakistan (Constitution Making) Debates, The Manager of Publication Government of Pakistan, Karachi.
- Qazi Shahzad Ehtesham and others, Money Banking and Finance, Azeem Academy Publisher and Booksallers, Lahore.
- Qzai Shehzad and Muhammad Saeed, Introduction to Business, Azeem Academy, Lahore.
- Richard Hildreth, The History of Banks, Batoche Books, Kitchener, Ontario, 2001.
- Roger Orsingher, Banks of the world, Walker & Company, New York, 1967.
- Samadani, Eiaz Ahmad, The difference between Islamic Banking & Conventional Banking, Al Baraka Bank (Pakistan) Ltd, Maktaba Kamilpooray, Karachi.
- Selected Judgments of the Federal Shariat Court Pakistan, Newline Printing Press, Lahore, 1992.
- Shafiq ur Rahman, Shari'ah Basis Of The Products Of Islamic Banks,Shafiq ur Rahman, Karachi, First Edition September 2009- Second Edition April 2010.
- Shakil Faruqi, Glossary Banking & Finance, Institute of Bankers Pakistan.
- Shari’ah Standards 9/1/1, AAOIFI, Bahrain, Safar 1439A.H, Nov 2017 A.D.
- Shehzad Ehtisham, Principles of Banking, Qazi, Azeem Academy, Lahore.
- Sidney Homer and Richard Sylla, A History of Interest Rates, John Wiley & Sons, London, 2005.
- Usmani, Muhammad Imran, Ashraf, Meezan Bank’s Guide to Islamic Finance, Darul-Ishaat, Karachi, 2002.
- Usmani, Muhammad Taqi, Mufti, An Introduction to Islamic Finance, Maktaba Ma’ariful Quran, Karachi, Rabi ul Awal 1419 A.D/June 1998.

Websites:

- http://forum.mohaddis.com
- http://magazine.mohaddis.com
- http://m-a-jinnah.blogspot.com/2010/04/state-bank-of-pakistan
- http://marifaacademy.com
- http://www.deeneislam.com
- http://www.entrytest.com
- http://www.iap.net.pk

- http://www.sbp.org.pk
- http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2017
- http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2018
- http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2019
- http://www.sbp.org.pk/ibd/bulletin/2019
- http://www.sbp.org.pk/publications
- https://bankislami.com.pk
- https://bankislami.com.pk/shariah-board
- https://economictimes.indiatimes.com
- https://jamiaahsan.com
- https://nation.com.pk
- https://nit.com.pk http://www.hbfc.com.pk
- https://shamilaurdu.com
- https://tribune.com.pk
- https://www.abl.com
- https://www.abl.com/business-banking
- https://www.albaraka.com.pk
- https://www.albaraka.com.pk/al-baraka/shariah-board
- https://www.albaraka.com.pk/burj-bank-limited-merges
- https://www.bankalhabib.com/credit-cards
- https://www.banuri.edu.pk
- https://www.buroojinstitute.org
- https://www.darsequran.com
- https://www.dibpak.com
- https://www.dibpak.com/index.php/accounts
- https://www.dibpak.com/index.php/sharia
- https://www.dibpak.com/wp-content/uploads/2020/06/Dubai-Islamic-Bank-Weightage
- https://www.hbl.com
- https://www.hbl.com/hbladvantageaccount
- https://www.hbl.com/hbladvantageplus
- https://www.hbl.com/hblgolddebitcard
- https://www.mawazna.com
- https://www.mcb.com.pk
- https://www.meezanbank.com
- https://www.sja.gos.pk
- https://www.thenews.com.pk
- https://www.ubldirect.com

Annual Reports:

- Bank Islami Annual Report 2014
- Bank Islami Annual Report 2015

- Bank Islami Annual Report 2016
- Bank Islami Annual Report 2017
- Bank Islami Annual Report 2018
- Bank Islami Annual Report 2019
- Meezan Bank Auual Report 2014
- Meezan Bank Auual Report 2015
- Meezan Bank Auual Report 2016
- Meezan Bank Auual Report 2017
- Meezan Bank Auual Report 2018
- Meezan Bank Auual Report 2019
- State Bank Annual Report 2016
- State Bank Annual Report 2017
- State Bank Annual Report 2018
- State Bank Annual Report 2019